

کورس کوڈ: 9024

لغت نویسی کا فن اور اردو میں لغت نویسی کی روایت

(تخصیصی کورس)

بی ایس اُردو (چار سالہ)

شعبہ اُردو

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد



لغت نویسی کافن اور اردو میں لغت نویسی کی روایت

یونٹ: 1 تا 9

سطح: بی ایس

کوڈ نمبر: 9024



شعبہ اُردو

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

اشاعت کا سال	_____	2023ء
تعداد اشاعت	_____	1000
نگران طباعت	_____	ڈاکٹر سردار قبال
طابع	_____	AIOU پرنٹنگ پریس، اسلام آباد
ناشر	_____	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیرمین: پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

مجلسِ تحریر:

ڈاکٹر سہیل عباس خان بلوچ

ڈاکٹر امینہ بی بی

حافظ صفوان چوہان

ڈاکٹر گل احمد

حافظ عمران ایوب

قمر حیدر

ڈاکٹر صفدر رشید

نظر ثانی:

ڈاکٹر صفدر رشید

ڈاکٹر قاسم یعقوب

پروڈیوسر: عامر رضا

لے آؤٹ: محمد جاوید

ایڈیٹر: عبدالحمید

رابطہ کار: ڈاکٹر صفدر رشید

پیش لفظ

عزیز طلبہ و طالبات!

بی ایس اردو کا زیر نظر کورس (کوڈ ۹۰۲۳) لغت نویسی کا فن اور اردو میں لغت نویسی کی روایت کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اس کورس میں لغت نویسی سے متعلق مباحث پیش کیے گئے ہیں۔

کورس مرتب کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہی کہ موضوع سے متعلق بنیادی اور اصولی مباحث یکجا ہو جائیں۔ کورس کا بنیادی مقصد طلبہ و طالبات کو لغت نویسی کے فن اور اردو لغت نویسی کی تاریخ سے رُوشناس کروانا ہے۔ بنیادی معلومات کے ساتھ ساتھ اہم لغات کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ طلبہ و طالبات میں تنقیدی ذوق پیدا ہو سکے۔

وائس چانسلر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

کورس کا تعارف

ادب کسی بھی قوم کی جملہ تخلیقی سرگرمیوں کا نام ہے۔ انسانی سماج کی نفسی، لاشعوری اور ان دیکھی سرگرمیوں کا مشاہدہ بھی ادب کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ تاریخی مظاہر اور سماجی اعمال جو ہر زمانے میں بدلتے رہتے ہیں، ادب میں ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کسی بھی سماج کے اہم تاریخی بیانیوں کو جس طرح ادب میں پیش کیا جاتا رہتا ہے، اس کی نظیر کسی اور علم میں ملنا مشکل ہے۔

لغت سازی کا عمل ادب کی تفہیم و تشریح کے لیے سب سے اہم ہے۔ لغت کا شعبہ علم لسان اور لسانیات سے جاملتا ہے۔ لفظ کی مختلف حالتوں اور اس کی پیدائش و اشتقاقیات کا مطالعہ علم لغت کا بنیادی وظیفہ ہے۔

اس کا کتاب میں علم لغت کے مختلف موضوعات پر مواد کو جمع کیا گیا ہے۔ جس میں، لغت نویسی: بنیادی اصول و مباحث، عربی اور فارسی میں لغت نویسی کا ارتقا، منظوم نصاب نامے، مستشرقین کی مرتب کردہ اردو لغات کا جائزہ، اردو لغت نویسی کا دور جدید جیسے موضوعات شامل ہیں۔

امید ہے طلبہ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

کورس رابطہ کار

ڈاکٹر صفدر رشید

کورس کے مقاصد

- 1- طلبہ و طالبات کو لغت نویسی کی نمایاں اصناف سے روشناس کروانا۔
- 2- علم لغت کے مسائل و مباحث سے متعارف کروانا۔
- 3- علم لغت کے مختلف شعبہ جات سے روشناس کروانا۔
- 4- علم لغت کا فنی اور موضوعاتی مطالعہ کرنا۔

فہرست مضامین

7	لغت نویسی: بنیادی اصول و مباحث	یونٹ نمبر ۱
35	عربی اور فارسی میں لغت نویسی کا ارتقا	یونٹ نمبر ۲
63	منظوم نصاب نامے	یونٹ نمبر ۳
83	مستشرقین کی مرتب کردہ اردو لغات کا جائزہ	یونٹ نمبر ۴-۵
127	اردو لغت نویسی کا دور جدید	یونٹ نمبر ۶
130	i- فرہنگ آصفیہ	
132	ii- امیر لغات	
134	iii- نور اللغات	
135	iv- جامع الغات	
138	v- فرہنگ عامرہ	
145	۱۹۴۷ء کے بعد لغت نویسی	یونٹ نمبر ۷
146	i- مہذب الغات	
148	ii- اردو لغت تاریخی اصول پر	
159	iii- فرہنگ تلفظ	
167	کثیر لسانی لغات، تھیسارس، لغات مترادفات و محاورات	یونٹ نمبر ۸
185	اصطلاحات کی فرہنگیں، آن لائن لغات، انسائیکلو پیڈیا	یونٹ نمبر ۹

یونٹ نمبر 1

لغت نویسی: بنیادی اصول و مباحث

تحریر: ڈاکٹر بی بی امینہ
نظر ثانی: ڈاکٹر قاسم یعقوب

فہرست

9	یونٹ کا تعارف
9	یونٹ کے مقاصد
10	لغت نویسی: بنیادی اصول و مباحث
12	اندراجات کے اصول
14	ترتیب اندراجات کے اصول
15	املا کے اصول
16	تلفظ کے اصول
18	قواعدی حیثیت سے متعلق اصول
20	تذکیر و تانیث کے تعین کے اصول
21	معنی کے تعین/توضیح/تشریح سے متعلق اصول
23	اسناد و امثلہ کی پیش کش کے اصول
25	لسانی ماخذ اور اشتقاق کے اصول
28	حواشی اور حوالہ جات
33	خود آزمائی
34	مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

زیر نظر کتاب میں لغت نویسی کے اصول اور ان بنیادی مباحث کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اردو لغت کی تاریخ و ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ لغت نویسی کے فنی اصولوں کا تعلق محض اردو زبان سے نہیں بلکہ یہ دنیا بھر کی زبانوں کے لیے یکساں اصول کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اردو لغت نویسی کا بہت سارا مواد عربی اور فارسی لغت نویسی کی روایت سے جڑا ہوا ہے۔ لہذا جب ہم اردو لغت نویسی کی بنیاد کا کھوج لگائیں تو ہمیں عربی اور فارسی ذخائر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اس یونٹ میں اردو لغت نویسی کے مختلف ادوار اردو لغت نویسی کے ابتدائی نقوش، منظوم لغات، اردو بہ فارسی لغات، اردو بہ انگریزی لغات، اردو بہ اردو لغات کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

طلبہ کو چاہیے کہ اس یونٹ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے مجوزہ کتب سے رجوع کریں۔ اور اچھی طرح فن لغت نویسی سے آگاہ ہو سکیں۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ لغت نویسی کے فن سے روشناس ہونا
- ۲۔ فن لغت نویسی کے اصولوں سے متعارف ہونا
- ۳۔ اردو لغت نویسی کے ارتقا سے آگاہی حاصل کرنا

لغت نویسی: بنیادی اصول و مباحث

اردو لغت نویسی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایک تسلسل نظر آتا ہے، جسے ڈاکٹر رؤف پارکھ پانچ ادوار میں

تقسیم کرتے ہیں:

الف۔ اردو لغت نویسی کے ابتدائی نقوش

ب۔ منظوم لغات

ج۔ اردو بہ فارسی لغات

د۔ اردو بہ انگریزی لغات

ہ۔ اردو بہ اردو لغات

پہلا دور ان عربی اور فارسی زبان کی کتب پر مشتمل ہے، جن میں اردو کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان میں طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی، قرآن السعدین اور مفرح القلوب وغیرہ شامل ہیں۔ اگرچہ ان کتب کو باقاعدہ لغت نویسی کے ذیل میں شمار نہیں کیا گیا، تاہم اردو لغت کے ابتدائی نقوش ضرور تلاش کیے گئے ہیں۔ دوسرا دور قصیدہ در لغات ہندی، خالق باری اور لغات گجری جیسی ان منظوم لغات یا نصاب ناموں کا ہے، جن میں اردو الفاظ کے عربی اور فارسی مرادف کا اندراج ہے۔ دوسرا دور اردو بہ فارسی لغات کا ہے جس میں اردو الفاظ تو شامل ہیں، لیکن ان کی وضاحت یا مترادفات فارسی زبان میں دیے گئے ہیں۔ ایسی لغات میں غرائب اللغات، کمال عترت، عجائب اللغات، دلیل ساطع، نفائس اللغات اور نفس اللغہ وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ چوتھے دور کا آغاز اس وقت ہوا جب انگریز ہندوستان میں بسلسلہ تجارت وارد ہوئے اور اپنے سیاسی، سماجی اور تجارتی اور تبلیغی مقاصد کے لیے زبان سیکھنے کی طرف خصوصی توجہ کی۔ نتیجے کے طور پر قواعد اور دیگر کتب کے ساتھ مستشرقین کی کئی لغات بھی منضہ شہود پر آئیں، جن میں جان شیکسپیئر (۱۷۷۴ء-۱۸۵۸ء John Shakespeare:)، ڈکن فوربس (۱۷۹۸ء-۱۸۶۸ء Duncan Forbes:)، ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو۔ فیلین (۱۸۱۷ء-۱۸۸۰ء Dr. S. W. Fallon) اور سر جان۔ ٹی۔ پلیٹس (۱۸۳۰ء-۱۹۴۰ء Sir John T. Platts:) کی اردو بہ انگریزی لغات زیادہ اہم تصور کی جاتی ہیں۔ جب کہ پانچواں دور اردو بہ اردو لغات سے تعلق رکھتا ہے جس کی معروف لغات فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، امیر اللغات، جامع اللغات، لغت کبیر اور اردو لغت (تاریخی اصول پر) قرار دی جاسکتی ہیں۔ (۲)

اس اجمال کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اردو لغت نویسی کا اصل آغاز مستشرقین کی لغات سے ہوا، جن کے

زیر اثر بہت سی ذولسانی اور سہ لسانی لغات کی تدوین ہوئی۔ (۳) ان لغات نے لغت نویسی کی نئی روایت کو فروغ دیا۔ چنانچہ ان کے بعد مدون کی جانے والی لغات میں اندراجات، ان کی ترتیب، معنی کی وضاحت اور دیگر اصول مستشرقین کی لغات کے مطابق ہی رہے۔ بالفاظ دیگر اردو کی معیاری لغات کے لیے دور چہارم اور دور پنجم کو مد نظر رکھا جاسکتا ہے، لیکن ان ادوار میں بھی جو لغات ترتیب دی گئیں ان میں سے پیش تر لغات میں جدید اصول لغت کا فقدان نظر آتا ہے۔ حالاں کہ ان لغات کی تدوین کے وقت انگریزی اور جرمنی سمیت دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی ایسی لغات موجود تھیں یا مدون کی جا رہی تھیں، جو معیاری لغت نویسی کے جملہ معیارات کا احاطہ کرتی تھیں۔ پھر بھی اردو کی بعض لغات مثلاً اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں ان لغات کے طریقہ کار سے استفادہ کرنے کے باوجود اندراجات لغت کی تفصیل کے ضمن میں اصول لغت پوری طرح سے پختہ دکھائی نہیں دیتے یا پھر ان اصولوں کے اطلاق میں عدم یکسانیت نظر آتی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ لغت نویسوں کی راہ نمائی کے لیے دیگر زبانوں کی مثالی لغات کے علاوہ اصول لغت نویسی کی ایک مسلسل اور مستحکم روایت موجود تھی، جس کے ثبوت کے طور پر مولوی عبدالحق کی لغت کبیر (اردو) کا دیباچہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جس میں مولوی صاحب نے لغت نویسی کی روایت کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد معیاری لغت نویسی کے راہ نما اصول بھی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ (۴) اس کے علاوہ مالک رام، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر سید حسن، شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر عصمت جاوید، ڈاکٹر محمد ذاکر، ڈاکٹر حنیف کیفی، ڈاکٹر مسعود ہاشمی، ڈاکٹر رؤف پارکھی، مسعود حسین خان، سید قدرت نقوی، ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر گیان چند جین، حامد حسین ندوی، سید خواجہ حسینی، علی جواد زیدی، ارشد مسعود ہاشمی اور رشید حسن خاں نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ (۵) ان کے بیان کردہ اصولوں کی اہمیت اور افادیت سے کسی صورت انکار ممکن نہیں ہے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان میں جدید اصول لغت نویسی پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ زیادہ تر مضامین میں عربی اور فارسی کے اصولوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اہل علم و فضل کی کاوشیں اپنے اپنے زمانہ تحریر میں اردو لغت نویسی کے مسائل کے حل کے لیے کسی قدر تسلی بخش قرار دی جاسکتی ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر عہد حاضر میں کوئی لغت ترتیب دی جائے تو متقدمین کے یہ اصول معیاری اور جدید اردو لغت نویسی کے جملہ مسائل کے حل کے لیے ناکافی قرار پاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اردو میں کئی ایسے مضامین ملتے ہیں، جو اردو کی لغات یا لغت نویسی کے کسی ایک پہلو سے علاقہ رکھتے ہیں، لیکن وہ بھی لغت نویسی کے سلسلے میں زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور عہد حاضر کے بین الاقوامی ماہرین لغت سے استفادہ کرتے ہوئے یہاں معیاری لغت نویسی کے لوازمات یا لغت نویسی کے بنیادی مباحث اور اصول نو عنوانات کے تحت تقسیم کیے گئے ہیں،

جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اندراجات کے اصول:

اندراجات سے مراد کسی بھی لغت میں موجود راس الفاظ (Head Words) یا انٹریز (Entries) ہیں۔ یہ لغویوں (Lexemes) کی صورت میں موجود ہوتے ہیں جنہیں lemma کا نام دیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر کسی بھی حوالہ جاتی کتاب میں جس مقام پر کوئی لفظ یا اندراج تلاش کیا جاسکتا ہے اسے لیما (Lemma) کہتے ہیں۔ یہ صارف کی راہ نمائی اس کے مطلوبہ لفظ تک کرتا ہے، جو عموماً اس لفظ کے طور پر یا اس کے تحت درج ہوتا ہے۔ کچھ ماہرین اس بات کے حامی ہیں کہ لغت میں کسی لفظ کی بنیادی تعریف سے پہلے بیان کی گئی ساری تفصیلات بھی لیما میں شامل کر دی جائیں، مثلاً جج، املا، تلفظ اور قواعدی شناخت وغیرہ۔ جب کہ بعض اس اصطلاح کو راس لفظ، مرکزی لفظ یا اصل لفظ (Head word) کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ (۶)

تاہم یہ لغت کی بنیادی ساخت ہے جس کے تحت ایک لفظ درج کیا جاتا ہے اور اس کی جگہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر کسی لفظ کی ابتدائی اور آسان ترین شکل بھی کہا جاسکتا ہے، جس کی دوسری اشکال عموماً لغت میں درج نہیں کی جاتیں مثلاً کسی لفظ کی جمع وغیرہ۔ (۷) یہاں یہ مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ کچھ اندراجات ایک سے زائد الفاظ کی صورت میں بھی موجود ہوتے ہیں اور کچھ الفاظ کسی دوسرے لفظ کا جزو ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں 'ہیڈ ورڈ' یعنی 'راس لفظ' کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ صارف کو آسانی سے سمجھ بھی آتا ہے، (۸) تاہم بوسونسن (پ ۱۹۴۱: Bo Svensen) کے مطابق لیما کا عام مترادف 'ہیڈ ورڈ' ہی ہے لیکن اگر لیما ایک سے زائد الفاظ پر مشتمل ہو تو اسے 'ہیڈ ورڈ' کہنا کسی حد تک تشکیک کا شکار کر دیتا ہے کیوں کہ وہ صرف ایک لفظ یعنی ورڈ پر مشتمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ ہر قسم کے اندراج لغت کے لیے لیما ہی استعمال کرتے ہیں، ۹ جس کے انتخاب کے لیے ایک لغت نویس کو درج ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ کسی بھی لغت کی تدوین کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ لغت کس مقصد کے لیے مدون کی جا رہی ہے اگر وہ مقامی افراد کے لیے ہے تو پھر اس میں الفاظ کا اندراج بھی وسیع پیمانے پر ہوگا اور اس میں معروف، رائج، متروک، کم بولے جانے والے اور غیر مقبول الفاظ کے ساتھ ساتھ مذہبی، ادبی پیشہ ورانہ، قانونی، دفتری، مال گزاری اور علمی و فنی اصطلاحات، ضرب الامثال اور کہاوتیں بھی شامل ہوں گی، لیکن اگر کوئی لغت محض زبان سیکھنے کے خواہش مند افراد کے لیے مدون کی جا رہی ہے تو ایسی صورت میں ذخیرہ الفاظ محدود ہو کر اس زبان کے معروف اور موجودہ الفاظ پر مشتمل ہوگا جب کہ کسی خاص طبقے یا شعبے کے لیے ترتیب دی جانے والی لغت میں الفاظ کا ذخیرہ اور بھی محدود ہو جائے گا۔ (۱۰)

۲۔ اندراجات کے لیے ماخذات بھی بہت اہم ہیں۔ بوسنسن اس ضمن میں دو قسم کے ماخذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف۔ بنیادی ذرائع

ب۔ ثانوی ذرائع

بنیادی ذرائع مصدقہ لسانیاتی مواد سے متعلق ہوتے ہیں جو زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ مواد مختلف قسم کا ہو سکتا ہے مثلاً معائنے یا تجزیے کے ذریعے حاصل شدہ مواد، حوالہ جاتی فائلیں اور کورپس (Corpus) وغیرہ۔ جب کہ ثانوی ذرائع میں کسی زبان کی موجودہ صراحتیں، پہلے سے موجود لغات، قواعد اور خصوصی مطالعات شامل ہیں۔ (۱۱)

۳۔ الفاظ کے انتخاب کے لیے نہ صرف پہلے سے موجود لغات اور ادبی متون سے استفادہ کیا جاسکتا ہے بلکہ اس سلسلے میں کورپس کا کردار بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ کسی بھی زبان کے لیے متون کا ایک سیٹ جمع کیا جاسکتا ہے جو جو اس زبان کے بولنے والوں کی منتخب کردہ اسناد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسے متون کے سیٹ کو کورپس کہتے ہیں۔ یہ موجودہ زمانے میں برقی کورپس کی شکل میں دستیاب ہوتا ہے۔ (۱۲) اس کی مدد سے وہ الفاظ جو کم بولے جاتے ہیں یا کسی تحریری متن کا حصہ نہیں ہیں لیکن اگر زبان کا جزو ہیں تو لغت میں شامل ہو سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا یا سماجی ویب گاہوں پر موجود نئی اصطلاحات تک بھی انھی کے ذریعے رسائی ہو سکتی ہے۔

۴۔ بلاشبہ لغت نویسی میں کورپس کا استعمال بہت عام ہو چلا ہے، لیکن اس ضمن میں لغت نویس کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کورپس اور اس سے حاصل کردہ معلومات پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے۔ اگر کورپس بہتر طور پر راہ نمائی کر سکتا ہے تو پھر اسے چاہیے کہ وہ نہ صرف اسے استعمال کرے بلکہ اس کے استعمال کے رہنما اصول بھی وضع کرے۔ (۱۳)

۵۔ انتخاب اندراجات میں ایک اہم مسئلہ یہ طور لیما الفاظ کے اندراجات کا ہے۔ لغت نویسی کی روایت ہے کہ اس میں اسما، افعال، مصادر اور صفات کو ان کی غیر تصریفی شکل میں بہ طور لیما داخل کیا جاتا ہے، لیکن اکثر اوقات ان کی انتہائی ضروری تصریفی اشکال بھی صارف کی آسانی کے لیے شامل لغت ہوتی ہیں۔ (۱۴)

۶۔ ہیننگ برگن ہولٹز (Henning Bergenholtz) اور سون ٹارپ (Sven Tarp) لغت میں لغویوں (Lexemes) کے علاوہ مرکبات، سابقوں لاحقوں اور فقرات کو بھی شامل کرنے کے حق میں ہیں۔ (۱۵)

۷۔ قواعدی الفاظ جو لغویہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں ان میں اسم واحد، اسم صفت، متعلق افعال اور دیگر افعال

شامل ہیں۔ (۱۶)

- ۸۔ مخففات کی بابت پہلے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا کہ انھیں لغت کے آخر میں ضمیمے کے طور پر درج کیا جاتا تھا، لیکن اب بڑھتا ہوا رجحان یہ ہے کہ انھیں بھی حروف تہجی کے اعتبار سے لغویہ کے طور پر ہی شامل کیا جائے۔ (۱۷)
- ۹۔ ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ محدود لغات میں مخففات کے اندراج کے بھی قائل ہیں، لیکن ان کے نزدیک مخففات کی مکمل ساخت درج کر کے اس کی طرف رجوع کروانا زیادہ احسن ہے۔ (۱۸) جب کہ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) کے مطابق اگرچہ سابقے، لاحقے اور مخففات اس لفظ کے طور پر شامل کیے جاتے ہیں، لیکن ہمیں انھیں لیکسیم یعنی لغویہ کے درجے سے خارج کر دینا چاہیے۔ (۱۹)

۲ ترتیب اندراجات کے اصول:

- لغت نویسی کا دوسرا اصول ترتیب اندراجات کا ہے یعنی لغت میں موجود الفاظ کو کس بنیاد پر ترتیب دیا جائے؟ اس کے لیے مختلف لغات میں کئی طریقے پائے جاتے ہیں جنہیں درج ذیل اصولوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:
- ۱۔ لغت کبھی تو موضوعات کے اعتبار سے ترتیب دی جاتی ہے مثلاً کسی بھی زبان کے تھیسارس یا مخزن وغیرہ، یا کبھی متعلقہ زبان کے حروف تہجی کے اعتبار سے۔ تاہم مؤخر الذکر طریقہ زیادہ معروف ہے اور زیادہ تر لغات میں یہی طریقہ بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ اس طرح لغت کسی زبان کے ذخیرہ الفاظ کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہیں اور مطلوبہ الفاظ تک رسائی کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ (۲۰)
- ۲۔ دوسرا اہم اور ضروری مسئلہ حروف تہجی کی تعداد اور ان کی ترتیب کا تعین ہے۔ بالخصوص اردو زبان کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ملک بھر میں موجود اردو کے مختلف قاعدوں میں ان کی تعداد اور ترتیب میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کا اثر لغات پر بھی پڑتا ہے۔ لہذا لغت نویس کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دے کیوں کہ لغت حروف تہجی کی بنیاد اور ترتیب پر مدون کی جاتی ہے۔ اگر ان کے حوالے سے غیر یقینی کیفیت پائی جائے تو لغت کا پورا ڈھانچا متاثر ہوگا۔ (۲۱)
- ۳۔ مستخرج اور مشتق الفاظ کی ترتیب بھی اہم مسئلہ ہے۔ مرکبات اور مشتقات وغیرہ عموماً لیما کے ذیلی اندراجات کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔ تاہم اس حوالے سے لغات میں تنوع دکھائی دیتا ہے۔ کچھ لغات میں مرکبات کو علیحدہ اندراجات کی صورت میں بھی شامل کیا جاتا ہے اور بعض اوقات سابقوں اور لاحقوں کو بھی لغویوں کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ (۲۲)
- ۴۔ بعض لغویہ ایسے ہوتے ہیں جو حروف اور تلفظ میں یکساں ہوتے ہیں، لیکن ان کے معنی مختلف ہوتے ہیں اور ایسا عموماً اشتقاق کے افتراق کی بنا پر ہوتا ہے انھیں متجانس الفاظ (homonyms) کہا جاتا ہے، جو متحد الحروف و متحد

التلفظ لیکن مختلف المعنی ہوتے ہیں، مثلاً 'آب' بمعنی پانی، اور 'آب' بمعنی چمک وغیرہ۔ اصولوں کے مطابق ایسے الفاظ کا اندراج دوبار یا الگ الگ ہی کیا جائے گا۔ (۲۳) بوسونسن بھی اسی اصول کے حامی ہیں۔ وہ اسے روایتی یا تاریخی طریقہ کار (historical criteria) قرار دیتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ اصول تاریخی لغات کے لیے مفید ہے کیوں کہ ہم عصری لغات میں عموماً لفظ کے اشتقاق سے بحث نہیں کی جاتی۔ (۲۴)

۵۔ کچھ لغویہ بہ اعتبار تلفظ یکساں ہوتے ہیں لیکن ان کا املا مختلف ہوتا ہے۔ انھیں دو صوتیے (homophones) کہتے ہیں، جو متحد التلفظ لیکن مختلف الحروف الفاظ ہوتے ہیں، مثلاً 'ارض' اور 'عرض' وغیرہ۔ ایسے الفاظ اندراجات کی ترتیب میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتے کیوں کہ ان کا املا الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ انھیں حروف تہجی کے لحاظ سے ہی لغت میں جگہ دی جاتی ہے۔ (۲۵)

۶۔ الفاظ کی تصریفی اشکال بھی لغت کی ترتیب میں مسائل پیدا کرتی ہیں، مثلاً اگر ہم لغت میں کسی فعل کا ماضی کا صیغہ تلاش کریں تو وہ ہمیں اصل فعل یا مصدر کے تحت ہی ملے گا۔ اگر اس کی کوئی اور شکل بھی موجود ہوگی تو اس کی طرف رجوع کروایا جائے گا۔ کیوں کہ لغت میں کسی لفظ کی بنیادی یا لغوی اکائی ہی درج کی جاتی ہے اور اس کے ذیل میں اس کی تفصیل دے دی جاتی ہے۔ یہ بہ ظاہر اس لفظ کی متغیر اشکال ہو سکتی ہیں لیکن اصل میں یہ ایک ہی ہیں۔ مثلاً گانا، گاتا، گا، گایا، گائے، گا رہا وغیرہ۔ (۲۶) اس کے لیے الگ سے تفصیلات درج نہیں ہوتیں۔ جو کچھ لغوی اکائیوں کے باب میں بیان کیا جاتا ہے اس کا اطلاق اس لفظ کے متعلقہ تمام جوڑوں پر کیا جاسکتا ہے۔

۳ املا کے اصول:

کسی بھی لغت میں املا کے بارے میں معلومات اس کے لیما میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ لیما اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک لغت املا کے متعلق بھی معلومات فراہم کرتی ہے اور ہم عموماً کسی لفظ کا درست املا جاننے کے لیے بھی لغت کا استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ لغت میں املا کے تعین کے لیے حسب ذیل اصول اپنائے جاسکتے ہیں:

- ۱۔ ایک لغت املا کے اختلافات کو واضح کرتی ہے جو مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں مثلاً لغت میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو دو یا اس سے زائد املا کے حامل ہوتے ہیں۔ صارف کی آسانی کے لیے مناسب ہے کہ مختلف املا درج کر دیے جائیں اور ان کے آگے نشان دہی بھی کر دی جائے کہ یہ کسی لفظ کا غلط املا ہے اور پھر اصل کی طرف رجوع کروایا جائے۔ (۲۷)
- ۲۔ مختلف الحروف الفاظ میں کسی ایک املا کو ترجیح دینا صارف کا اختیار بھی ہوتا ہے کیوں کہ دونوں قسم کا املا مروج ہوتا ہے، (۲۸)، لہذا ایک صارف اپنی صوابدید پر کوئی ایک املا اختیار کر سکتا ہے۔

۳۔ برقی لغات میں اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ایک لفظ اور اس کے مروج املا کو مختلف مقامات پر تلاش کیا جائے۔ کیوں کہ اس میں کسی لفظ کی تلاش کے ساتھ ہی اس کے کئی متبادلات پیش کر دیے جاتے ہیں خواہ صارف کی طرف سے غلط یا نامکمل سچے ہی کیوں نہ درج کیے گئے ہوں۔ (۲۹)

۴۔ کسی لفظ کا ایک سے زائد املا کا ہونا اس بات کی بھی علامت ہے کہ اس زبان میں لغت نویسی کی ایک طویل روایت موجود ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اس امر کا تعین مشکل ہو جاتا ہے کہ کس املا کو ترجیح دی جائے اور کسے لیما قرار دیا جائے؟ اس کا حل یوں نکالا جاسکتا ہے کہ ان املا میں سے کسی ایک کو مرکزی ساخت تصور کر کے باقیوں کی طرف رجوع کروا دیا جائے یا دیگر املا بھی اسی ایک لفظ کے تحت درج کر دیے جائیں۔ (۳۰)

۵۔ بعض اوقات دبستانوں کا اختلاف بھی املا کے مسائل پیدا کرتا ہے مثلاً امریکی اور برطانوی انگریزی کا املا مختلف ہے نیز یہی صورت حال اردو زبان سمیت بعض دیگر زبانوں میں بھی ملتی ہے۔ ایسی صورت میں لغت نویس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ برطانوی اور امریکی انگریزی میں کس املا کو اصل اور کس کو متبادل قرار دے۔ (۳۱) تاہم کوئی بھی زبان ہو دونوں طرح کی املا کا اندراج ضروری ہے۔

۴ تلفظ کے اصول:

تلفظ کے تعین سے مراد کسی لغت میں ان اصوات کی نشان دہی ہے، جو اندراجات کی ادائیگی کو واضح کرتی ہوں۔ کسی بھی لغت کی تدوین میں تلفظ کے ضمن میں دو قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں:

اول: تلفظ کو اس تحریری صورت میں کس طرح ادا کیا گیا ہے جو لغت میں روا ہے؟

دوم: تلفظ کی ادائیگی کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اس میں کتنا تنوع پایا جاتا ہے؟ (۳۲)

چنانچہ کسی بھی جدید لغت میں تلفظ کے سلسلے میں مذکورہ مسائل کے حل کے لیے درج ذیل اصول مد نظر رکھے جاسکتے ہیں:

۱۔ لغت میں تلفظ کے اظہار کے تین طریقے ہیں جن میں سے کوئی بھی طریقہ صارف لغت کی رہنمائی کے لیے کافی ہے:

الف۔ صرف اس لفظ پر علامات (اعراب) کے ذریعے تلفظ ظاہر کیا جائے۔

ب۔ صوتیاتی ترسیم (Phonetic Transcription) کے ذریعے تلفظ کی وضاحت کی جائے۔

ج۔ مذکورہ بالا دونوں طریقے بیک وقت استعمال کیے جائیں۔ ۳۳

۲۔ جدید برطانوی لغات میں صوتیاتی ترسیم کا نظام (Phonetic Transcription System) اختیار کیا گیا

ہے، جس کا ایک مظہر بین الاقوامی صوتیاتی ابجد (International Phonetic Alphabet) یا IPA ہے۔ یہ طریقہ

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں متعارف ہوا۔ یہ رومن حروف تہجی پر مشتمل ہے اور نہ صرف کسی بھی زبان کے لیے موزوں ہو سکتا ہے بلکہ کسی بیرونی زبان کے سیکھنے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے، مثلاً آئی۔ پی۔ اے کے تحت لفظ 'کرکٹ' کا تلفظ 'krikit' ظاہر کیا جائے گا۔ اس کے متبادل کے طور پر دوبارہ سچے کر نیکا طریقہ ((Respelling استعمال ہوتا ہے، جو تلفظ کی ادائیگی کا ایسا طریقہ ہے، جس میں اجزائے صوت، اجزائے کلمہ یا ارکان تہجی (Syllables) کو الگ الگ تحریر کیا جاتا ہے، مثلاً ہیٹ (ہے، اے، ایشیا (اے، ایشیا (یا، وغیرہ۔ سر جیمز مرے (۱۸۳۷ء-۱۹۱۵ء: Sir James Murray) نے مؤخر الذکر کو انیسویں صدی کے وسط میں اوکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے لیے استعمال کیا۔ اس وقت تک IPA ایجاد نہیں ہوا تھا، لیکن جب مذکورہ لغت کی دوسری اشاعت منظر عام پر آئی تو اس میں respelling کو IPA سے تبدیل کر دیا گیا۔ (۳۴)

۳۔ بلاشبہ صوتیاتی ترسیم (Phonetic Transcription) تلفظ کی تحریر کا جدید ترین طریقہ ہے، لیکن بوسونسن اسے صارف لغت کی سہولت کے لیے مزید تین طریقوں میں تقسیم کرتے ہیں:

- الف۔ صوتیاتی ترسیم کے لیے IPA کو پوری طرح برتنا۔
- ب۔ صوتیاتی ترسیم کے لیے IPA کے کچھ اجزاء کو برتنا۔
- ج۔ دوبارہ سچے کرنا یعنی respelling۔ (۳۵)
- ۴۔ ہیپنگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ کے مطابق محدود لغات میں تلفظ کی بابت یہ صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے:
- الف۔ تمام الفاظ کی صوتیاتی ترسیم کے ذریعے وضاحت۔
- ب۔ کچھ الفاظ کی صوتیاتی ترسیم کے ذریعے وضاحت۔
- ج۔ صوتیاتی ترسیم کے بجائے الفاظ کے مختلف اجزاء پر زور (stress) دینا، جو دو حصوں پر مشتمل ہو۔
- د۔ مذکورہ بالا طریقہ کچھ الفاظ کے لیے اختیار کرنا۔
- ۵۔ تلفظ کے متعلق معلومات کا نہ ہونا۔ (۳۶)

چنانچہ لغت کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاسکتی ہے تاہم عہد حاضر کی زیادہ تر لغات میں تلفظ سے متعلق معلومات تلفظ کی صوتیاتی ترسیم پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔

۵۔ اجزائی بل یا الفاظ کے مختلف اجزاء پر زور دینا (stress) بھی الفاظ کی ادائیگی کے متعلق معلومات کی فراہمی کا ایک الگ طریقہ ہے۔ اس میں ارکان تہجی (syllables) کی بنیاد پر لفظ کی تقطیع کی جاتی ہے، لیکن اسے ان لغات کے لیے ضروری نہیں خیال کیا جاتا، جن میں اندراجات کا تلفظ یقینی ہو۔ (۳۷)

۶۔ ایسی لغات جو مقامی افراد کے استعمال کے لیے مرتب کی جاتی ہیں ان میں عموماً بول چال کے الفاظ کا تلفظ واضح نہیں کیا جاتا۔ ایسی لغات میں صرف غیر ملکی الفاظ، غیر ملکی ناموں، سائنسی اور مخصوص اصطلاحات اور نایاب، ثقیل اور پیچیدہ الفاظ کا تلفظ ہی واضح کیا جاتا ہے۔ (۳۸)

۷۔ کچھ پرانی لغات میں ایک اور طریقہ کار بھی ملتا ہے مثلاً 'i' جیسا کہ 'hit' میں ہے یا 'i' جیسا کہ 'machine' میں ہے وغیرہ۔ تاہم کچھ لغات میں، خاص طور پر جو بچوں کے لیے تیار کی جاتی ہیں، غیر رسمی طور پر دوبارہ سچے کرنے کا طریقہ ملتا ہے، مثلاً Emphasis: (sis-fa-em) وغیرہ۔ (۳۹)

۸۔ بعض اوقات ایک لفظ مقامی بولی کا جزو ہونے کی وجہ سے مختلف قسم کے تلفظ یا تنوع کا حامل بھی ہو سکتا ہے ایسی صورت میں ایسا تلفظ دینا چاہیے جسے بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہو۔ مزید برآں اس کے لیے ایک اصول یہ بھی ہے اگر کسی لفظ کو اس طرح تلفظ کیا جائے کہ اسے زیادہ لوگ سمجھ سکیں تو اسی کو مرجح قرار دینا چاہیے۔ (۴۰)

قواعدی حیثیت سے متعلق اصول:

لغت نویسی کی روایت ہے کہ اس میں الفاظ کی قواعدی حیثیت سے بھی بحث کی جاتی ہے، جس کے لیے درج ذیل اصول کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ لغت میں قواعدی معلومات کسی ایک مقام پر نہیں ہوتیں بلکہ انھیں درج ذیل مقامات پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:
 - الف۔ ہر لغویے کے باب میں۔
 - ب۔ بیرونی مواد میں، جو فہرست الفاظ کا حصہ نہیں ہوتا مثلاً پیش لفظ، صارفین کے لیے ہدایات وغیرہ۔
 - ج۔ قواعدی الفاظ میں، جو بہ طور لیما لغت میں شامل ہوتے ہیں۔
 - د۔ مرکبات میں، جو لیما کی صورت میں لغت میں موجود ہوتے ہیں مثلاً محاورات، ضرب الامثال وغیرہ۔
 - ہ۔ قواعدی اصطلاحات میں، جو بہ طور لیما مندرج ہوتی ہیں۔ (۴۱)
 - ۲۔ کسی بھی زبان کے مختلف الفاظ اس زبان کے مختلف جملوں اور فقروں میں اپنے تفاعل یا کردار کی بنا پر مختلف اجزا میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ انگریزی میں ان کی درجہ بندی چار بڑے زمروں میں کی جاتی ہے، مثلاً

۱۔ اسم	۲۔ فعل	۳۔ صفت	۴۔ متعلق فعل
--------	--------	--------	--------------
- اس کے علاوہ چار چھوٹے زمرے بھی ہیں جن کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ وہ بڑے زمروں میں شامل الفاظ میں ربط پیدا کرنے کا کام کرتے ہیں، مثلاً

۱۔ ضمائر ۲۔ حروف تخصیص ۳۔ حروف ربط ۴۔ حروف عطف (۴۲)

دونوں قسم کے اجزاء کو انگریزی میں Parts of Speech کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ ابتدائی لغات میں الفاظ کو مذکورہ بالا اجزاء میں بانٹ دیا جاتا تھا، لیکن پھر یہ خیال کیا جانے لگا کہ یہ طریقہ معنی بر انصاف نہیں کیوں کہ یہ کسی لغویے کے نحو یا کردار کو پوری طرح واضح نہیں کرتا۔ ۴۳ چنانچہ اب کچھ لغات میں، بالخصوص وہ جو انگریزی زبان کے سیکھنے والوں کے لیے مرتب کی جاتی ہیں، قواعدی حیثیت سے متعلق اضافی معلومات بھی شامل ہوتی ہیں، ۴۴ اور یہ اضافی معلومات عموماً اسم، فعل یا حروف کی مختلف اقسام پر مبنی ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر لغات میں الفاظ کو روایتی اجزاء میں ہی تقسیم کیا جاتا ہے۔

۴۔ کچھ لغات میں قواعدی معلومات کے اندراج کے لیے علامات سے بھی مدد لی جاتی ہے اور اس کے لیے کچھ اختصارات و اشارات بھی وضع کیے جاتے ہیں۔ جنہیں عام طور پر لغت کے استعمال کے لیے ہدایات کے عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ ۴۵

۵۔ ایک اچھی لغت الفاظ کے محل استعمال کو بھی واضح کرتی ہے لہذا جدید لغات میں قواعدی معلومات کی فراہمی کے علاوہ ایک رجحان یہ بھی ہے کہ الفاظ کی بہتر تفہیم کے لیے ان کے لیے کچھ نشانات یا لیبل (Label) وضع کیے جاتے ہیں۔ یہ نشانات اس کے استعمال کو ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی لفظ کس کس سیاق و تناظر میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہارڈ جیکسن انہیں سات اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

- الف۔ بولی: (Dialect) عام بول چال کے الفاظ۔
- ب۔ رسمی (Formal): رسمی طور پر استعمال کیے جانے والے الفاظ۔
- ج۔ حیثیت: (Status) الفاظ کی نوعیت یعنی سو قیامت یا عامیانه وغیرہ۔
- د۔ اثر: (Effect) توہین آمیز، تمسخرانہ، جارحانہ، طنزیہ یا ادبی اثرات رکھنے والے الفاظ۔ اس قسم کے الفاظ کی درجہ بندی پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔
- ہ۔ تاریخ (History): متروک یا رائج الفاظ۔
- و۔ موضوع یا شعبہ (Topic or Field): کسی علم یا کسی فن سے وابستہ اصطلاحات۔
- ز۔ متنازع استعمال: (Disputed Usage) متنازع معاملات کے حامل الفاظ۔ ۴۶

تذکیر و تانیث کے تعین کے اصول:

اردو زبان کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ چنانچہ اس کے خصائص جہاں اور مقامات پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں ان کی بہ دولت لغت نویسی میں بھی ایک اہم اصول کا اضافہ ہو جاتا ہے، جو الفاظ کی تذکیر و تانیث کے تعین سے متعلق ہے۔ انگریزی زبان میں بھی الفاظ کی تذکیر و تانیث سے بحث کی جاتی ہے، لیکن ان کا تعلق جنس مشترک یعنی Neuter Gender یا Common Gender سے ہے۔ تاہم اردو میں محض اس قدر نہیں ہے بلکہ اس میں تذکیر و تانیث کے بیش تر اصول سماعتی ہیں یا عربی زبان سے اخذ کردہ ہیں۔ لہذا باقی اصول لغت نویسی کے برعکس اس کے اصولوں کے لیے مغربی ماہرین کے بجائے اسی زبان کے ماہرین کے وضع کردہ درج ذیل اصولوں سے مدد لی گئی ہے جن کا اہتمام لغت میں ناگزیر ہے، مثلاً:

۱۔ اردو میں الفاظ کی جنس کے حوالے سے اختلافی مسائل ہیں، جن میں سب سے پہلے تعصب اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ لغت نویس کا یہ فرض ہے کہ ذاتی ترجیحات و تعصبات سے قطع نظر اس امر کی وضاحت کرے کہ لفظ کی جنس میں جو اختلاف ہے اس کی نوعیت مکانی (دبستانوں کا اختلاف)، شعری (کسی شاعر کی طرف سے لفظ کی جنس میں تبدیلی)، زمانی (وقت کے بدلاؤ کے ساتھ لفظ کی جنس میں تبدیلی) یا تصریفی (لفظ کی جنس کا ماخذ زبان سے مختلف ہونا) میں سے کون سی ہے اور اس کی مروجہ اور درست صورت کیا ہے؟ ۴۷

۲۔ اردو الفاظ کی تذکیر و تانیث سے متعلق مختلف آراء ہیں جن میں دبستانوں کا فرق بھی ایک اہم مسئلہ ہے، مثلاً 'لغت'، 'اکتفا'، 'الاب' اور 'ابتلا' جیسے الفاظ دبستانی اختلافات کی بنا پر مذکور اور مؤنث دونوں صورتوں میں مستعمل ہیں۔ چنانچہ ایک لغت میں دبستانی اختلافات کا احاطہ کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ ۴۸

۳۔ نہ صرف دبستان دہلی اور لکھنؤ بلکہ اردو اور ہندی/سنسکرت کے مابین بھی تذکیر و تانیث کے اختلافات ہیں جو واضح ہونے چاہئیں، ۴۹ مثال کے طور پر 'آتما' سنسکرت میں مذکر لیکن اردو میں بہ طور مؤنث مستعمل ہے۔ اس پر توجہ دی جانی چاہیے۔

۴۔ عربی میں تذکیر و تانیث فاعل اور مفعول کی صورت میں صفت اور موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ عربی کی طرح اردو میں بھی بے جان اسم تذکیر و تانیث کے اصولوں کا پابند ہے چنانچہ نہ صرف صفت اس کے مطابق ہوگی بلکہ ایسا اسم جمع کی حالت میں مؤنث ہو جاتا ہے لہذا صفت بھی مؤنث ہو جائے گی۔ ۵۰ ایک ماہر لغت کی ان امور پر بھی گہری نظر ہونی چاہیے۔

۵۔ عربی زبان سے اخذ کردہ الفاظ کی جمعیں، خواہ اسم مذکر ہوں یا مؤنث، دبستان لکھنؤ میں مذکر لیکن دہلی میں مذکر کی جمع مذکر اور مؤنث کی جمع مؤنث ہوتی ہے، تاہم اس اصول میں استثنائی صورت بھی پائی جاتی ہے، جس کی وضاحت لغت میں ضروری ہے۔ ۵۱۔

۶۔ اردو میں موجود ذیل الفاظ بھی تذکیر و تانیث کے حوالے سے بے قاعدگی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان میں بعض الفاظ کی جنس اصل الفاظ سے مختلف ہے مثلاً 'شمس' عربی میں مؤنث، لیکن اردو میں مذکر ہے۔ اسی طرح 'اصل' عربی میں مذکر، لیکن اردو میں مؤنث ہے۔ چنانچہ اس نوع کے الفاظ بھی توجہ کے متقاضی ہیں۔

۷۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث میں زمانی اختلاف بھی اپنا کردار ادا کرتا ہے یعنی بعض الفاظ ایسے ہیں جو ایک زمانے تک مذکر استعمال ہوئے لیکن بعد میں مؤنث ہو گئے یا پھر صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے، مثلاً 'شوق'، 'التفات' وغیرہ۔ جب کہ بعض اوقات کسی شاعر کی شعری ضرورت بھی ان میں اختلافات پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے، مثلاً علامہ اقبال نے 'بلبل' کو مذکر اور مؤنث دونوں صورتوں میں استعمال کیا ہے۔ لغت نویسی کے ضمن میں ان امور کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

معنی کے تعین/توضیح/تشریح سے متعلق اصول:

چوں کہ کوئی بھی لغت عام طور پر املا اور معنی سے متعلق معلومات کے لیے ہی دیکھی جاتی ہے ۱۵۴ اس لیے لغت نویس کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ تعریف کی صورت میں لفظ کے معنی کا تعین کرے۔ ۱۵۵ اس مقصد کے لیے زیر نظر اصول راہ نمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں:

۱۔ لغت میں لفظ کی تعریف و توضیح کے لیے کئی طریقے بروئے کار لائے جاتے ہیں، لیکن ہاورڈ جیکسن کے مطابق لفظ کی تعریف کا سب سے عام طریقہ ایک مکمل تجزیاتی جملے پر مبنی تعریف ہے۔ جب کہ دوسرا بڑا طریقہ مترادفات کا بیان ہے۔ مؤخر الذکر مجرد الفاظ کی وضاحت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ ان کی تعریف کرنا آسان نہیں ہوتا۔ تاہم مترادفات بھی ایسے ہونے چاہئیں جو ایک دوسرے کی وضاحت کرنے والے ہوں۔ تعریف کا تیسرا طریقہ ایسے الفاظ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو عام طور پر کسی اور معنوں میں استعمال ہوتے ہوں، مثلاً day of rest کے معنی sunday دیے جائیں۔ جب کہ چوتھا طریقہ الفاظ کے استعمال کا بیان ہے جو عموماً قواعدی حروف یعنی and یا or وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ۵۶۔

۲۔ بوسونسن کے مطابق کسی لغت میں معنی کی وضاحت کے دو ہی طریقے رائج ہیں:

الف۔ مترادفات

ب۔ توضیحی طریقہ کار

زیادہ تر لغات میں یہ دونوں طریقے ہی دیے جاتے ہیں اور ان میں بھی پہلے تعارف یا تعریف اور بعد ازاں لفظ کا ایک یا ایک سے زائد مرادف درج کیے جاتے ہیں۔ ۵۷

۳۔ لغت میں کسی لفظ کی رسمی طور پر تعریف کی بھی دو اقسام بتائی جاتی ہیں جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

الف۔ پابند تعریف (Controlled Definition): آسان الفاظ میں تعریف جو صارف آسانی سے

سمجھ سکے اور وہ ان الفاظ پر مبنی ہو جنہیں وہ پہلے سے جانتا ہو۔

ب۔ جملے پر مشتمل تعریف (Sentential Definition): ایسی تعریف جو کسی لفظ یا فقرے کے

بجائے جملے پر مشتمل ہو۔ ۵۸

۴۔ کئی لفظ ایک سے زیادہ معنی کے حامل ہوتے ہیں جو اس کی کثیر معنویت کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا اس امر کا تعین کرنا

کہ ایک لفظ کتنے معنی رکھتا ہے اور ان تمام معنوں کو کس ترتیب سے مرتب کیا جاسکتا ہے، لغت نویس کے لیے نہ صرف ایک

مشکل مرحلہ ہے ۵۹ بلکہ بنیادی سوالات میں سے بھی ایک اہم سوال ہے۔ جس کے لیے ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی لغت

تاریخی اصول پر ترتیب دی جا رہی ہے تو اس کے لیے قدیم سے لے کر جدید معنی تک سب پیش کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے

لیے ادوار بندی بھی کی جاتی ہے اور ہر دور کے معنی کی مثال بھی پیش کی جاتی ہے۔ ۶۰

۵۔ کثیر معنوی الفاظ کے لیے معنی کی ترتیب بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کے دو ممکنہ اصول رائج ہیں:

الف۔ سب سے پہلے لفظ کے جدید ترین معنی دیے جائیں اور آخر میں قدیم ترین۔

ب۔ تاریخی طریقہ اختیار کیا جائے جس میں اصل اور قدیم معنی پہلے دیا جاتا ہے اور جدید ترین آخر میں۔

اگرچہ درج بالا دونوں طریقے رائج ہیں، لیکن تاریخی طریقہ زیادہ منطقی تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں ایک ہی نظر میں کسی لفظ

کا تاریخی ارتقا سامنے آجاتا ہے۔ ۶۱

۶۔ جہاں تک معنی کی کثرت کا تعلق ہے تو جس لفظ کے بہت سے معنی ہوں ان میں قریبی اور عام استعمال ہونے والے

معنی پہلے درج کیے جانے چاہئیں اور اس کے بعد اس کے دیگر معنی یعنی تکنیکی معنی، متروک معنی اور محاوراتی معنی وغیرہ درج

ہونے چاہئیں۔ یہ طریقہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں لغت نویس یہ محسوس کرے کہ جدید اور مروجہ معنی ہی لفظ کے اصل معنی

ہیں۔ ۶۲

۷۔ معنی کے اعتبار سے ایک مسئلہ تعصب کا بھی ہے۔ قدیم لغات انفرادی نقطہ نظر سے تحریر کی جاتی تھیں اس ضمن میں جانسن کی لغت کی مثال دی جاسکتی ہے لیکن نئی لغات میں لغت نویس اس قسم کے رجحان کی نفی کرتے ہیں اور لفظ کی تعریفات کے حوالے سے تعصبات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اسی لیے موجودہ لغات زیادہ معتبر اور فائدہ مند قرار دی جاسکتی ہیں۔ ۳۶۔

۸۔ لغت میں معنی کی وضاحت کے لیے الفاظ کو ایک دوسرے کی طرف رجوع (Circulation) کروانا بھی مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ اکثر ذولسانی اور کثیر لسانی لغات میں اختیار کیا جاتا ہے کیوں کہ ان میں مترادفات درج کیے جاتے ہیں، لیکن اسے لغت نویسی کے لیے احسن تصور نہیں کیا جاتا۔ ۶۴ مذکورہ مسئلے پر قابو پانے کے لیے، معنی کی وضاحت ایسے مخصوص الفاظ میں ہونی چاہیے جن کے لیے ان پانچ اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہو:

الف۔ ایسے عام الفاظ استعمال ہوں جو زبان میں تو اتر سے استعمال ہوتے ہوں۔

ب۔ ایسے الفاظ ہوں جن کے مطالب ایک زبان کی مختلف بولیوں، مثلاً برطانوی اور امریکی انگریزی، میں یکساں ہوں۔

ج۔ متروک الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

د۔ ایسے الفاظ ہوں جو سمجھنے میں آسان ہوں۔

ہ۔ ایسے الفاظ سے درگزر کیا جائے جو غیر مقامی یا غیر ملکی الفاظ کے ساتھ الجھادیں۔ ۶۵۔

اسناد و امثلہ کی پیش کش کے اصول:

کسی بھی لغت میں عموماً لفظ کی تعریف کے بعد اس کی ایک یا ایک سے زائد امثال درج کی جاتی ہیں جو اس کے عام استعمال اور اس سیاق و سباق کو واضح کرتی ہیں جس میں وہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ۶۶ اس کے لیے درج ذیل اصول پیش نظر ہونے چاہئیں:

۱۔ لغت میں عام استعمال کی اسناد بھی دی جاسکتی ہیں اور یہ ادبی متون پر بھی مشتمل ہو سکتی ہیں تاہم اگر پہلے سے ریکارڈ شدہ امثال موجود ہیں تو انہیں بھی شامل کیا جاسکتا ہے، ۶۷ جو اکثر کورپس کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسناد کے اندراج کے لیے کورپس کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ فی زمانہ ایسے الفاظ زبانوں میں داخل ہو چکے ہیں جنہیں کورپس کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ اس مشکل سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے الفاظ جو کسی ادیب کے ہاں مستعمل نہیں، لیکن زبان کا حصہ ہیں تو ان کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ کے اندراج کے ساتھ ساتھ ان کے معنی اور استعمال کی امثال

کے لیے بھی کورپس کو بنیاد بنایا جائے۔

۲۔ عصر حاضر میں تین قسم کی امثال و اسناد زیادہ قابل ذکر اور قابل اعتبار قرار دی جاسکتی ہیں:

الف۔ حوالہ (Citation): ایسی امثال کسی بھی ادبی متن سے، لغت نویس کی طرف سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش کو اپنائے بغیر، اخذ کی جاسکتی ہیں۔

ب۔ حوالے پر مبنی امثال (Citation Examples): یہ آسان، مختصر اور خلاصہ شدہ امثال ہوتی ہیں، جو کسی مکمل حوالے سے غیر ضروری، غیر متعلقہ یا اضافی معلومات یا جملہ معترضہ کو حذف کر کے وضع کی جاتی ہیں۔

ج۔ اہلیت اور قابلیت کی بنیاد پر گھڑی گئیں امثال/قیاسی امثال (Competence Examples): ان میں لغت نویس کی مساعی کا فرما ہوتی ہے۔ ۶۸

۳۔ بوسونسن کے ہاں امثال کی ایک تقسیم غیر تشریحی (Uncommented Examples) اور تشریحی امثال (Commented Examples) کی صورت میں بھی ملتی ہے۔ غیر تشریحی امثال میں معنی کی طرف اشارہ نہیں کیا جاتا جب کہ تشریحی امثال اس کے برعکس ہوتی ہیں۔ ان میں سے مؤخر الذکر کو وہ مزید دو اقسام یعنی توضیحی امثال (Defined Examples) اور ترجمہ شدہ امثال (Translated Examples) میں تقسیم کرتے ہیں، جنہیں بالترتیب یک لسانی لغات اور ذولسانی لغات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ۶۹

۴۔ لغت میں امثلہ و اسناد کسی بھی لفظ کے بارے میں واضح معلومات کے بعد یا کسی بھی لفظ کے متعلق قاموسی نوٹ (Encyclopedic notes) کے بعد اور الفاظ کی ترتیب سے پہلے تحریر کی جاتی ہیں۔ لہذا اگر الفاظ کی قاموسی وضاحت بھی دینی مقصود ہو تو مؤخر الذکر ترتیب زیادہ بہتر ہے۔ یعنی لغات کی مثالیں قاموسی تفصیل کے ساتھ ہی تسلسل میں درج کرنی چاہئیں۔ یہ نہ صرف عام فہم ہے بلکہ لغت کی تفصیلی ساخت کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس میں ایک تسلسل قائم رہے۔ ۷۰

۵۔ بہ حوالہ اسناد ایک اہم مسئلہ امثال کی تعداد کا بھی ہے، مثلاً بعض اوقات لغت میں ان کو شامل ہی نہیں کیا جاتا اور کبھی کئی کئی امثال درج کر دی جاتی ہیں۔ غالباً اسی لیے ہیٹنگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ کہتے ہیں کہ یک لسانی لغات میں الفاظ کے استعمال کی ایک کثیر تعداد، جسے ایک لمبی فہرست کہنا چاہیے، موجود ہوتی ہے۔ ۷۱ تاہم اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ بعض اوقات کوئی ایک مثال صارف کے لیے کافی نہ ہو اور وہ اس کی مدد سے لفظ کا استعمال نہ جان سکے ۷۲ اس لیے کسی بھی لفظ کی ایک سے زائد، معروف اور فائدہ مند اسناد دینی چاہئیں تا کہ کسی بھی لفظ کے معنی کی تمام جہات کو احسن طریقے سے سمجھا جا

سکے اور بوقت ضرورت ان کا درست استعمال کیا جاسکے۔

لسانی ماخذ اور اشتقاق کے اصول:

لفظ ایک معاشرتی رویہ ہے اور معنی ثقافتی اظہار ہے، جو صدیوں کی تاریخ پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی حیثیت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سترہویں صدی کے اواخر سے عمومی لغات میں اشتقاقی معلومات کا اندراج بھی کیا جانے لگا اور عام الفاظ بھی شامل کیے گئے کہ ان کی اصل سے متعلق تفصیل محفوظ کی جاسکے ۷۳ بلکہ عہد حاضر میں بھی بیش تر لغات الفاظ کے اشتقاق اور ان کی اصل سے متعلق معلومات کے اندراج پر زور دیتی ہیں۔ دراصل الفاظ سے متعلق اشتقاقی معلومات ہمیں الفاظ کی تاریخ سے آگاہ کرتی ہیں کہ وہ کہاں سے آئے؟ کس طرح بنے؟ انہوں نے ارتقائی مراحل کس طرح طے کیے اور بالآخر کس طرح انہوں نے وہ شکل اور معنی اختیار کیے جو اس وقت ان کے ہیں؟ ۷۴ اس طرح کسی لغت میں اشتقاقی تفصیل کی فراہمی کے تین مقاصد بتائے جاسکتے ہیں:

الف۔ علما اور طالب علموں کے لیے خام مواد فراہم کرنا۔

ب۔ زبان کے بارے میں معلومات اور دلچسپی کو فروغ دینا۔

ج۔ زبان کے ذریعے کسی تہذیب کی تاریخ اور اس تہذیب کا دوسری تہذیبوں کے ساتھ تعلق کا فہم پیدا کرنا۔ ۷۵
یہ مقاصد نہ صرف اس کی اہمیت واضح کرتے ہیں بلکہ اس بات پر بھی دال ہیں کہ اشتقاق اور لسانی ماخذ کا اندراج کسی بھی لغت کا سب سے پیچیدہ کام ہے کیوں کہ اس کے لیے نہ صرف تاریخی معلومات درکار ہوتی ہیں ۷۶ بلکہ کچھ اصولوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ماضی میں اشتقاقی معلومات کے اندراج کی بابت قیاس آرائی اور اندازوں سے کام لیا جاتا تھا، لیکن اب لغت نویس اس سے بچتے دکھائی دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اشتقاق کے لیے وہی معلومات درج کی جائیں جو مبنی بر تحقیق ہوں۔ ۷۷

۲۔ ایک لسانی عصری لغت جو عام صارفین کے لیے مرتب کی جاتی ہے اس میں اشتقاق واصل کا کردار معمولی ہوتا ہے۔ جب کہ کچھ لغات میں اب بھی یہ معلومات شامل نہیں کی جاتیں۔ ۷۸

۳۔ کسی لغت میں اصل و اشتقاق کی معلومات کا شامل ہونا لغت کی تدوین کے مقصد سے بھی مشروط ہوتا ہے۔ اگر وہ محض زبان سیکھنے والوں کے لیے ہے تو اس کے لیے تاریخی معلومات کی ضرورت ہی نہیں، لیکن اگر اس میں تاریخی اجزاء عناصر پائے جاتے ہیں تب اس میں اشتقاق کو منطقی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ ۷۹

- ۴۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کس قسم کی اشتقاقی معلومات لغت میں ہونی چاہئیں؟ سب سے پہلے یہ اشتقاق کی شمولیت کے مقاصد پر منحصر ہے اور یہ کہ صارفین لغت کس قسم کی معلومات کی توقع رکھتے یا ان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟ علاوہ ازیں یہ نہ صرف کسی لفظ کے دستیاب مواد پر منحصر ہے بلکہ لغت میں اشتقاق کے لیے مخصوص جگہ پر بھی انحصار کرتا ہے۔ ۸۰
- ۵۔ بوسنسن کے مطابق جو لوگ زبان میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں وہ درج ذیل سوالات کے جوابات جاننا چاہتے ہیں:
- الف۔ کیا ہر لفظ مقامی ہے یا وہ مستعار لیا گیا ہے اور غیر ملکی ہے؟
- ب۔ اگر لفظ مقامی نہیں تو یہ کہاں سے آیا اور اس کی اصل (Root) کہاں ہے جہاں سے یہ زبان میں داخل ہوا؟
- ج۔ اس لفظ نے پہلی بار اس زبان میں کب اور کہاں مصدقہ حیثیت حاصل کی؟
- د۔ لفظ کی اصل صورت کیا ہے اور اس کی موجودہ صورت کیسے وجود میں آئی؟
- ہ۔ لفظ کے اصل معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی کا ارتقا کیسے عمل میں آیا؟ اگر اس کے ایک سے زائد معنی ہیں تو ان میں باہمی تعلق کیا ہے؟
- و۔ اس لفظ سے متعلقہ اور الفاظ کون سے ہیں؟ آیا وہ اسی زبان میں ہیں یا کسی اور زبان میں موجود ہیں؟
- ز۔ کیا لفظ اور اس کے تاریخی ارتقا کے ساتھ مزید لسانیاتی حقائق بھی متصل ہیں؟ ۸۱
- چنانچہ جہاں تک ممکن ہو ایک لغت نویس کو ان سب کے جوابات فراہم کرنے چاہئیں۔
- ۶۔ کسی لفظ کے ارتقائی مراحل (Development Stages) سے متعلق معلومات مادے کی زبان کی تفصیلات، مادے کی ساخت کی تفصیلات اور مادے کے معنی کی تفصیلات پر مشتمل ہونی چاہئیں۔ ۸۲
- ۷۔ یہ سچ ہے کہ کبھی کبھار کسی لفظ کے معنی میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کہ وہ نہ صرف قاری کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں بلکہ تاریخی اور ثقافتی تحقیقات میں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں، ۸۳ لیکن یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ لفظ کے معنی کے بیان میں ماضی خواہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو سارے کا سارا معلوم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی سارا کسی لفظ کے معنی سے متعلق ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک خاص حد تک ہی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ۸۴
- ۸۔ کسی لفظ کا اشتقاق یہ ضرور بتاتا ہے کہ لفظ کب وجود میں آیا اور اب اس کی کیا حالت و صورت ہے، لیکن وہ نہ تو اس کے عصری معنی کی وضاحت کے لیے مددگار ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے استعمال کے لیے۔ یہ صرف پس منظر کی معلومات کے حصول کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ ۸۵
- ۹۔ لفظ کے اشتقاق کے لیے جو ثبوت مہیا کیے جاتے ہیں وہ یا تو جزوی و عارضی ہوتے ہیں یا مکمل طور پر معلوم نہیں ہو

پاتے، لیکن پھر بھی ضروری ہے کہ اشتقاقی تفصیل کے ساتھ مثالیں مہیا کی جائیں خواہ وہ کسی قدر نا کافی ہی کیوں نہ ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مزید معلومات سامنے آتی چلی جاتی ہیں ایسی صورت میں اشتقاقی معلومات پر نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔ ۸۶

درج بالا بحث کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ لغت نویسی اپنی اہمیت اور افادیت کے باعث دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں میں ہمیشہ سے اور مختلف صورتوں میں مروج رہی ہے اور اس کی ترتیب و تدوین کے اصول بھی انھی زبانوں کی خصوصیات کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیے جاتے رہے ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ مرور ایام کے ساتھ ساتھ لغت نویسی کے تقاضوں میں بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ انھی تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ سابقہ لغات یا ان کے طریقہ کار کی بنیاد پر کوئی لغت ترتیب دینے کے بجائے تحقیق و تدوین لغت کا کام باقاعدگی سے لیکن وسیع اور جدید پیمانے پر کیا جائے۔ اگرچہ یہ ایک وقت طلب کام ہے اور کسی جماعت کی اعانت کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا لیکن جس طور بھی ممکن ہو اگر اوپر بیان کردہ اصولوں کو مد نظر رکھ کر کسی اردو لغت کی تدوین کی جائے تو نہ صرف اردو لغت نویسی کو عالمی معیارات سے ہم آہنگ کیا جاسکے گا بلکہ یہ اردو زبان و ادب کی بھی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

حواشی اور حوالہ جات

- ۱- روف پارکھ، ڈاکٹر، لغوی مباحث (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۱-۲۲۔
- ۲- ایضاً۔
- ۳- اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:
- ۴- صفدر رشید، مغرب کے اردو لغت نگار (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۲۹-۸۸۔
مولوی عبدالحق، ”اردو لغات اور لغت نویسی“، مشمولہ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۹۸-۱۳۷۔
- ۵- اصول لغت نویسی سے متعلق ان ماہرین لغت کے مضامین کے لیے ملاحظہ کیجیے:
گوپی چند نارنگ (مرتبہ)، لغت نویسی کے مسائل (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۵ء)
روف پارکھ (مرتبہ)، اردو لغات: اصول اور تنقید (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۴ء)
ایضاً، لغت نویسی اور لغات: روایت اور تجزیہ (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء)
ایضاً، اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)
ایضاً، علم لغت، اصول لغت اور لغات (کراچی، فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)
- ۶- آر-آر-کے-ہارٹ مین اور گریگری جیمز (R.R.K.Hartmann and Gregory James)،
Lexicography Dictionary of (لندن: روتلیج، ۲۰۰۲ء)، ص ۸۳۔
- ۷- ایم-اے-کے-ہیلیڈے (M.A.K.Halliday)، "Lexicology" مشمولہ Lexicology and
Corpus Linguistics (نیویارک: کلتھنیم، ۲۰۰۴ء)، ص ۶۔
- ۸- ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp)،
Manual of Specialised Lexicography (ایمسٹرڈیم: جان بنجمن پبلشنگ کمپنی، ۱۹۹۵ء)، ص ۹۹۔
- ۹- بوسونسن (Bo Svensen)، Handbook of Lexicography A، (لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس،
۱۹۹۳ء)، ص ۹۳۔
- بوسونسن کی اسی توجیہ اور لفظ ’لیما‘ (Lemma) کی کاملیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم نے بھی اکثر مقامات پر
’راس لفظ‘ (head word) کے بجائے ’لیما‘ ہی استعمال کیا ہے۔
- ۱۰- پیٹرک ہینکس (Patrick Hanks)، Compiling a Monolingual Dictionary for
Speakers Native (جمہوریہ چیک: چارلس یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء)، ص ۵۸۲-۵۸۵۔
- ۱۱- بوسونسن (Bo Svensen)، Handbook of Lexicography A، (لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس،
۲۰۰۹ء)، ص ۷۳۔
- ۱۲- جان سنکلیر (John Sinclair)، "Corpora for Lexicography" مشمولہ Practical A
Guide to Lexicography مرتبہ پیٹ وان سٹرکن برگ (ایمسٹرڈیم: جان بنجمن پبلشنگ

- کمپنی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۷۔
- ۱۳۔ ایضاً۔
- ۱۴۔ ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp) Manual of، ص ۱۵۔
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۴۔
- ۱۶۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۱۰۵۔
- ۱۷۔ ایضاً۔
- ۱۸۔ ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp) Manual of، ص ۱۰۴۔
- ۱۹۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) Introduction An :Lexicography، (لندن: روتج، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۔
- ۲۰۔ نذیر آزاد، ڈاکٹر، لغت نگاری: اصول و قواعد (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۲۱ء)، ص ۴۴۔
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۶۴۔
- ۲۲۔ ایم۔ اے۔ کے۔ ہیلیڈے (M.A.K. Halliday)، "Lexicology" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۷۔
- ۲۳۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction:Lexicography، ص ۲۔
- ۲۴۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۶۹۔
- ۲۵۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction:Lexicography، ص ۳۔
- ۲۶۔ ایضاً۔
- ۲۷۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۱۰۹۔
- ۲۸۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction:Lexicography، ص ۱۰۱۔
- ۲۹۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۱۰۹۔
- ۳۰۔ ایضاً۔
- ۳۱۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction:Lexicography، ص ۱۰۲۔
- ۳۲۔ ایضاً۔
- ۳۳۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۱۱۶۔
- ۳۴۔ ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction:Lexicography، ص ۱۰۲۔
- ۳۵۔ بوسونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography، ص ۱۱۷۔

- ۳۶- ہیئنگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp) Manual of Specialised Lexicography، ص ۱۳۵۔
- ۳۷- فیرنیس کیفراور پیٹ وین سٹرکن برگ (Ferenc Kiefer and Piet Van Sterkenburg) "Design and Production of Monolingual Dictionaries" مشمولہ Practical A، ص ۳۵۴۔
- ۳۸- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction: Lexicography، ص ۱۰۳۔
- ۳۹- ایم۔ اے۔ کے۔ ہیلیڈے (M.A.K. Halliday) "Lexicology" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۶۔
- ۴۰- فیرنیس کیفراور پیٹ وین سٹرکن برگ (Ferenc Kiefer and Piet Van Sterkenburg) "Design and Production of Monolingual Dictionaries" مشمولہ، ص ۳۵۴۔
- ۴۱- ہیئنگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp) Manual of Specialised Lexicography، ص ۱۱۲۔
- ۴۲- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction: Lexicography، ص ۷۔
- ۴۳- بو سونسن (Bo Svensen) Handbook of Lexicography A، ص ۳۱-۷۰۔
- ۴۴- فیرنیس کیفراور پیٹ وین سٹرکن برگ (Ferenc Kiefer and Piet Van Sterkenburg) "Design and Production of Monolingual Dictionaries" مشمولہ، ص ۳۵۴-۳۵۵۔
- ۴۵- ایم۔ اے۔ کے۔ ہیلیڈے (M.A.K. Halliday) "Lexicology" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۶۔
- ۴۶- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction: Lexicography، ص ۱۰۸۔
- ۴۷- ان کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:
- ۴۸- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson) An Introduction: Lexicography، ص ۱۰۹-۱۱۵۔
- ۴۹- نذیر آزاد، ڈاکٹر، لغت نگاری: اصول و قواعد، ص ۸۵۔
- ۵۰- نذیر آزاد، "اردو لغت نگاری کے مسائل" مشمولہ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، ص ۳۴۵۔
- ۵۱- علی جوادی، "اردو لغت کی جدید تدوین" مشمولہ اردو لغات: اصول اور تنقید، ص ۶۸۔
- ۵۲- نذیر آزاد، "اردو لغت نگاری کے مسائل" مشمولہ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، ص ۳۴۵۔
- ۵۳- ایضاً، ص ۳۴۶۔
- ۵۴- نذیر آزاد، ڈاکٹر، لغت نگاری: اصول و قواعد، ص ۸۴-۸۵۔
- ۵۵- ایضاً، ص ۸۳۔

- ۵۴- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، An Introduction: Lexicography، ص ۸۶-
- ۵۵- ایضاً، ص ۱۵-
- ۵۶- ایضاً، ص ۹۴-
- ۵۷- بوسونسن (Bo Svensen)، Handbook of Lexicography A، ص ۲۱۴-
- ۵۸- ڈرک جیرارٹس (Dirk Geeraerts)، "Meaning and Definition" مشمولہ Practical A، ص ۹۱- Guide to Lexicography
- ۵۹- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، An Introduction: Lexicography، ص ۱۵-
- ۶۰- ایضاً، ص ۹۲-
- ۶۱- ایضاً-
- ۶۲- ایضاً-
- ۶۳- کولن ییلپ (Colin Yallop)، "Words and Meaning" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۲۴-
- ۶۴- بوسونسن (Bo Svensen)، Principles and Practical Lexicography، Methods of Dictionary Making (اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء)، ص ۶۲۱-
- ۶۵- فرینس کیفراور پیٹ وین سٹرکن برگ (Ferenc Kiefer and Piet Van Sterkenburg)، "Design and Production of Monolingual Dictionaries"، ص ۳۵۷-
- ۶۶- ایضاً، ص ۳۵۸-
- ۶۷- ایم۔ اے۔ کے۔ ہیلیڈے (M.A.K. Halliday)، "Lexicology" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۷-
- ۸۶- ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp)، Manual of Specialised Lexicography، ص ۱۳۹-
- ۶۹- مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:
- بوسونسن (Bo Svensen)، Handbook of Lexicography A، ص ۱۸۲-۲۸۲-
- ۷۰- ہیننگ برگن ہولٹز اور سون ٹارپ (Henning Bergenholtz and Sven Tarp)، Manual of Specialised Lexicography، ص ۱۳۹-
- ۷۱- ایضاً-

- ۷۲- اینا فرینکن برگ۔ گارشیا (Garcia- Ana Frankenberg) "Learners' Use of Corpus Examples" مشمولہ International Journal of Lexicography (جون ۲۰۲۱ء)، ص ۲۷۳-۲۹۶۔
- ۷۳- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، "An Introduction: Lexicography"، ص ۱۱۷۔
- ۷۴- بوسونس (Bo Svensen) "Handbook of Lexicography A"، ص ۳۳۳۔
- ۷۵- نکولین وین ڈیر سچیس (Nicoline Van Der Sijs)، "The Codification of Etymological Information" مشمولہ Practical Guide to Lexicography A، ص ۳۱۳۔
- ۷۶- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، "An Introduction: Lexicography"، ص ۱۲۶۔
- ۷۷- کولن ییلپ (Colin Yallop)، "Words and Meaning" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۳۲۔
- ۷۸- نکولین وین ڈیر سچیس (Nicoline Van Der Sijs)، "The Codification of Etymological Information" مشمولہ Practical Guide to Lexicography A، ص ۳۱۲۔
- ۷۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:
- ۸۰- نکولین وین ڈیر سچیس (Nicoline Van Der Sijs)، "The Codification of Etymological Information" مشمولہ Practical Guide to Lexicography A، ص ۳۱۲۔
- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، "An Introduction: Lexicography"، ص ۱۲۶۔
- بوسونس (Bo Svensen) "Handbook of Lexicography A"، ص ۳۳۴۔
- ۸۱- نکولین وین ڈیر سچیس (Nicoline Van Der Sijs)، "The Codification of Etymological Information" مشمولہ Practical Guide to Lexicography A، ص ۳۱۲۔
- بوسونس (Bo Svensen) "Handbook of Lexicography A"، ص ۳۳۳-۳۳۴۔
- ۸۲- ایضاً، ص ۳۳۹۔
- ۸۳- کولن ییلپ (Colin Yallop)، "Words and Meaning" مشمولہ Lexicology and Corpus Linguistics، ص ۳۳۔
- ۸۴- ایضاً، ص ۳۶۔
- ۸۵- ہاورڈ جیکسن (Howard Jackson)، "An Introduction: Lexicography"، ص ۱۲۶-۱۲۷۔
- ۸۶- ایضاً، ص ۱۱۷۔

خود آزمائی

- ۱۔ اردو لغت نویسی کے مختلف ادوار کا جائزہ لیں۔
- ۲۔ لغت نویسی سے کیا مراد ہے؟ اس کے اصول بیان کریں۔
- ۳۔ لغت میں اندراجات کا کیا طریقہ کار ہو سکتا ہے؟
- ۴۔ ترتیب اندراجات کے اصول بیان کریں۔
- ۵۔ لغت میں املا کے اصول کیا ہو سکتے ہیں؟
- ۶۔ الفاظ کی قواعدی حیثیت کے متعلق اصول متعین کریں؟
- ۷۔ لغت نویسی میں تذکیر و تانیث کے کیا اصول ہونے چاہیے؟
- ۸۔ علم لغت نویسی میں معنی کی توضیح و تشریح کے کیا اصول ہو سکتے ہیں؟
- ۹۔ اسناد و امثلہ کی پیش کش کے اصول بیان کریں۔
- ۱۰۔ علم لغت میں لسانی ماخذ اور اشتقاقیات کے اصول بیان کریں۔

مجوزہ کتب

- ۱- آزاد، نذیر۔ لغت نگاری: اصول و قواعد۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلسٹنگ ہاؤس، ۲۰۱۲ء۔
- ۲- برگن ہولمز، ہیٹنگ اور تارپ، سون (Bergenholtz, Henning and Tarp, Sven)۔ Manual of Specialised Lexicography۔ ایمسٹرڈیم: جان بنجمن پبلسٹنگ کمپنی، ۱۹۹۵ء۔
- ۳- روف پارکھ۔ لغوی مباحث۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء۔
- ۴- روف پارکھ (مرتبہ)۔ اردو لغات: اصول اور تنقید۔ کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۲ء۔
- ۵- روف پارکھ (مرتبہ)۔ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث۔ کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء۔
- ۶- روف پارکھ (مرتبہ)۔ علم لغت، اصول لغت اور لغات۔ کراچی، فضلی سنز، ۲۰۱۷ء۔
- ۷- روف پارکھ (مرتبہ)۔ لغت نویسی اور لغات: روایت اور تجزیہ۔ کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء۔
- ۸- جیکسن، ہارڈ (Jackson, Howard)۔ An Introduction to Lexicography۔ لندن: روتلیج، ۲۰۰۲ء۔
- ۹- صفدر رشید۔ مغرب کے اردو لغت نگار۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء۔
- ۱۰- سٹرکن برگ، پیٹ وین (Sterkenburg, Piet Van)۔ Practical Guide to A Lexicography۔ ایمسٹرڈیم: جان بنجمن پبلسٹنگ کمپنی، ۲۰۰۳ء۔
- ۱۱- سنسن، بو (Svensen, Bo)۔ Handbook of Lexicography A۔ لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء۔
- ۱۲- ایضاً۔ Principles and Methods: Dictionary Making Practical Lexicography of اوسفرڈ: اوسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء۔
- ۱۳- گارشیا، اینا فرینکلن برگ (Garcia, Ana Frankenberg)۔ Use of "Learners Examples"۔ Corpus، مضمولہ International Journal of Lexicography (جون ۲۰۲۱ء)، ص ۲۷۳-۲۹۶۔
- ۱۴- گوپی چند نارنگ (مرتبہ)۔ لغت نویسی کے مسائل۔ نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۵ء۔
- ۱۵- ہارٹ مین، آر۔ آر۔ کے اور جیمز، گرگری (Hartmann, R.R.K. and James, Gregory)۔ Dictionary of Lexicography۔ لندن: روتلیج، ۲۰۰۲ء۔
- ۱۶- ہیلڈے، ایم۔ اے۔ کے۔ ٹیوبرٹ، وولف گینگ۔ ہیلڈے، کولن اور اینا چرماکوا (Halliday, M.A.K., Teubert, Wolfgang, Yallop Colin and Cermakova Anna)۔ and Lexicology۔ Linguistics Corpus۔ نیویارک: کٹننیم، ۲۰۰۴ء۔
- ۱۷- ہینکس، پیٹرک (Hanks, Patrick)۔ Compiling a Monolingual Dictionary for Native Speakers۔ جمہوریہ چیک: چارلس یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء۔

عربی اور فارسی میں لغت نویسی کا ارتقا

تحریر: حافظ عمران ایوب، قمر حیدر
فاصلاتی تشکیل: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

37	یونٹ کا تعارف
37	یونٹ کے مقاصد
38	عربی لغت نویسی
38	عربی لغت نویسی کا معنی و مفہوم
39	عربی لغت نویسی کا آغاز و ارتقاء:
42	اہم عربی لغات اور ان کا تعارف
52	چند جدید لغات
53	فارسی لغت نگاری
57	لغت نگاری کی تاریخ کے تین ادوار
61	خود آزمائی
62	مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ میں عربی اور فارسی میں لغت نویسی کی روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ اردو کی بنیاد میں فارسی اور عربی کے گہرے اثرات ملتے ہیں، اس لیے طلبہ و طالبات کے لیے لغت کی مشرقی روایت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ امید ہے طلبہ اس یونٹ میں اردو پر ان اثرات کو پہچاننے کے قابل بھی ہوں گے جو اردو پر بلاواسطہ اور بلاواسطہ طور پر شامل ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ اردو سے قبل فارسی اور عربی لغت کی روایت کو جاننا
- ۲۔ فارسی لغت نویسی میں نمایاں لغت نگاروں کے کام سے آگاہ ہونا
- ۳۔ عربی لغت نویسی کی روایت سے رُشناس ہونا

عربی لغت نویسی

عربی لغت نویسی کا معنی و مفہوم:

عربی سے مراد یا تو عربی باشندہ ہوتا ہے اور یا پھر عربی زبان، یہ لفظ عرب کی طرف منسوب ہے اور عرب کا لغوی معنی ہے (جیل من الناس) ”لوگوں کی ایک نسل و قوم۔“ (۱) عربی گرامر کے لحاظ سے عَرَبٌ (بروزن تفعیل) عربی میں منتقل کرنا، عَرَبٌ (بروزن کرم) عربی النسل ہونا اور اَعْرَبٌ (بروزن افعال) ظاہر کرنا کے معانی میں مستعمل ہیں۔ اصطلاحاً عرب سے مراد وہ جزیرہ عرب کا علاقہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ کا یہ فرمان معروف ہے کہ (أَخْرَجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ بَرِّيرَةِ الْعَرَبِ) ”مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔“ (۲) اور اس علاقے سے مراد ہے ”بحر ہند، بحر شام، پھر دجلہ و فرات نے جتنے علاقے پر احاطہ کیا ہوا ہے یا طول کے لحاظ سے عدن ائین کے درمیان سے لے کر اطراف شام تک کا علاقہ اور عرض کے اعتبار سے جدہ سے لے کر آبادی عراق کے اطراف تک کا علاقہ۔“ اسے جزیرہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ سمندروں نے اسے گھیر رکھا ہے (یعنی بحر ہند، بحر فارس اور بحر احمر نے۔

لفظ لغت کی وضاحت کرتے ہوئے امام جوہری فرماتے ہیں کہ ”لغتہ کی اصل لغت“ اور لغت ہے، آخر میں واو یا یاء کے عوض ”ة“ بڑھا دی گئی ہے، اس کی جمع لغت اور لغات آتی ہے اور اس کی طرف نسبت لغوی ہے، اسے لغوی کہنا غلط ہے۔“ صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ ”لغت سے مراد وہ آوازیں ہیں جن کے ذریعے کوئی بھی قوم اپنی اغراض و ضروریات کی وضاحت کرتی ہے، اس کی جمع لغات اور لغون آتی ہے اور لغت لغت کا معنی کلام کرنا اور مایوس ہونا ہے۔“ امام ابن منظور الافریقی رقمطراز ہیں کہ ”ازہری کے بوقلمون لغت اسمائے ناقصہ میں سے ہے اور اس کی اصل لغت سے لغت ہے، جس کا معنی ہے جب اس نے کلام کیا۔“ مزید فرماتے ہیں کہ ”لغت کی تعریف یہ ہے کہ ایسی آوازیں جن کے ذریعے ہر قوم اپنے اغراض و مقاصد کا اظہار کرتی ہے۔“ ابن جنی الموصلی نے بھی لغت کی یہی تعریف کی ہے۔ صاحب المصباح الممیر نے نقل فرمایا ہے کہ لفظ لغت کی اصل عُرْفٌ کی طرح (فعلتہ کے وزن پر) لغت ہے، آخر سے واو حذف کر کے اس کی جگہ بڑھا دی گئی ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ لغت عربی لفظ ”لغوۃ“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی زبان و بیان، قوتِ ناطقہ اور وہ الفاظ و اصوات ہیں جن کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور جنہیں اپنے احساس و شعور کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے وسیلہ بناتا ہے۔ اہل علم کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔ تاہم ایک رائے یہ ہے کہ لفظ لغت ”اللہاۃ“ سے مشتق ہے، جو حلق کے اوپر والے حصے میں موجود گوشت کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ لغت عربی

نہیں بلکہ یونانی لفظ لانوس (Lagos) سے معرب (عربی بنایا گیا)، جس کا معنی کلمہ یا آئیڈیا ہے۔ (واللہ اعلم) لفظ لغت کے متعلق ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم رقمطراز ہیں کہ لغت اردو میں ڈکشنری کے معنوں میں مستعمل ہے۔ فی الواقع یہ عربی لفظ ہے لیکن عربی میں زبان کے معنوں میں ہے جیسے اللغۃ العربیۃ (عربی زبان) اور اللغۃ الانجلیزیۃ (انگریزی زبان) وغیرہ۔ عربی الفاظ کی تحقیق پر مشتمل کتابوں کو عربی میں کتب اللغۃ کہا جاتا ہے۔ اردو میں انہیں ”کتب اللغۃ“ کہہ دیا گیا، پھر اس عبارت میں بھی دو تبدیلیاں کی گئیں۔ ایک تو لفظ ”کتب“ ختم کر کے صرف ”لغۃ“ باقی رہنے دیا گیا اور دوسرے یہ کہ اس کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے ڈکشنری پر اس کا اطلاق کیا گیا۔ یہ لفظ فارسی میں بھی ڈکشنری کے معنوں میں ہی مستعمل ہے مگر ”نامہ“ کی اضافت کے ساتھ یعنی فارسی میں ڈکشنری کو ”لغت نامہ“ کہا جاتا ہے۔ (۳)

عربی میں لغت کی کتاب کو مجم بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ باب افعال (اعجم) سے مفعول کا صیغہ بھی ہے اور مصدر میسی بھی۔ اس کا لغوی معنی ہے ”نقطے لگانا“۔ اسی طرح اب عربی میں لفظ قاموس بھی لغت (ڈکشنری) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ اس کا حقیقی معنی ”سمندر یا سمندر کی گہرائی“ تھا۔ غالب رائے کے مطابق جب مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی معروف لغت کی کتاب القاموس المحیط تالیف کی تو اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی مقبولیت اس حد تک پہنچی کہ لفظ قاموس کو ہی ڈکشنری کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور اب یہ اسی معنی میں مستعمل ہے۔ لفظ نویسی فارسی زبان کے لفظ نوشتن سے مشتق ہے۔ نوشتن مصدر ہے اور اس کا معنی ہے ”لکھنا“۔ اس سے صیغہ امر نویس آتا ہے جو کسی اسم کے بعد آ کر اسے اسم فاعل ترکیبی بنا دیتا ہے اور ”لکھنے والا“ کے معنی دیتا ہے جیسے خوش نویس وغیرہ۔ اسی سے نویسنده ہے جس کا معنی ہے لکھنے والا اور اس کی جمع نویسندگان آتی ہے اور اسی سے لفظ نویسی ہے، جس سے مراد ہوتا ہے لکھنے کا کام، یہ مرکبات کے آخر میں مستعمل ہے جیسے خوش نویسی وغیرہ۔

پس یوں عربی لغت نویسی کا معنی ہوا ”عربی زبان کی لکھائی کا کام۔“

عربی لغت نویسی کا آغاز و ارتقاء:

اولاً یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ دستیاب معلومات کے مطابق قبل از اسلام دور جاہلیت میں عربی لغت نویسی کا کوئی سراغ نہیں ملتا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر قبیلتی علوم کی طرح اس علم کی تدوین و ترقی کا سہرا بھی اسلام کے سر ہی ہے۔ ثانیاً یہ جان لینا چاہیے کہ نہ تو ہر عربی کامل فصیح اللسان تھا اور نہ ہی ہر ایک کو ہر عربی لفظ کے معنی کا علم ہوتا تھا بلکہ جب لوگوں کو کسی لفظ کا معنی سمجھ میں نہ آتا تو وہ اپنے سے زیادہ صاحب علم سے پوچھ لیتے تھے۔ ظہور اسلام کے بعد اولین معلم اور مشکل الفاظ کے شارح خود نبی کریم تھے اور آپ کے علاوہ کبار صحابہ تھے جن میں بھی حضرت ابن عباس کا نام نمایاں ہے۔ نیز کلمات کے معانی

جاننے کے لیے جاہلی شاعری کی طرف بھی رجوع کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ہمیں کئی واقعات ملتے ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے قریب (یکثر الھرج) ہرج بہت زیادہ ہو جائے گا۔ لوگوں کو اس کا مفہوم سمجھ نہ آیا تو انھوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! ہرج کیا ہے؟ تو آپ نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا، اس سے مراد قتل ہے۔ (۴)

۲۔ آپ نے اپنے ایک فرمان میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو روزِ قیامت آپ کے سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہوں گے، ان میں آپ نے پیغمبین کا بھی ذکر کیا۔ اس لفظ کی لوگوں کو سمجھ نہ آئی تو انھوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا اس سے مراد متکبر لوگ ہیں۔ (۵)

۳۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے سامعین سے ایک قرآنی آیت کے لفظِ تخوف کے معنی دریافت کیے۔ پہلے سب خاموش رہے پھر ایک بزرگ نے اس کا معنی تنقص بیان کیا اور اس کے لیے بطور دلیل زہیر شاعر کا یہ شعر بھی سنایا: تخوف الرجل منھا تاما قردا کما تخوف عود النبیۃ السفن۔

۴۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم سب ایک باپ کی اولاد ہیں مگر بعض اوقات ہم آپ کو عربوں سے ایسی گفتگو کرتے ہوئے سنتے ہیں جس کا اکثر حصہ ہمیں سمجھ نہیں آتا۔

۵۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے لفظِ فاطر کے متعلق پوچھا۔

۶۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، اشعار عربوں کا دیوان ہیں۔ جب اللہ کی نازل کردہ کتاب کا کوئی لفظ ہمیں سمجھ نہیں آتا تو اشعار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عربوں کے عوام کو یہی نہیں بلکہ بعض اوقات خواش کو بھی کلمات کے معانی جاننے کے لیے دوسروں سے استفسار یا جاہلی شاعری کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی تھی۔ یہ سلسلہ ایسے ہی جاری یا حتمی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا، جس کے نتیجے میں بہت سی عجمی اقوام بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ عربوں کا عجمیوں سے میل جول بڑھ گیا۔ تو اہل علم کو ایک تو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں عربی زبان میں عجمی الفاظ داخل نہ ہو جائیں اور دوسرے یہ کہ رفتہ رفتہ کبار علمائے لغت کی اموات سے کہیں علم لغت کا بیش قیمت ذخیرہ ضائع یا تبدیل نہ ہو جائے جو تا قیامت فہم قرآن کا ذریعہ ہے (جیسا کہ الصحاح کے دیباچے میں مذکور ہے)۔

چنانچہ عربی زبان کے محافظوں نے دیہاتوں کا رخ کیا (کیونکہ دیہات ابھی تک ہر قسم کے عجمی اختلاط سے پاک

تھے، یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلوانے کے لیے دیہاتوں میں بھیج دیا کرتے تھے جس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا کہ وہ خالص عربی زبان سیکھ جائیں، جیسا کہ محمد گو بھیجا گیا۔ انہوں نے وہاں سے خالص فصیح عربی زبان سیکھی، اسی طرح ذخیرہ ادب جاہلی (جو اشعار، قصائد، خطبات، وصایا اور ضرب الامثال وغیرہ کی صورت میں موجود تھا) کو بھی پیش نظر رکھا اور نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے خاص خاص موضوعات (مثلاً وحشی جانوروں، درختوں اور نباتات وغیرہ) پر لغت کے مجموعے مرتب کرنے شروع کر دیئے۔

ان اولین مرتبین میں اصمعی، ابو عمرو اسحاق الشیبانی اور ابو حنیفہ دیلمی قابل ذکر ہیں۔ خاص موضوعات پر مرتب ہونے والی چند کتب یہ ہیں: کتاب النخیل، کتاب النباتات، کتاب الحشرات، کتاب الابل، کتاب اللین، کتاب النخیل، النخیل وخلق الانسان، کتاب الجراد اور کتاب خلق الفرس وغیرہ۔ بعد ازاں اس طرح کی مختلف موضوعات پر مرتب کردہ کتب کو ایک کتاب کی صورت بھی دے دی گئی جیسے ابو عبید نے مختلف موضوعات کی ۳۰ کتابوں کی ایک کتاب میں جمع کر دیا اور اس کا نام ”المغریب المصنف“ رکھا۔ اسی طرح ابن سیدہ کی ”الخصص“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد وہ مرحلہ آیا کہ جب اہل علم نے الفاظ لغت کے ذخائر پر مشتمل خاص ترتیبوں کے ساتھ کتابیں تالیف کرنی شروع کیں اور باقاعدہ لغت نویسی کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب خلیل بن احمد کی کتاب العین شمار کی جاتی ہے (الصحاح کے دیباچے میں مذکور ہے کہ لغت جمع کرنے کا کام خواہ کتنے ہی مراحل سے گزرا ہو لیکن محققین اس بات پر متفق ہیں کہ خلیل ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی معجم تیار کی۔ یہاں Haywood کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے ابو الاسود الدولی نے حضرت علیؓ سے سیکھ کر گرامر تیار کی اور پھر یہی گرامر کا کام آگے چل کر عربی لغت نویسی اور علم نحو مرتب کرنے کی بنیاد بنا۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ تاج العروس از زبیدی پر جا کر اس کا اختتام ہوا۔ (اس کے بعد یا تو مستشرقین نے اضافے کیے یا عیسائیوں اور دیگر اہل علم نے سابقہ کتب لغت کو، ہی سامنے رکھ کر مختصر کتب تیار کیں۔)

اس آخری مرحلے کی کتب کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

u- ایسی کتب جنہیں مخارج حروف کے اعتبار سے مرتب کیا گیا۔ جیسے خلیل بن احمد کی کتاب العین، ابن درید کی الجھرۃ، ازہری کی تھذیب اللغۃ اور ابن سیدہ کی المحکم وغیرہ۔

v- وہ کتب جنہیں آخری حرف کے اعتبار سے مرتب کیا گیا۔ جیسے جوہری کی الصحاح، حسن صغانی کی العباب الزاخر واللباب الفاخر، ابن منظور کی لسان العرب، فیروز آبادی کی القاموس المحیط اور الزبیدی کی تاج العروس وغیرہ۔

w- وہ کتب جنہیں الفبائی (یعنی حروف تہجی کی) ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا۔ جیسے زنجیری کی اساس البلاغہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں اکثر مذہبی کتب لغت اسی ترتیب پر مرتب کی گئیں۔ جیسے امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن، امام زنجیری کی الفائق اور امام ابن اثیر کی الفائق اور امام ابن اثیر کی النہایۃ وغیرہ۔ نیز دورِ حاضر کی تقریباً تمام جدید لغات بھی اسی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئیں ہیں۔

☆ یہاں یہ بات یاد رہے کہ لغت نویسی کا کام عربوں سے پہلے چائنہ میں شروع ہو چکا تھا لیکن عربوں نے اس سلسلے میں جوں جاں گسٹل خدمات سرانجام دی ہیں وہ واقعتاً قابلِ ستائش ہیں اور ان کی اہمیت غیر مسلم علمائے لغت کے ہاں بھی مسلم ہے۔

اہم عربی لغات اور ان کا تعارف

ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے اہم عربی لغات کا تعارف حسب ذیل ہے۔

کتاب العین

یہ وہ پہلا بڑا لغت ہے جسے عربی الفاظ کے معانی و مطالب کی توضیح کے لیے باقاعدہ مرتب کیا گیا۔ اگرچہ غالب رائے یہی ہے کہ اس کے مرتب خلیل ابن احمد ہی ہیں لیکن اہل علم کے ہاں اس سلسلے میں بہر حال اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مختلف آراء حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ خلیل بن احمد کا کتاب العین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کے مرتب اللیث بن مظفر ہیں اور اسے خلیل بن احمد کی طرف محض اس لیے منسوب کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت و مقبولیت میں اضافہ ہو سکے۔
- ۲۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کا تصور خلیل بن احمد کا تھا مگر اسے عملی شکل میں اللیث بن مظفر نے پیش کیا۔
- ۳۔ اس کتاب پر کام کا آغاز خلیل نے کیا جبکہ اس کا اختتام اللیث نے کیا۔
- ۴۔ یہ کتاب خلیل کی ہی مرتب کردہ ہے لیکن وہ جل گئی تھی اور پھر اسے دوبارہ قید تحریر میں لایا گیا۔
- ۵۔ کتاب کے اصول خلیل بن احمد کے جبکہ نص کسی اور کی ہے۔

زیادہ قرین صواب رائے یہ ہے کہ کتاب العین خلیل بن احمد کی ہی تالیف ہے۔ احمد عبدالغفور عطار رقمطراز ہیں کہ کتاب العین خلیل بن احمد کی ہی تصنیف ہے البتہ اس بات کا امکان بہر حال موجود ہے خلیل اسے مکمل نہ کر سکا ہو اور اس کی تکمیل کسی اور کے ہاتھوں ہوئی ہو اور یہ امکان بھی موجود ہے کہ مکمل کتاب خلیل نے ہی تالیف کی ہو، پھر بعد کے کاتبوں نے متاخرین کی روایات و تعلیقات کو علمی میں کتاب کا حصہ بنا دیا ہو۔

ڈاکٹر ابراہیم محمد نجاب نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ کتاب العین خلیل بن احمد کی ہی تصنیف ہے۔ کتاب العین کے ابتداء میں ڈاکٹر مہدی مخزومی نے بھی یہی ثابت کیا ہے۔ مختار الصحاح کے مقدمہ میں احمد ابراہیم زہوہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ تاج العروس کے مقدمہ میں علی شیری نے لکھا ہے کہ کتاب العین کے مولف خلیل بن احمد ہی ہیں۔ الدکتور اہیل بدیع یعقوب نے بھی کتاب العین کو خلیل بن احمد کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

John A. Haywood نے کہا ہے کہ ہم (100%) یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اسے خلیل نے تالیف کیا ہے کیونکہ اس کتاب (کتاب العین) کے دیباچے میں ”قال الخلیل“ کے الفاظ موجود ہیں جو یہ شک پیدا کرتے ہیں کہ اسے خلیل نے تالیف نہیں کیا۔ (۶) لیکن ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ بہر حال قوی امکان ہے کہ خلیل بن احمد ہی وہ پہلا شخص ہو جس نے باقاعدہ عربی لغت کو مرتب کیا۔

مصر کے ایک ڈاکٹر ”عبداللہ درویش“ نے کتاب العین پر ریسرچ کر کے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انھوں نے اس میں ثابت کیا ہے کہ کتاب العین کا مولف خلیل بن احمد ہی ہے۔ (۷)

خلیل بن احمد کا مکمل نام یہ ہے ”ابوعبدالرحمن الخلیل بن احمد بن عمرو بن تمام الفراءہیدی الازدی البصری۔“ وہ ۱۰۰ ہجری میں مقام عمان میں پیدا ہوئے، پھر بصرہ منتقل ہوئے اور پھر وہیں ان کی پرورش، تعلیم اور تدریس کا دور گزارا اور بالآخر ۷۵ ہجری میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔ خلیل ہی علم نحو، علم عروض اور عربی موسیقی کے موجد ہیں۔ اہل علم نے کتاب العین کے علاوہ بھی چند کتب کو خلیل بن احمد کی طرف منسوب کیا ہے مثلاً کتاب العروض، کتاب الايقاع، کتاب النقط والشکل، کتاب الشواہد، کتاب الجمل، کتاب معانی الحروف وغیرہ۔

کتاب العین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا حرف عین سے ہوتی ہے۔ خلیل بن احمد نے اسے مخارج حروف کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلیل نے اس کتاب کی ابتدا حرف عین سے ہی کیوں کی؟ تو اس کا جواب خلیل بن احمد نے اپنی کتاب کے مقدمے میں خود دیا ہے کہ دیگر ترتیبوں کی نسبت اسے یہی ترتیب زیادہ مناسب معلوم ہوئی اس لیے اس نے اسے اختیار کر لیا۔

کتاب کی خصوصیات ایک نظر میں حسب ذیل ہیں:

- ۱- اس کتاب میں حروف کی ترتیب یہ ہے: ع-ح-ھ-غ-خ-ق-ک-ج-ش-ض-ص-س-ز-ط-ت-د۔
- ظ-ث-ذ-ر-ل-ف-ب-م-د-ی-ا۔
- ۲- کلمات جمع کرتے ہوئے مادے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور حروف زائدہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جیسے لفظ تصرف میں مادہ

ص۔ ر۔ ف۔ ہے اور تاء زائدہ ہے۔ اس لیے یہ لفظ تاء کے باب میں نہیں بلکہ صاد کے بعد میں درج کیا گیا ہے۔
 ۳۔ ترتیب کلمات میں تعداد حروف کو پیش نظر رکھا گیا ہے یعنی پہلے ثنائی (دو حرفی)، پھر ثلاثی (تین حرفی)، پھر رباعی (چار حرفی) اور پھر خماسی (پانچ حرفی) کلمات کے مادے درج کیے گئے ہیں۔

۴۔ اس کی ترتیب میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ہر مادہ کے الٹ لفظ کو ذکر کر کے اس کا معنی بھی درج کیا گیا ہے۔
 مثلاً اگر ”قلب“ کا معنی دیکھنا ہو ”بلق“ کا معنی بھی مل جائے گا۔

۵۔ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے قرآن، حدیث اور معتبر اشعار عرب بھی بطور شاہد پیش کیے گئے ہیں۔
 اگرچہ کچھ اہل علم کی نظر میں خلیل بن احمد کی مذکور ترتیب متلاشیان کلمات و معانی کے لیے نہایت پیچیدہ ضرور ہے مگر اس سے اس کے مقام و مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ پہلا لغت ہونے کی وجہ سے ضروری نہیں کہ ہر خوبی اس میں موجود ہو، البتہ خلیل بن احمد کے لیے اس ترتیب کا موجد ہونا اس کی عبقریت کی دلیل ضرور ہے۔
 علاوہ ازیں خلیل کے بعد متعدد اہل علم نے اپنی کتب میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جیسے القالی نے ”البارع“ میں،
 الازہری نے ”الھذیب“ میں اور ابن درید نے ”المجمرہ“ میں وغیرہ وغیرہ۔

کتاب المجمرہ فی اللغۃ:

یہ وہ دوسری کتاب ہے جو لغت نویسی کے سلسلے میں تالیف کی گئی۔ اگرچہ اس سے پہلے چند ائمہ لغت نے علم لغت پر کتابیں تو تالیف کیں جیسے المبرد کی ”الکامل فی اللغۃ“ ابن قتیبہ کی ”ادب الکاتب“، جاحظ کی ”البيان والتبيين“ اور ابوعلی القالی کی ”الامالی“، لیکن ان کی حیثیت لغت کی نہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں لغت کا مواد جمع کیا گیا ہے۔ کتاب العین کے بعد بعد جو کتاب ڈکشنری کی حیثیت رکھتی ہے وہ ”المجمرہ“ ہی ہے تاہم مذکورہ چاروں کتابوں میں سے ”ادب الکاتب“ ڈکشنری کے زیادہ قریب ضرور ہے۔

یہ کتاب ابو بکر محمد بن حسن بن درید الازدی کی تالیف ہے۔ آپ ۲۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور پھر جوانی تک دریس و تدریس کا سلسلہ یہیں پر جاری رکھا، یہاں کے اکابر علماء سے فیض یاب ہوئے۔ پھر ۲۵۷ھ میں جب زنگیوں نے بصرہ میں قتل و قتل کا بازار گرم کیا تو آپ وہاں سے ہجرت کر گئے اور بالآخر بغداد میں فالج کے حملے کی وجہ سے ۹۰ سال کی عمر پا کر ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

ابن درید عظیم قوت حافظہ کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں علم الشعراء اور اشعر العلماء بھی کہا گیا ہے۔ البتہ بعض علماء نے ان پر تنقید بھی کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تنقید کسی نے بھی کی ہو ان کی ائمہ لغت میں سے ہونے اور عربی لغت

کے سلسلے میں قیمتی خدمات سرانجام دینے کا انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

ابن درید کی دیگر چند کتب یہ ہیں: کتاب الاشتقاق، کتاب السرج واللجام، کتاب المفصوٰر والمدود، کتاب غریب القرآن، کتاب ادب الکتب اور کتاب اللغات۔

ابن درید نے اگرچہ بہت سی کتب تالیف کیں مگر ان سب میں اہم ”الجمہرہ“ ہی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں انھوں نے وہی نچ اپنایا جو خلیل نے کتاب العین میں اپنایا ہے۔ انھوں نے کلمات کی تشریح کرتے ہوئے قرآن، حدیث اور عربوں کے کلام کو بطور شاہد پیش کیا ہے۔ قرآن کی مختلف قراءتوں اور مختلف عرب قبائل کے لغات کی بھی حتی الامکان وضاحت کی ہے۔ نیز ذخیل کلمات (یعنی دیگر زبانوں سے عربی میں داخل ہو جانے والے الفاظ) کی بھی نشاندہی کی ہے۔

یہ لغت بھی نہایت اہم ہے اور اس نے عربی لغت کے چاہنے والوں پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں اس کے متعلق بہت سی کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں ابو عمر زاہد کی ”فائت الجمہرہ“، صاحب بن عباد کی ”جوہرۃ الجمہرہ“، ابن تیبانی کی ”الموعب“ ابو العلاء المعری کی ”نشر شواہد الجمہرہ“ اور شرف الدین انصاری کی ”مختصر الجمہرہ“ وغیرہ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ دستیاب معلومات کے مطابق ان کتب میں سے کوئی بھی اب نہیں ملتی۔

تہذیب اللغۃ:

اس کے مؤلف کا مکمل نام ”ابو منصور محمد بن الازہری الہردی“ ہے۔ آپ ۲۸۲ھ میں مقام ہرات میں پیدا ہوئے اور ۳۷۰ھ میں وہیں فوت ہوئے۔ آپ زیادہ ازہری کے نام سے ہی معروف ہیں، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ نسبت ان کے جدا مجد ازہری کی طرف ہے، جامع ازہری کی طرف نہیں۔

الازہری نہایت ثقہ عالم تھے اور ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ درجے کے متقی و پرہیزگار فقیہ بھی تھے۔ لیکن ان کی لغوی ہونے کی شہرت نے ان کی باقی تمام علمی حیثیتوں پر پردہ ڈال دیا۔ ان کی اگرچہ سب سے معروف کتاب ”تہذیب اللغۃ“ ہی ہے لیکن انھوں نے چند اور کتابیں بھی تالیف کیں مثلاً ”کتاب کتاغریب الالفاظ الی استعمالھا الفقہاء“، ”کتاب التقریب فی التفسیر“، ”کتاب معرفۃ الصحیح“، ”کتاب علل القرات“، ”کتاب فی الروح وما جاء فیہ من القرآن والسنة“، ”کتاب اصلاح المنطق“، ”بالرؤی علی اللیث“، ”کتاب تفسیر اسماء اللہ عزوجل“ وغیرہ۔

تہذیب اللغۃ میں مولف نے بہت سے بکھرے ہوئے الفاظ کو یکجا کر دیا ہے اور خاص کوشش یہ کی ہے کہ اس میں خالص عرب کلام پیش کیا جائے اور اسے غلط الفاظ سے پاک کر دیا جائے، غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کتاب کا نام تہذیب اللغۃ رکھا گیا۔ اس کتاب میں بھی مولف نے خلیل بن احمد والآنچ اپناتے ہوئے مخارج حروف کا ہی لحاظ رکھا ہے۔ مہمل الفاظ کے

ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے مہمل ہونے کے اسباب بھی ذکر کر دیئے ہیں۔ گزشتہ لغات میں جو الفاظ رہ گئے تھے ان کے اضافے بھی کیے ہیں۔ ہر بات کو اس کے قائل کی طرف منسوب کرنے کا بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ ابتدائے کتاب میں ایک طویل مقدمہ درج کیا ہے جو عربی زبان کے متعلق مفصل بحث پر مشتمل ہے۔ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے اکثر و بیشتر مقامات پر تائید کی غرض سے آیات و احادیث اور اشعار ذکر کیے ہیں۔ مختلف علاقوں اور آبی مقامات کو خاص اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس باعث اس حوالے سے یہ کتاب مصدر و مرجع کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ بہت سے نادر و مترادف الفاظ بھی یکجا کر دیئے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام خوبیوں کے باوجود بعض اہل علم نے مختلف جہات سے اس کتاب پر تنقید دروازہ کھولنے کی بھی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ یہ کتاب اکثر و بیشتر علماء کے نزدیک اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن منظور نے لسان العرب تحریر کرتے ہوئے بطور خاص اس کتاب کو پیش نظر رکھا ہے اور جا بجا اس کے حوالے نقل کیے ہیں۔ عبدالغفور عطار کے مطابق دنیا کی مختلف لائبریریوں میں اس کتاب کے ۱۸ نسخے موجود ہیں۔

الحکم:

یہ کتاب مشہور لغوی و ادیب ابوالحسن علی بن اسماعیل، جو ابن سیدہ کے نام سے معروف ہیں، کی تالیف ہے۔ آپ اندلس میں پیدا ہوئے اور ۶۰ سال کی عمر یا کر ۴۵۸ھ میں انتقال کر گئے۔ آپ نابینا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ذہانت و قنات سے نوازا رکھا تھا۔

انھوں نے متعدد کتب تالیف کیں جن میں کتاب شرح مشکل المتنی، کتاب المختص اور کتاب الحکم وغیرہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے اپنی مذکورہ لغت کی کتاب ”الحکم“ میں بلاشبہ دیگر لغات سے بہتری کی کوشش کی مگر اس میں خلیل بن احمد والاہی اسلوب اختیار کیا (یعنی اسے مخارج حروف کے اعتبار سے مرتب کیا۔) الفاظ کی تشریح میں قرآن و حدیث اور اشعار عرب سے استشہاد کیا۔ قرآن کی مختلف قرائتوں کا ذکر کیا۔ علم عروض، لغات عرب اور اعلام کا ذکر کا اہتمام کیا۔ نحو و صرف کے قواعد سے متعلق بحثیں پیش کیں اور اس کی تالیف میں دیگر کتب لغت سے بھی استفادہ کیا۔

الصحاح:

اس کتاب کا مکمل نام ”تاج اللغة و صحاح العربیۃ“ ہے اور اس کے مولف ”ابونصر اسماعیل بن حماد الجوهری الفارابی“ ہیں۔ آپ فاراب کے علاقے میں (ایک روایت کے مطابق) ۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہی اپنے ماموں سے حاصل کرنے کے بعد بغداد کا رخ کیا اور وہاں کبار علماء کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، عربی زبان و ادب میں تبحر

حاصل کیا، پھر عراق و شام اور حجاز سے ہوتے ہوئے خراسان پہنچے، جہاں عربی اور خطاطی کی تعلیم و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ آپ کی تاریخ و وفات کے متعلق مختلف روایات ہیں، ایک روایت کے مطابق آپ ۳۹۳ھ میں، دوسری کے مطابق ۳۹۸ھ میں اور تیسری کے مطابق ۴۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ پر آخری عمر میں ہوا میں اڑنے کا جنون سوار ہو گیا تھا، چنانچہ آپ نے دروازے کے دوپٹ اپنے ساتھ باندھ کر اڑنے کی غرض سے کسی اونچی عمارت سے چھلانگ لگا دی اور ہلاک ہو گئے۔

آپ ذکاوت و ذہانت میں کمال درجے پر فائز تھے حتیٰ کہ بعض اہل علم آپ کو عجائباتِ زمانہ میں شمار کرتے ہیں۔ علم لغت میں امامت کے درجے پر فائز ہوئے۔ تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ کے علاوہ آپ نے ”المقدمۃ فی النحو“ اور ”عروض فی الورق“ بھی تالیف کی۔ لیکن جو شہرت الصحاح کو حاصل ہوئی وہ آپ کی کسی دوسری تالیف کو حاصل نہیں ہوئی۔

آپ نے الصحاح میں بطور خاص یہ اہتمام کیا کہ اس میں صرف وہی الفاظ لکھے جائیں جو روایت در روایت کے اعتبار سے صحیح ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس کا نام الصحاح رکھا۔ اس کتاب کو تالیف کرتے ہوئے آپ کے پیش نظر یہ تھا کہ الفاظ لغت تلاش کرنے والوں کے لیے آسانی پیدا کی جائے، چنانچہ آپ نے ایک نئی ترتیب متعارف کرائی جو پہلے متعارف نہ تھی اور اسی ترتیب کی وجہ سے اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی یہ سارے عرب پر چھا گئی اور عرب دنیا میں ایک بھونچال سا آگیا۔ آپ نے ترتیب میں خلیل کی طرح مخارج حروف کا لحاظ رکھنے کی بجائے آخری حرف کا لحاظ رکھا اور اسی کے مطابق ابواب بندی کر دی اور پھر ابواب کی فصول الف بانی ترتیب کے مطابق مرتب کر دیں۔ مثلاً اگر لفظ ”حمد“ تلاش کرنا ہو تو دال کے باب میں دیکھا جائے گا کیونکہ حمد میں دال آخری حرف ہے اور پھر حاء کی فصل میں دیکھنا ہوگا کیونکہ اس کا پہلا حرف ح ہے۔

الصحاح کے اس خاص انداز کے باعث اہل علم نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بعد کے بہت سے مؤلفین نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ اسی ترتیب کے مطابق اپنی اپنی لغات مرتب کیں۔ جن میں ابن منظور، فیروز آبادی اور الزبیدی کے نام نمایاں ہیں (ان کی کتب کا تعارف آئندہ آ رہا ہے)۔ الصحاح میں تقریباً ۴۰ ہزار الفاظ جمع کیے گئے ہیں۔ اس پر بہت سی کتب بھی لکھی گئیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ مخار الصحاح: یہ کتاب الصحاح کا خلاصہ ہے جو محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی (م ۶۶۶ھ) کی کاوش ہے۔ یہ پہلے الصحاح کی ترتیب پر تھی، مگر اب اسے عام الف بانی ترتیب میں ڈھال لیا گیا ہے۔
- ۲۔ التکملة والنیل والصلۃ: یہ امام رضی الدین ابوالفضل حسن بن محمد بن حسن الصغانی (م ۶۶۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے وہ الفاظ جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو الجوهری سے الصحاح میں رہ گئے تھے (اسی مصنف کی لغت پر ایک

ضحیم کتاب ”العباب“ بھی ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔)

۳۔ الجمع بین الصحاح والغریب المصنف: اس میں ابواسحاق ابراہیم بن قاسم البطلیوسی (م ۶۴۲ھ) نے الصحاح اور الغریب المصنف کے مواد کو یکجا کیا ہے۔

۴۔ عبدالغفور عطار نے مقدمتہ الصحاح میں الصحاح پر لکھی جانے والی معروف کتابوں کی تعداد ۸۹ بتائی ہے۔

اساس البلاغۃ:

یہ کتاب معروف مفسر و فقیہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن احمد الزمخشری کی تالیف ہے۔ آپ ۴۶۷ھ میں خوارزم میں پیدا ہوئے اور خوارزم میں ہی ۵۳۸ھ میں فوت ہوئے۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد طلب علم کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ لغت و تفسیر میں امامت کے درجے پر فائز ہوئے۔ ان کی ایک نہایت اہم تصنیف تفسیر الکشاف ہے، جو زیادہ تر فلسفیانہ بحث، نحوی و لغوی تشریحات، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن کے ادبی محاسن کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کی خامی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں احادیث سے بہت کم استفادہ کیا گیا ہے۔ امام زمخشری کی چند دیگر کتب یہ ہیں: الفائق فی غریب الحدیث، مفصل فی النحو، الامالی فی النحو، جواہر اللغۃ، نکت الاعراب فی غریب اعراب القرآن، شرح کتاب سیبویہ، مقدمتہ الادب فی اللغۃ، النموذج فی النحو، شافی العی من کلام الشافی اور اطراق الذهب فی المواعظ وغیرہ۔

اس کتاب کا نہایت اہم خاصہ یہ ہے کہ عام الف بانی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے جو کہ تلاش الفاظ کے لیے سب سے آسان طرز ہے تاہم اس بات میں اختلاف ہے کہ اس ترتیب کا موجد کون ہے؟ ایک رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ ترتیب خلیل بن احمد کے ہم عصر ابو عمر و اسحاق الشیبانی (م ۲۰۶ھ) نے اپنی کتاب ”کتاب الحجیم“ میں متعارف کرائی۔ مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی نے القاموس الوحید کے مقدمہ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ ترتیب مشہور لغوی ابو المعالی محمد بن تمیم البرکی نے متعارف کرائی، انھوں نے ۳۹۷ھ میں جوہری کی الصحاح کی اس ترتیب کے ساتھ مرتب کر دیا تھا، جبکہ زمخشری ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ رائے عبدالغفور عطار نے مقدمتہ الصحاح میں اختیار کی ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ترتیب سب سے پہلے مذہبی کتابوں میں اختیار کی گئی اور گمان غالب کے مطابق اسے ابتدا امام راغب نے اختیار کیا۔ امام راغب اصفہانی نے ”مفردات القرآن“ میں اس ترتیب کو اختیار کیا اور ۳۰۲ھ میں فوت ہوئے، لامحالہ وہ اس سے ایک عرصہ پہلے اس ترتیب کو پیش کر چکے تھے۔ اسی طرح زمخشری کی ”الفائق فی غریب الحدیث“ اور امام ابن اثیر (م ۶۲۰ھ) کی ”التھیایہ فی غریب الحدیث“ بھی اسی ترتیب پر مشتمل ہے۔ پہلی رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی

ہے، کیونکہ ابو عمرو اسحاق کا زمانہ سب سے پہلے کا ہے۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں امام زحشری نے اس کتاب میں ایک خاص انداز یہ بھی اپنایا ہے کہ کلمات کے حقیقی معنی کو مجازی معنی سے جدا کر کے پیش کیا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی ایسا کام ہے جس پر پہلے کسی صاحب لغت نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ مزید برآں اگر اس کتاب میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معانی کلمات سے زیادہ لفظ کے استعمال کی کتاب ہے، اس میں بنی بنائی ترکیبیں ذکر کی گئی ہیں۔ کلمات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے زیادہ تر مولف نے اپنی عبارتیں نقل کی ہیں، نہ کہ دیگر لغویین کی۔

العباب الزاخر واللباب الفاخر:

یہ کتاب رضی الدین الحسن بن محمد بن الحسن الصغانی کی تالیف ہے۔ آپ لاہور میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۶۶۰ھ

میں فوت ہوئے۔

انہوں نے اپنی یہ کتاب الصحاح از جوہر کی ترتیب کے مطابق مرتب کی ہے۔ البتہ یہ مکمل نہیں ہو سکی کیونکہ مولف جب لفظ بکم تک پہنچے تو وفات پا گئے۔ اب یہ کتاب پیر محمد حسن کی ایڈیٹنگ کے ساتھ اسلام آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ یہ بھی الفاظ لغت کے مواد پر مشتمل نہایت اہم اور ضخیم کتاب ہے۔

لسان العرب:

یہ کتاب ”ابوالفضل جمال الدین محمد بن محمد بن مکرم الافریق المصمری الانصاری الخزر رجبی الرویفعی“ کی تالیف ہے۔ آپ بالعموم ابن منظور کے نام متعارف ہیں۔ آپ قاہرہ میں ۶۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ صحابی رسول حضرت روفیع بن ثابتؓ کے خاندان سے تھے۔

ذہانت و فطانت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ نحو، لغت اور تاریخ وغیرہ کے بھر عالم تھے۔ آپ نے تالیف و تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے بہت سے شاگردوں نے علمی دنیا میں نہایت بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کی زبان میں بہت سلاست و روانی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے بہت سی طویل کتابوں کی نہایت خوش اسلوبی سے تلخیص کر ڈالی۔ آپ کی تلخیص کردہ کتب میں سے چند یہ ہیں:

مختار الاغانی، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، مختصر تاریخ بغداد للخطیب بغدادی، مختصر ذیل تاریخ بغداد لابن النجار، مختصر

الجوان للجاحظ، مختصر العقد لابن عبد ربه، مختصر بقیۃ الدرر للشعالی اور مختصر مفردات ابن البیطار وغیرہ۔

آپ کی گراں قدر تالیفات میں سے ایک نہایت اہم، ضخیم، جامع اور مفید مذکورہ بالا کتاب لسان العرب ہے۔ اسے ترتیب دیتے ہوئے آپ نے بطور خاص لازہری کی تہذیب اللغۃ، ابن سیدہ کی المحکم، الجوہر کی الصحاح، ابن بری کی الامالی

علی الصحاح اور ابن اثیر کی النہایۃ فی غریب الحدیث کو پیش نظر رکھا۔ آپ نے یہ کتاب الصحاح از جوہری کی ترتیب کے مطابق (یعنی آخری حرف سے) مرتب کی (لیکن اب علی شیری نے اسے عام الف بائی ترتیب میں ڈھا دیا ہے)۔

الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے اکثر و بیشتر مقامات پر آیات، احادیث، آثار صحابہ، خطبات، محاورات، امثال اور اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ معانی الفاظ کی مناسبت سے صرف نحو اور فقہ و ادب کی مفید معلومات بھی اس میں درج کر دی ہیں۔ کم و بیش ۸۰ ہزار الفاظ کی تشریحات، ۷۱ سوشعراء کے نام، ۴۰ ہزار اشعار اور بہت سی نادر معلومات کا ذخیرہ اس میں موجود ہے۔

القاموس المحیط:

اس کتاب کے مولف ”مجدالدین ابوطاہر محمد بن یعقوب بن ابراہیم الفیر وزآبادی“ ہیں۔ آپ ۳۹۷ھ میں شیراز کے قریب زرین کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ قادرِ مطلق نے آپ کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے سات سال کی عمر میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ تحصیل علم کی غرض سے آپ نے بغداد، مصر، شام، بیت المقدس، فلسطین، ہندوستان، ترکی، مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ کا سفر کیا۔ یمن کے سلطان نے آپ کو منصبِ قضا پر فائز کیا اور اپنی ایک بیٹی سے شادی بھی کر دی۔ ۸۱۸ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۲۷ھ میں زبید کے علاقے میں آپ کی وفات ہوئی۔

تفسیر، حدیث، فقہ اور تراجم وغیرہ کے علوم پر آپ کو بہت مہارت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان تمام موضوعات پر کچھ نہ کچھ تالیف کیا، مگر جو شہرت آپ کی کتاب القاموس المحیط کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔ لغت کے میدان میں الصحاح کے بعد اگر کوئی کتاب سارے عالم عرب پر چھا گئی تو وہ قاموس ہی ہے۔ اس کی مقبولیت کی انتہا یہ ہے کہ لفظ قاموس (جو گہرے سمندر کے معنی میں ہیں) کو لغت کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور بعد کے بہت سے اہل علم نے اپنی لغت کی کتابوں کا نام ہی قاموس رکھ دیا جیسے القاموس العصری، القاموس الوحید، القاموس الجدید اور القاموس الفرید وغیرہ۔

اس کتاب کو تالیف کرنے کا مقصد یہ تھا کہ طالبان علم کو بہت سی طویل لغت کی کتابوں سے مستغنی کر دیا جائے، اسی لیے آپ نے بطور خاص الصحاح از جوہری، المحکم از ابن سیدہ، العباب از صفحانی اور دیگر طویل لغت کی کتابوں کو سامنے رکھ کر ان کا اختصار اپنی کتاب میں یکجا کر دیا۔ اگرچہ آپ کی مذکورہ کتاب میں جا بجا جوہری پر تنقید کا پہلو نمایاں ہے لیکن آپ نے ترتیب کے لیے الصحاح کو ہی پیش نظر رکھا (یعنی آخری حرف کے اعتبار سے ابواب اور پھر الف بائی ترتیب کے مطابق فصول)۔

آپ نے اپنی اس کتاب میں جن رموز کا استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں۔ (م) معروف کے لیے، (ع) موضوع کے لیے، (ج) جمع کے لیے، (جج) جمع الجمع کے لیے، (خ) بخاری کے لیے، (د) بلد کے لیے اور (ة) قریہ کے لیے۔ الفاظ کی تشریح میں تکرار سے اجتناب کیا ہے۔ اس حوالے سے نباتات کی ذیل میں ان کے منافع بھی ذکر کیے ہیں، حسب موقع صحابہ، محدثین اور ائمہ کے اسماء کے تحت ان کے متعلق کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے، علم عروض اور دیگر علوم کی اصطلاحات کی بھی وضاحت کی ہے اور تقریباً ۶۰ ہزار الفاظ کی لغت کی توضیح یکجا کی ہے۔

بہت سے لوگوں نے اس لغت کو ہدف تنقید بھی بنایا جیسے احمد فارس الشد یاق نے الجاسوس علی القاموس لکھی۔ لیکن ناقدین کا نقد اس کتاب کی اہمیت و افادیت اور مقبولیت میں کچھ کمی نہ کر سکا۔

تاج العروس

اس کتاب کا مکمل نام ہے تاج العروس من جواهر القاموس۔ یہ دراصل القاموس المحیط کی ہی شرح ہے۔ اس کے مولف محبت الدین ابوالفیض السید محمد رضی الزبیدی الواسطی ہیں۔ آپ ۱۱۴۵ھ میں (ایک قول کے مطابق) یمن کے شہر بزید میں پیدا ہوئے (لیکن اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق آپ انڈیا کے علاقے بلگرام میں پیدا ہوئے) اور قاہرہ میں طاعون کی بیماری سے ۱۲۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کی دو شرحیں بڑی اہم ہیں۔ ایک احیاء علوم الدین از غزالی کی شرح (جو قاہرہ سے ۱۰ جلدوں میں طبع ہوئی ہے) اور دوسری القاموس المحیط کی مذکورہ بالا شرح۔ چونکہ یہ کتاب قاموس کی ہی شرح ہے اس لیے اس میں کوئی نئی ترتیب نہیں بلکہ قاموس والی ترتیب ہی ہے۔ آپ نے اسے ۱۱۸۱ھ میں ۱۴ سال کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کیا۔ آپ کا انداز یہ ہے کہ پہلے آپ بریکٹوں میں قاموس کی عبارت لکھتے ہیں پھر اس کی شرح کرتے ہیں اور پھر المستدرک کے عنوان سے اضافے کرتے ہیں، اگرچہ آپ نے اس کتاب کے دیباچے میں ۱۰۰ سے زائد مآخذ کا ذکر کیا ہے لیکن اضافہ جات کے لیے آپ نے اکثر و بیشتر مقامات پر لسان العرب از ابن منظور کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔

آپ کی یہ کتاب ایک لاکھ (اور بقول بعض ایک لاکھ بیس ہزار) الفاظ لغت کا ذخیرہ ہے۔ آپ نے مجازی معانی بیان کرنے کا بطور خاص اہتمام کیا ہے، جس سے ایک طرف قاموس کے نقص کا ازالہ ہوا ہے اور دوسری طرف تاج کی ایک نمایاں خصوصیت سامنے آئی ہے۔ صاحب قاموس نے جن شواہد کو حذف کر دیا تھا آپ نے دیگر لغات سے انہیں تلاش کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ آپ نے کتاب کے مقدمہ میں لغت کے متعلق انتہائی قیمتی معلومات مہیا کر دی ہیں جو کسی بھی لغت کے طالب علم کے لیے خزینہ علم لغت کی کنجی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

چند جدید لغات:

تاج العروس پر تالیف معاجم کا ایک طویل جاری سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مستشرقین نے ہی اضافے کیے یا پھر عیسائیوں اور دیگر لوگوں نے مذکورہ بالا کتابوں کو ہی پیش نظر رکھ کر مختصر لغات تیار کیں۔ بالاختصار ان کا بیان آئندہ سطور میں پیش خدمت ہے۔

مد القاموس:

اس کتاب کا مکمل نام یوں ہے An Arabic - English Lexicon۔ یہ عربی سے انگلش ڈکشنری ہے۔ اس کے مولف ایڈورڈ ولیم لین (Edward William Lane) ہیں۔ یہ کتاب گزشتہ تمام لغات کا نچوڑ ہے۔ اسی لیے اسے مستشرقین کے ہاں لغت کی امہات الکتب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایڈورڈ نے اسے تالیف کرنے میں اپنی زندگی کے ۳۵ سال کھپائے مگر اسے مکمل نہ کر سکا، پھر اس کے بھتیجے نے اسے مکمل کیا۔

A Dictionary of Modern Written Arabic

یہ کتاب ہنس ویسر (Hans Wehr) کی مرتب کردہ ہے۔ اس نے اس کتاب میں ایک نیا تصور پیش کیا کہ الفاظ قدیم یا جدید نہیں ہوتے بلکہ ان کا استعمال انہیں قدیم یا جدید بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی اس کتاب میں صرف وہی الفاظ درج کیے جو مستعمل تھے اور جن کا استعمال ترک کیا جا چکا تھا انہیں درج نہ کیا۔ اس نے اسے عربی سے جرمن میں مرتب کی، پھر جن ملٹن کاوان (Jhon Milton Cowan) نے اسے انگلش میں ایڈٹ کیا۔ اس نے اس میں مزید اضافے بھی کیے اور اصلاح و تصحیح بھی۔

ملحق القوامیس

یہ کتاب ڈوزی (Dozy) کی تالیف ہے۔ اس میں اس نے کمال یہ کیا ہے کہ صرف وہ الفاظ جمع کیے ہیں جو گزشتہ تمام بڑی بڑی کتب لغت میں رہ گئے تھے۔ یہ عربی سے فرنج میں ہے۔

المورد:

اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک منیر بعلبکی کی، جو انگریزی سے عربی ہے اور دوسری روجی بعلبکی کی جو عربی سے انگریزی ہے۔ یہ بھی نہایت مفید کتاب ہے، اب یہ دونوں کتابیں ایک جلد میں بھی طبع ہو چکی ہیں۔

القاموس:

یہ ایک جلد میں عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی لغت ہے۔ اسے مکتبہ الدراسات واللجوٹ نے تیار کیا ہے۔ اس کی تیاری میں جن لوگوں نے شرکت کی ان میں ادیبہ فرح، ریاض کریم، محمد سعید اور سلیم ادوار شامل ہیں اور اسے دارالکتب العلمیہ (بیروت) نے شائع کیا ہے۔

المخبر:

یہ کتاب لوئیس معلوف الیسوعی (عیسائی) کی تالیف ہے، جو ۱۹۰۸ء میں مکمل ہوئی۔ مولف موصوف لبنان میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے لیے بیروت اور یورپ کا سفر کیا۔ انھوں نے یہ کتاب عربی سے عربی میں تحریر کی لیکن اب اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

محیط المحيط:

اس کے مؤلف بطرس بن بولس بن عبد البیتانی (عیسائی) ہیں۔ ان کا تعلق لبنان سے ہے۔ یہ المعلم کے لقب سے معروف ہیں۔ انھوں نے تورات کو عربی زبان میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اقرب الموارد فی فصیح العربیۃ والشوارد:

یہ کتاب شیخ سعید الشرتونی (عیسائی) کی کاوش ہے۔ انھوں نے لبنان میں عربی زبان و ادب کے حوالے سے نمایاں مقام حاصل کیا حتیٰ کہ انہیں اپنے دور کا لغت عرب کا امام مانا گیا۔

الرائد:

اسے جبران مسعود نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں تقریباً ۶۰ ہزار سے زیادہ الفاظ اور ۵ ہزار ۳ سو سے زیادہ اعلام کا ذکر ہے اور دارالعلم للملایین نے اسے بیروت سے ایک جلد میں شائع کیا ہے۔

المجمع الوسیط:

یہ کتاب ایک مصری ادارے ”مجمع اللغة العربیۃ“ کی مرتب کردہ ہے۔ اسے ترتیب دینے اور اس کی مزاجت کا کام کرنے میں جن علمائے لغت نے حصہ لیا ان میں الاستاذ ابراہیم مصطفیٰ، الاستاذ احمد حسن زیات، الاستاذ حامد عبد القادر، الاستاذ محمد علی النجار، الدكتور ابراہیم انیس، الدكتور عبد الحلیم منصر، الاستاذ عطیہ الصوالمی اور الاستاذ محمد خلف اللہ احمد شامل ہیں۔

القاموس الوحید:

یہ کتاب مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی کی تالیف ہے، جو دارالعلوم دیوبند کے معاہن مہتمم اور وہاں حدیث اور عربی کے معلم تھے۔ یہ کتاب عربی سے اردو ہے۔ اسے تالیف کرتے ہوئے مولف موصوف نے معروف عربی لغت المعجم الوسیط کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کی ابتدا میں مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی کا مقدمہ درج ہے جو علم لغت کے حوالے سے نہایت جامع اور اہم ہے۔

القاموس الفرید:

یہ بھی مولانا وحید الزماں کیرانوی کی مرتب کردہ لغت ہے۔ البتہ اس کی ترمیم و تصحیح کے لیے مولانا عبیدالحق ندوی، مولانا محمد یار راضی، مولانا محمد ظہیر الدین اور محمد مخدوم صابری نے بھی اپنی اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ مولف نے اسے ترتیب دیتے ہوئے انگریزی عربی لغت القاموس العصری کو بنیاد بنایا ہے اور اس میں کافی حد تک وہ الفاظ نقل کرنے کی کوشش کی ہے جو دور جدید میں مستعمل ہیں۔

مصباح اللغات:

یہ کتاب مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی کی تالیف ہے۔ آپ مدرسہ مصباح العلوم میں معلم تھے اور وہیں آپ نے یہ کتاب تالیف کی۔ آپ نے اسے تالیف کرتے ہوئے تاج العروس، المنہرۃ فی اللغۃ، اقرب الموارد، تاج اللغات، مفردات از امام راغب، مجمع البحار، النہاریۃ از ابن اثیر، المنہجی الارب، للمجدد اور الصحاح وغیرہ تمام کتابوں کو پیش نظر رکھا اور اس میں تقریباً ۵۰ ہزار الفاظ یکجا کر دیئے۔

☆ واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام جدید لغات اگرچہ اپنی اپنی بھی کچھ خصوصیات رکھتی ہیں لیکن ترتیب کے لحاظ سے سب سے ایک ہی 'الفبائی' ترتیب پر مشتمل ہیں۔

خلاصہ کلام:

عربی لغت نویسی کا معنی ہے "عربی زبان کی لکھائی کا کام۔" لغت نویسی کا کام عربوں سے پہلے چائنہ میں شروع ہو چکا تھا لیکن عربوں نے اس سلسلے میں نہایت قابل قدر کام کیا۔ پہلے پہل خاص خاص موضوعات پر الفاظ لغت جمع کیے گئے جیسے کتاب التخیل وغیرہ جس میں صرف گھوڑے سے متعلقہ الفاظ کے معانی یکجا کیے گئے۔ پھر سب سے پہلے باقاعدہ لغت نویسی کا آغاز خلیل بن احمد کی کتاب العین سے ہوا۔ اس کے بعد مختلف ترتیبوں کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا جو الزبیدی کی تاج العروس پر جا کر ختم ہوا۔ بعد ازاں یا تو مستشرقین نے کچھ اضافے کیے اور یا پھر عیسائی ادبا اور دیگر ماہرین لغت نے سابقہ ضخیم کتب لغت کو ہی سامنے رکھ کر مختلف لغات مرتب کیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ الجوهري، الصحاح، ماده (عرب)
- ۲۔ امام بخاری، صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۰۵۳
- ۳۔ ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیمی، پردہ اٹھا دوں اگرچہ چہرہ الفاظ سے، صفحہ ۱۳۱
- ۴۔ امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۵۵
- ۵۔ امام ترمذی، جامع ترمذی: کتاب البر والصلیة، رقم الحدیث: ۲۰۱۸
- ۶۔ Arabic Lixicography, P. 28
- ۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۴، صفحہ ۲۱۶

فارسی لغت نویسی

فارسی زبان اپنی قدامت کے اعتبار سے متعدد ادوار سے گزری ہے اور ہر دور پچھلے دور کے بہ نسبت زیادہ ہی تابناک رہا ہے چونکہ کسی بھی زبان کو بہتر طریقے سے سمجھنے کا ایک ذریعہ لغات ہیں بلکہ ادبی منابع میں سے ہے اس لیے ہر دور میں ادبا و دانشوروں نے اس پر خاطر خواہ توجہ دی ہے، فارسی لغت نویسی کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے درمیانی مراحل سے فارسی لغت نویسی کا آغاز ہو چکا تھا، چنانچہ ڈاکٹر معین اپنی لغت فرہنگ معین کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

ایسے شواہد دستیاب ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ لغت نویسی کا آغاز پانچویں صدی ہجری کے وسط میں ہو چکا تھا ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ کام ہوا ہو لیکن حوادث تاریخی کے ہاتھوں ضائع و تباہ ہو گیا اور اس کے اثرات نہیں ملتے ہیں۔ (مقدمہ فرہنگ معین)

فارسی زبان کی قدیم ترین لغت کے عنوان سے دو اہم نام قابل ذکر ہیں (1) فرہنگ پہلو یک (2) فرہنگ اویم۔ ان دونوں لغات کا تعلق فارسی میاں سے تھا لیکن باقاعدہ فارسی لغات کی تدوین کا کام بظاہر پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوا اس صدی کی دو اہم کتابیں قابل ذکر ہیں۔ (1) رسالہ ابو حفص سعدی (2) تقاسیر لغ الفرس مولفہ شرف الزمان قطران بن منصور رموی۔ پانچویں صدی کے مشہور شاعر تھے، سر دست یہ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔ (فرہنگ فارسی معین، ص 39)

اس سلسلے میں قدیم ترین کتاب جو دستیاب ہے وہ فرہنگ اسدی یا لغت فرس اسدی مولفہ اسدی طوسی ہے۔ اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک اس قسم کی کتابیں ترتیب نہیں دی گئیں یہاں تک کہ آٹھویں صدی میں شمس الدین محمد ہند شاہ کے ذریعے صحاح الفرس لکھی گئی اس کے بعد متعدد لغات اسی صدی میں معرض وجود میں آئیں۔

ساتویں صدی ہجری میں شبہ جزیرہ ہند میں لغت نویسی کا آغاز ہوا کیونکہ ایرانیوں سے راہ و رسم بڑھے اور ایرانی تمدن کو ہندوستان میں رونق حاصل ہوئی، بڑھتے بڑھتے فارسی زبان ایران کے بعد ہندوستان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی اور رائج زبان قرار پائی، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ تمام سلاطین و ہندوستانی راجاؤں نے فارسی زبان سے بخوبی آشنائی حاصل کر لی، چوتھی صدی عیسوی سے ہندوستانی حکام سے ساسانیوں کے خاص روابط و مراسم تھے۔ (فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، مولفہ ڈاکٹر شہریار تقویٰ)

تاریخی حقائق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانیوں کے مقابلے میں ایرانیوں نے فرہنگ نویسی اور لغت نگاری میں

کو تاہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس کا شکوہ عظیم لغت نگار ڈاکٹر محمد معین کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

چونکہ ایرانیوں کی مادری زبان تھی لہذا انھوں نے لغت نگاری کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی جیسے عرب نے عربی لغت نگاری میں تساہلی سے کام لیا تھا مگر چونکہ عربی زبان ایرانیوں کی مذہبی زبان تھی لہذا ایرانیوں نے عربی لغت تدوین کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ایرانیوں کی اسی عدم توجہی کے باعث ہندوستانی دانشوروں نے چونکہ ان کی سرکاری زبان فارسی تھی لہذا فارسی لغت کی تدوین کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے تالیف کا عمل شروع کیا۔ اگرچہ ان کا یہ اقدام قابل تحسین ہے لیکن چونکہ اہل زبان نہ تھے لہذا غلطیاں بھی بہت نظر آتی ہیں۔ (مقدمہ لغت نامہ علی اکبر دھندا، ص 41)

ہندوپاک کے دانشوروں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جلال الدین ہمانی رقمطراز ہیں: پرانے ہندوستان کے دانشوروں نے لغت نگاری کے حوالے سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ایرانیوں سے کہیں زیادہ ہیں یہ خدمات ویسے ہی ہیں جیسے عربی زبان کی ایرانیوں نے خدمت کی تھی۔ (فرہنگ نویسی در ہندوپاکستان مولفہ ڈاکٹر شہریار تقوی، ص 11)

قدیم ہندوستان میں مورخین کے بیان کے مطابق ساتویں صدی ہجری سے لغت نویسی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا اور مسلسل اس تعلق سے دانشوروں نے خدمات انجام دیں لیکن اس سلسلے کا سب سے زریں دور گیارہویں صدی کو کہا جاسکتا ہے جس میں یہ کام بامعروج پر پہنچا۔

لغت نگاری کی تاریخ کے تین ادوار

1. ساتویں صدی سے نویں صدی ہجری تک: اس دور میں لغت نگار دانشوروں نے الفاظ جمع کرنے پر زیادہ توجہ اور جدیت سے کام لیا اور یہ کوشش کرتے تھے کہ نئی لغت مواد کے اعتبار سے پرانی لغت سے جدا و ممتاز رہے، اس دور کے مولفین چونکہ شعر سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے لہذا شاہد مثال کے طور پر اشعار زیادہ درج کیے ہیں۔

2. مغلیہ دور سے تیرہویں صدی تک: اس دور میں لغت نگاری میں اک نیا طریقہ پیدا ہوا، الفاظ کی جمع آوری کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید پر بھی توجہ مبذول کی گئی، چنانچہ اس دور میں فارسی کو کافی حد تک ارتقا حاصل ہوا۔

3. دور جدید یعنی چودھویں صدی ہجری: اس دور میں چونکہ مغلیہ سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں اور ہندوستان پر انگلستان کا قبضہ بڑھتا جا رہا تھا سیاسی اٹھل پٹھل نے مسلمانوں کے تمدن، زبان اور فارسی ادب کو بھی متاثر کر دیا کیونکہ انگریز فارسی کے بجائے اپنی زبان رائج کرنا چاہتے تھے لیکن یہ کوشش مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکی مسلمانوں نے اپنی زبان و تمدن کو انگریزوں کے غفرتی پنجوں سے بچا لیا جس کے نتیجے میں متعدد زبانوں کا ایک مجموعہ اردو کے نام سے سامنے آیا۔ (فرہنگ نویسی در ہندوپاکستان مولفہ ڈاکٹر شہریار تقوی، ص 24)

ہندوستان میں پہلی لغت جو فارسی زبان میں لکھی گئی وہ فرہنگ تواس ہے جس کو علا الدین محمد شاہ کے درباری شاعر مولانا محمد فخر الدین مبارک شاہ غزنوی معروف بہ کمانگریا تواس نے تالیف کیا تھا یہ کتاب نو سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے جو بھوپال کی حمید یہ لائبریری میں موجود ہے یہ نسخہ مولانا نظام الدین فرماندار احمد آباد گجرات کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ (نامہ فرہنگستان، ج 1، شمارہ 60، مقدمہ برہان قاطع، ص 74)

مجلد آئینہ میراث، ص 106 پر علیم اشرف خان کا یہ جملہ اس کی تائید کرتا ہے: ہندوستان کے مشہور دانشور قاضی عبد الودود کے بقول ہندوستان میں تالیف ہونے والی قدیم ترین فارسی لغت فرہنگ فخر قوامی ہے لیکن ابھی ماضی قریب میں پروفیسر نذیر احمد نے ایک نئی لغت کا انکشاف کیا ہے جو اس سے بھی زیادہ قدیمی ہے جس کا نام فرہنگ تواس ہے۔ (روزنامہ اطلاعات، 16 مرداد، سال 1392)

ہم یہاں پر چند اہم قدیم ترین کتب لغت کے اسما درج کر رہے ہیں: فرہنگ تواسی مولفہ محمد فخر الدین مبارک شاہ، دستورالافاضل مولفہ مولانا رفیع دہلوی، بحر الفضا کل مولفہ مولانا فضل الدین محمد بن قوام، مویذ الفصلا مولفہ مولانا محمد ابن لاد، ادات الفصلا مولفہ قاضی بدر الدین دہلوی، مجموع اللغات مولفہ ابوالفضل، فرہنگ جہانگیری مولفہ جمال حسین انجو، برہان قاطع مولفہ محمد حسین برہان تبریزی، فرہنگ رشیدی مولفہ عبدالرشید تقوی، لغات عالم گیر فاضل محمد دہلوی، سراج اللغات سراج الدین علی خان آرزو، چراغ ہدایت سراج الدین علی خان آرزو۔

چند فارسی لغات کا تعارف:

ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا رواج صدیوں پرانا ہے، فارسی زبان کے رائج ہونے کے بعد لغت نویسی کی ضرورت کے پیش نظر ہندوستانی دانشوروں نے نہایت تن دہی سے اس کام کو انجام دیا، سلاطین ہند کی ادب نواز اور علم پرور طبیعت نے دل کھول کر ایسے افراد کی حمایت و اعانت کی جس کے نتیجے میں آسودہ خاطر ہو کر بڑے وسیع پیمانے پر یہ کام انجام پایا اور لغات کی ایک طویل فہرست فارسی ادب کی کتابوں میں ملتی ہے، ہر ایک کتاب کے جداگانہ تعارف کے لیے پوری ایک کتاب ناکافی ہوگی مگر مضمون کی افادیت کے پیش نظر کچھ کتب کا اجمالی تعارف ہدیہ قارئین کرام کیا جا رہا ہے۔

1. بہار عجم: دوسرے دور میں ہندوستان میں تالیف ہونے والی یہ لغت لالہ ٹیک چند بہار نے مرتب کیا تھا اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تقریباً دس ہزار مفردات، مرکبات و مثالوں کو درج کیا ہے اور اکثر معنی بیان کرنے میں اشعار سے استفادہ کیا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بعض امثال، کنایات اور فارسی عبارات ایسی ہیں جو اس سے قبل کی لغات میں مذکور نہیں ہیں۔

مقدمہ میں لالہ ٹیک چند نے تحریر کیا ہے: یہ ذخیرہ ہے لغت واصطلاحات کا جس کو مروجہ کتب، معتبر شروع متقدمین کے دیوان و مثنویات سے حاصل کیا ہے۔ (پڑوہشنامہ علوم انسانی، ص 28)

شاید اسی تحقیق و جستجو کا نتیجہ تھا کہ یہ لغت بعد کے لغت نویس دانشوروں کے لیے عظیم سرچشمہ علم قرار پائی جس کے سبب مولف کی زندگی میں ہی متعدد مرتبہ طبع ہوئی۔ مولف آصف اللغات بہار عجم کی جامعیت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: متعدد مفردات اور بہت سے مرکبات درج کیے ہیں، اکثر الفاظ میں متقدمین و متاخرین سے متعدد اسناد ذکر کیے ہیں جس سے مرکبات میں تازگی نظر آتی ہے... اس کی جامعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے اساتذہ فن کے کلام یکجا کر دیے ہیں۔ (آصف اللغات، ج 1، ص 5)

اس کتاب کی عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تکمیل تدوین سے لے کر ہمیشہ یہ کتاب ادبی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی، متاخرین نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے، فرہنگ آندراج، لغت نامہ دھند، فرہنگ نفیسی، فرہنگ معین جیسی عظیم کتابوں میں بہت سے مفردات و مرکبات کی تشریح کومن و عن نقل کر دیا گیا ہے۔

سراج اللغات: سراج الدین علی خان آرزو نے تالیف کیا ہے، ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا ہے، انھیں نے سب سے پہلے زبان شناسی کے فارمولے اور فارسی و سنسکرت زبان کے درمیان کے روابط کو واضح کیا اور نہایت اہم اقدامات کیے۔

آپ نے دو کتابیں علم لغت میں تالیف کی تھیں۔ (1) چراغ ہدایت (2) سراج اللغات، اول الذکر کتاب مختصر مگر دوسری کتاب محمد شاہ کے دور میں 1147ھ میں تالیف کی۔

ڈاکٹر شہر یار تقویٰ تحریر کرتے ہیں: سراج اللغات باوجودیکہ اہم و عظیم اور نہایت قیمتی لغت تھی مگر کبھی طبع نہیں ہو سکی کہا جاتا ہے کہ کرناٹک کے ایک نواب کے دور میں طبع ہوئی تھی مگر اس کا کوئی نسخہ کہیں موجود نہیں ہے۔ (فرہنگ نویسی در ہند و پاکستان، ص 112)

اس لغت میں مولف نے ثقافتی مباحث کے ساتھ ساتھ اعلام جغرافیائی اور تاریخی بھی درج کیے ہیں۔

فرہنگ آندراج: مولف محمد بادشاہ فرزند غلام محی الدین، یہ کتاب آندنا نامی بادشاہ کی تشویق پر ترتیب پائی تھی اس میں اس دور میں استعمال ہونے والے عربی، فارسی، ترکی، مغلی اور ہندی الفاظ درج ہیں، کتاب کی تدوین میں گذشتہ مصنفین کے تجربات و طریقوں سے خوب استفادہ کیا ہے۔

الفاظ کا تلفظ، قواعدی مباحث، مختلف معانی کو جدا جدا لکھنا، معنی مجازی و کنایہ کی تشخیص، عروض و بدیع کی اصطلاحات

کا اندراج اس کی اہم خصوصیات ہیں۔

یہ لغت تینیس ابواب پر مشتمل ہے، اس کتاب میں الف مدودہ اور ہمزہ کے درمیان کا امتیاز نظر نہیں آتا ہے، مولف نے الفاظ فارسی کے ریشہ واصل کے بیان پر زیادہ توجہ دیا ہے مگر بعض مقامات پر اصل بیان کرنے میں سہو کے مرتکب ہو گئے ہیں اور علمی مباحث سے گریز کرتے ہوئے صرف گمان پر بھروسہ کیا ہے۔

فرہنگ جہانگیری: 1017ھ میں تالیف ہوئی جو ایک بہترین و جامع ترین لغت ہے، مصنف جمال الدین حسین اسنچو اکبر بادشاہ کے دربار کے امرا میں سے تھے، اس میں ترین لغات سے استفادہ کیا گیا ہے، اور بعض الفاظ و مفردات جو خود ان کی تحقیق کا نتیجہ ہیں درج ہیں۔ وہ خود بیان کرتے ہیں: میں نے بعض ایسے کلمات بھی درج کیے ہیں جس کا وجود دیگر کتب لغت میں نہیں ملتا ہے اس کے لیے تحقیق کی ضرورت تھی کہ ان مناطق میں بسنے والے ادبا سے استفادہ کیا جائے۔

لغت کی ترتیب پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ہر کلمہ کے دوسرے حرف کو باب اور پہلے حرف کو فصل کا عنوان دیا ہے اسی وجہ سے اس پر بہت زیادہ توجہ نہیں کی جاتی ہے (www.fa.wikipedia.org/wiki/) فارسی زبان درہند) فرہنگ رشیدی: عبدالرشید حسینی سندھ کے رہنے والے تھے انھوں نے فارسی کلمات و مفردات کے بارے میں اچھی تحقیق پیش کیا ہے وہ خود تحریر کرتے ہیں:

چونکہ میں نے دو عظیم لغت کا مطالعہ کیا فرہنگ جہانگیری و سروری دونوں میں ایسے امور نظر آئے جن سے اجتناب ضروری تھا۔ (1) دونوں لغت میں بے جا تفصیل، بے حاصل عبارات کی تکرار اور غیر ضروری اشعار کی کثرت سے پر ہیں۔ (2) بعض الفاظ کی تصحیح، اعراب کی وضاحت، معنی کی تفتیح کا حلقہ نہیں کی گئی ہے جو ضروری تھی۔ (3) اغلاط و اشتباہات کی زیادتی۔ (فرہنگ نویسی در ہند و پاکستان، ص 102)

برہان قاطع: مولفہ محمد حسین متخلص بہ برہان، 1062ھ میں ترتیب حروف تہجی کی رعایت کے ساتھ تدوین عمل میں آئی ہے، اس کتاب کو مصنف نے گولکنڈہ کے بادشاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے نام سے معنون کیا ہے، اس لغت کو خوب شہرت ملی اور کئی مرتبہ طبع ہوئی۔

قاطع برہان: 1278ھ میں اسد اللہ خان غالب نے برہان قاطع کی تصحیح کے عنوان سے ترتیب دیا تھا، دراصل غدر کے ایام میں جب غالب خانہ نشینی پر مجبور ہو گئے تو ان کے پاس صرف برہان قاطع نامی کتاب تھی لہذا اسی کے مطالعے میں مصروف ہو گئے اور دوران مطالعہ جہاں کہیں بھی برہان قاطع کے مندرجات سے اختلاف کرتے تھے یا جہاں کہیں بھی اعتراض نظر آتا اس کی اصلاح کی غرض سے حاشیہ نویسی شروع کر دیا اور بغیر کسی لغت کے سہارے ذاتی معلومات کی بنیاد پر ایک سوانیس غلطیوں کی

نشاندہی کی۔

منابع

1. آصف اللغات۔
2. پڑوہش نامہ علوم انسانی
3. روزنامہ اطلاعات
4. فرہنگ معین
5. فرہنگ نویسی در ہندوپاکستان
6. مقدمہ لغتنامہ دھندرا
7. مقدمہ برہان قاطع
8. مجلہ آئینہ میراث
9. نامہ فرہنگستان
10. زبان فارسی در ہند www.fa.m.wikipedia.org/wiki

خود آزمائی

- ۱۔ برصغیر میں اردو کے علاوہ کن زبانوں میں لغت نویسی کی روایت موجود رہی؟
- ۲۔ فارسی میں لغت نویسی کے حوالے سے نوٹ لکھیں۔
- ۳۔ عربی لغت نویسی کے بارے میں تفصیل سے جواب لکھیں۔
- ۴۔ دور جدید کی عربی اور فارسی کی تین تین لغات پر نوٹ تحریر کریں۔

مجزوہ کتب

- ۱۔ مولوی عبدالحق، ”اردو لغات اور لغت نویسی“، مشمولہ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۹۸-۱۳۷۔
- ۲۔ گوپی چند نارنگ (مرتبہ)، لغت نویسی کے مسائل (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۵ء)
- ۳۔ روف پارکھ (مرتبہ)، اردو لغات: اصول اور تنقید (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۴ء)
- ۴۔ روف پارکھ، لغت نویسی اور لغات: روایت اور تجزیہ (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء)
- ۵۔ روف پارکھ، اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)
- ۶۔ روف پارکھ، علم لغت، اصول لغت اور لغات (کراچی، فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)

منظوم نصاب نامے

تحریر: ڈاکٹر سہیل عباس خان
نظر ثانی: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

65	یونٹ کا تعارف
65	یونٹ کے مقاصد
66	اردو میں نصاب نامے: روایت و ارتقا
82	خود آزمائی
82	مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

اُردو لغت نویسی کا دوسرا مرحلہ وہ مختصر منظوم لغات تھیں جو نصابی ضروریات کے لیے تخلیق ہوئیں۔ ایسی منظوم لغت ”نصاب“ کہلاتی ہے۔ نصاب انا مے اُردو لغت نویسی کا دوسرا مرحلہ کہلاتے ہیں۔ اس مرحلے میں مختصر منظوم لغات سامنے آئیں۔ جو نصابی ضروریات کے لیے تخلیق ہوئیں۔ نصاب کے طور پر تخلیق کی گئی یہ منظوم لغات یا نصاب نامے، جن کا آغاز دور جہانگیری سے ہوتا ہے، اردو اور فارسی کی آمیزش کی ایک صورت ہیں۔ ان میں اُردو الفاظ کے فارسی اور عربی مترادفات نظم کیے گئے ہیں۔ یہ فرہنگیں تعلیمی نصاب کے طور پر لکھی گئیں اور عام طور پر دو سوا شہادت تک محدود ہوتی تھیں۔

اس یونٹ میں لغت نویسی کی اس اہم قسم کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ آخر پر مجوزہ کتب اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مزید رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ اردو لغت نویسی کے دوسرے دور میں منظوم لغت نویسی سے آشنا ہونا
- ۲۔ یہ جاننا کہ نصاب نامہ کیا ہوتا ہے؟
- ۳۔ اردو کے ابتدائی ادوار میں عربی اور فارسی الفاظ کے برصغیر میں لسانی اشتراکات سے آگاہی حاصل کرنا

اردو میں نصاب نامے

روایت اور ارتقا:

اٹھارھویں صدی کی تہذیب میں شعر و شاعری نہ صرف خواص کی دلچسپی کا سامان تھی بلکہ عوام کا بھی اوڑھنا بچھونا تھی۔ اس دور میں عام طور پر گفتگو میں زیادہ تر اشعار کا استعمال کیا جاتا تھا۔ کسی شخص کو اگر انکار کرنا ہوتا تھا تو وہ بھی شعر کے پردے میں کیا جاتا تھا۔ اس طرح دونوں اشخاص ندامت سے بچ جاتے تھے۔ اس ماحول میں شعر یاد کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ بچوں کی تعلیم کے لیے بھی اس ضمن میں نصاب نامے تیار کیے جاتے تھے جو منظوم لغت کی شکل میں ہوتے تھے۔ یہ منظوم لغت تیس پینتیس صفحات سے زائد نہ ہوتے تھے۔ اشعار کی تعداد بھی دو تین سو کے قریب ہوتی تھی۔ ان منظوم لغات میں عربی، فارسی کے مشکل الفاظ اور جملوں کا ترجمہ اردو میں دیا جاتا تھا۔ یہ منظوم نصاب نامے بظاہر تو بچوں کے لیے لکھے جاتے تھے تاکہ وہ ہندوی الفاظ (اردو کا قدیم نام) کے فارسی اور عربی مترادفات زبانی یاد کر سکیں۔ ان سے نہ صرف عرب و ایران وغیرہ کے فاتحین، مہاجرین اور مذہبی مبلغین بھی اس قسم کی منظوم تصانیف سے عوام کی بول چال کے قریب آ گئے۔

ان منظوم نصاب ناموں کی ایک اور بڑی خوبی مفرد الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ اردو کی مستعمل لغات میں اس وقت مرکب الفاظ تو بے شمار ہیں لیکن مفرد الفاظ کی کمی اکثر و بیشتر شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے۔ مرکب لفظ مفرد کا مترادف تو ہو سکتا ہے لیکن متبادل نہیں۔ اگر ان منظوم لغات کی تدوین کی جائے تو ہمارے پاس مفرد الفاظ کا اک انمول ذخیرہ آ سکتا ہے۔

منظوم نصاب ناموں کا رواج ایران میں ساتویں صدی ہجری میں ابونصر فراہی کی تالیف "نصاب الصبیان" سے شروع ہوا جو کہ (۱۴ھ) میں لکھا گیا۔ "نصاب" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے دوسو درہم وہ رقم ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس رقم کا مالک صاحب نصاب" کہلاتا تھا۔ چنانچہ "نصاب الصبیان" کے اشعار کی تعداد بھی دوسو ہے، اس لیے نام "نصاب" رکھا گیا۔ ابونصر کی تقلید میں لکھی جانے والی فرہنگوں کو بھی اس اعتبار سے نصاب ہی کہا گیا۔ ابونصر فراہی کے نصاب کا اکثر حصہ عربی الفاظ سے بحث کرتا ہے۔ ایک قطعہ میں عربی صرف سے تعلق رکھنے والے الفاظ مثلاً ضمائر، اسمائے اشارہ، حروف جارہ بیان ہوئے ہیں۔ بعد میں عام معلومات کے مفید امور ذکر ہوئے ہیں۔ مثلاً عربی، فارسی، رومی و ترکی مہینوں کے نام، ہفتے کے نام، سببہ سیارہ، بروج، فصول، ازدواج النبی، اولاد النبی، آئمہ معصوم، مدنی سورتیں، مفتیان نبی، موالی نبی، قاری، قبائل نبی، گنتی، بیماریاں، مدت بودن آفتاب در ہر برج، حساب جمل، مختلف دھاتوں کے اوزان وغیرہ وغیرہ۔

فارسی میں اس قبیل کے جو رسائل ملتے ہیں۔ ان میں منطق کے نام عربی بول چال کا ایک قدیم رسالہ ملتا ہے۔ اٹھاون صفحات کا یہ رسالہ سلطان شاہ ابوالقاسم محمود بن ارسلان بن خوارزم شاہ کے لئے سنہ ۵۶۸ھ سے قبل تالیف ہوا۔ اسی طرح کتاب اسامی نامی رسالہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں افسر صدیقی امر وہوی لکھتے ہیں:

حافظ محمود شیرانی نے حفظ اللسان کے دیباچے میں جو ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تھا۔ رسالہ منطق، کتاب اسامی، نصاب الصبیان کا ذکر کرنے کے بعد قصیدہ در لغات ہندی درج کیا ہے جس میں مختلف ادویہ اور اعضائے جسمانی کے ہندی نام اہل ایران کی معلومات کے لئے نظم کئے گئے ہیں۔ پھر اللہ خدائی تصنیف ۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۶ھ، نصاب مصطفیٰ تصنیف ۱۱۲۶ھ کا تعارف پیش کرنے کے بعد خالق باری کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ان دونوں کتابوں کے سلسلے میں اور ان کے متصل زمانے میں لکھی گئی۔ اسی ضمن میں مولوی محمد حسین آزاد، مولوی محمد امین چڑیا کوٹی، پروفیسر مسعود حسن رضوی، ڈاکٹر وحید مرزا اور خان آرزو کی تحریروں پر اعتراضات کئے ہیں اس کے بعد اقطاع ملک میں خالق باری کے تتبع میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا مشرح بیان ہے۔“

افسر صدیقی امر وہوی نے ضیا الدین خسرو کے رسالہ حفظ اللسان کی تدوین کی ہے، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

میل در ہندی سلائی سرمہ جوے	صولجان چوگان و فندق است گوئے
بعل شوہر منس ہے دے جویکا	طوطی اندر قول ہندی پوٹپا
طفل کودک، خورد بالا پوگلڑا	بیضہ اندا چوزہ راداں پچڑا
عقرب آمد کثردم و برج فلک	ہم سروش و ہم فرشتہ داں ملک
کنر لک و سکیں بداں سیدھی چھری	ہم بداں سا طور را ٹیڈھی چھری (۱)

۷۷۶ھ میں ایک رسالہ نصاب نصیب کے نام سے لکھا گیا، اس کے مصنف مطہر ہیں، اس میں عربی الفاظ زیادہ ہیں۔ صفحات کی تعداد ۳۲ ہے۔ نصاب عقود الجواہر نامی رسالہ رشید و طواط سے منسوب ہے۔ اس میں بلاغت کی اصطلاحات ہیں؟ مترادف الفاظ کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔ سلطان محمد (۸۰۵ھ-۸۲۴ھ) کے زمانے میں لکھا گیا، یہ رسالہ ۵۷۷ قطعاً اور ۶۵۰۱ شعار پر مشتمل ہے۔ فارسی میں اس طرز کا ایک رسالہ امیر خسرو نے بھی لکھا۔ اس کا نام بدیع النصاب ہے۔ اس میں کل ۲۳ قطعاً ہیں اور ہر قطعہ میں خاص خاص صنعتوں کا التزام، تجنیس وغیرہ ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے مقالات شیرانی میں نصیب الفضلا نامی ایک رسالے کا ذکر کیا ہے جس کا مصنف اور سال تالیف نہیں ملتا۔ اس کا دیباچہ عربی میں اور نظم فارسی ہے۔ قطعاً کی بجائے مختلف اوزان کے قصائد میں تقسیم کی گئی ہے۔ کل صفحات ۸۸ ہیں۔ اسی طرح اسمائے

حروف نامی رسالے میں کل بائیس شعر ہیں۔ حروف تہجی کے معنی بیان ہوئے ہیں۔ اس کا مصنف بھی نامعلوم ہے۔ نصاب حسنی نامی رسالہ ایک ہی بحر وقافیہ میں ہے۔ تقریباً دو سو بیس اشعار ہیں سنہ ۸۹۶ یا ۹۹۹ھ سال تالیف ہے۔ یعنی اسماء حسنی (۹۹) پر جب (۹) شامل کئے تو سنہ ۹۹۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ تمام کتاب اسی وزن اور قافیے میں ہے۔ اس رسالے میں صنعت اشتقاق و تجنیس و جمع کی رعایت کے الفاظ دیئے ہیں۔ نصاب کمال نامی رسالہ مولانا کمال کی تصنیف ہے۔ اس میں الفاظ مترادف و اضداد عربی و فارسی ہیں۔ کل صفحات ۵۷ ہیں۔ شیخ صدر الدین بن بدر الدین نے ایک رسالہ قبزیۃ الفقیان اپنے ہمیشہ زادے کے لئے تصنیف کیا۔ اس میں مقلوب و متجانس الفاظ پر خاص توجہ دی ہے۔ تعداد ابیات دو سو پندرہ، سن تصنیف نامعلوم ہے۔ نصاب ضیائی یا تجنیس اللغات مولانا جامی نے اپنے فرزند ضیا الدین یوسف کے واسطے لکھا، اس میں عربی و فارسی الفاظ جن میں تجنیس کا خیال رکھا گیا ہے۔ مختلف بحر و قطع میں قطعاً ہیں۔ نظم مثلث یا نصاب الاخوان یا نصاب بدیعی نامی رسالہ مولانا بدیعی کی تالیف ہے۔ اس میں ایسے سہ حرفی ہم شکل الفاظ ہیں۔ جن کا پہلا حرف بہ سہ حرکات آتا ہے۔ پہلا مفتوح، دوسرا کسورا اور تیسرا مضموم ہے اور یہی ترتیب تمام کتاب میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ غنی کا رسالہ منطق الصبیان دو سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر عربی افعال و امر و نہی مع ترجمہ درج ہیں۔ رسالہ مختلف اوزان کے قطعاً پر شامل ہے۔

نسب صبیان اسحق لاہوری نے اپنے فرزند عبدالرزاق کے لئے ۱۰۵۷ء میں بچہ شاہ جہاں پادشاہ تالیف کیا۔ کل صفحات پندرہ ہیں۔ شیخ اسحق اس رسالے کے سواد و اور نصابوں کے مالک ہیں اور دونوں کا نام فرح صبیان ہے۔ نصاب الاوان یا نصف النصاب دس صفحات کا رسالہ ہے، اس میں کل پندرہ قطعاً ہیں۔ زیادہ تر الفاظ مترادف جمع ہیں اور مصنف نامعلوم ہے۔ امان اللہ کا رسالہ شاہ نظم یا دافع الاغلاط شاہ عالم اول کے زمانہ کی تصنیف ہے۔ اس میں مصنف نے تمام اغلاط مشہورہ جو اہل علم بسلسلہ لغات کرتے ہیں ان کی تصحیح کر دی ہے۔ محمود شیرانی کے خیال میں یہ تصنیف خود شاہ عالم پادشاہ کے لئے لکھی گئی ہے۔ عبد المجید کا رسالہ نذہت الصبیان کا کاتب شیخ محی الدین، مکتوبہ ۶۵ء ہے۔ نصاب میراب کا مصنف نامعلوم ہے، اسی صفحات کے اس رسالے میں مترادف و ہم معنی الفاظ ہیں۔ نصاب کمال الدین مسمی بہ نصاب نامی یہ رسالہ تین سو اشعار پر مشتمل ہے۔ رسالہ ہذا سنہ ۱۱۷۴ھ میں ختم ہوتا ہے۔ ایاز الدین کا رسالہ نصاب صرف فارسی مرادفات کا نصاب ہے۔ کل صفحات چھتیس ہیں۔ انشا اللہ خان انشا نے ایک رسالہ نصاب مقلوب کے نام سے لکھا۔ اس نصاب میں لفظ اول و ثانی ایک دوسرے کے مقلوب ہیں جیسے رب اور بر، ملح اور حلم وغیرہ۔ اس کے کل آٹھ صفحات ہیں۔ حافظ احسن اللہ لاہوری نے ایک رسالہ مفتاح الافواہ ہے۔ سال تالیف لفظ منظور سے جو سنہ ۱۱۹۶ھ کے برابر ہے برآمد ہوتا ہے۔ نصابی تالیفات میں یہ کتاب شاید سب سے ضخیم ہے۔ صفحوں کی تعداد (۹۰۳) ہیں۔ اس حساب سے اشعار کی تعداد سترہ ہزار کے قریب ہو

گی۔ مفتاح الافواہ کے علاوہ حافظ احسن اللہ نے ایک اردو نصاب موسوم بہ ”ذوق الصبیان“ لکھا ہے۔ اس تالیف کے ماخذ حسب ذیل ہیں: (۱) نصاب الصبیان و شرح آن (۲) شش نصاب دیگر معہ حواشی آن (۳) شرح گلستان (۴) فرہنگ مثنوی معنوی (۵) عجوبہ لغات، کہ کتابی بغایت عجیب و غریب درملتان بنظر آمدہ (۶) خالق باری (۷) رازق باری۔ کتاب بترتیب انتہی ہے، جس میں حرف اول کو بنا قرار دیا گیا ہے اور حرف آخر بترتیب انتہی، باب مانا گیا ہے۔ مثلاً بنائے الف و باب الالف میں ایسے الفاظ مذکور ہیں، جو الف سے شروع ہوتے ہیں اور الف پر ختم ہوتے ہیں مثلاً ابتداء، انتہا وغیرہ۔ بنای الف و باب البا میں ایسے الفاظ ہیں جو الف سے شروع ہوتے ہیں اور بے پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً اصطرلاب، امتساب، اجتناب و اعصاب وغیرہ۔ درمیانی حروف کے لئے کوئی التزام نہیں ہے۔ باقی ابواب کا اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تمام ابواب کی سرخیاں مصرعوں میں دی گئی ہیں۔ مثلاً ع ”باب الف اندر بنای الف خوان“ یا مصرع ”در بنای الف باب الباجخوان“ تشریحی زبان فارسی ہے اور تمام توجہ عربی الفاظ پر دی گئی ہے اور اعراب بالاتزام بیان کئے گئے ہیں اور اردو الفاظ تو بہت کمی کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں اور پنجابی خال خال موقعوں پر ضرورتاً آئے ہیں۔ سال تصنیف ۱۹۶۱ھ ہے۔ ابتدا میں پانچ صفحات کا نثر میں دیباچہ ہے باقی حصہ نظم میں ہے۔ یہ کتاب ایک دل پسند اور شگفتہ طرز میں لکھی گئی ہے۔

اردو منظوم نصاب ناموں کی ابتدا کے بارے میں محققین کا اختلاف ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق کے مطابق سکندر آباد ضلع بلندشہر کے اجداد چند ولد نے چند کی لغت، جس کو انھوں نے ”مثل خالق باری“ کا نام دیا ہے، سب سے قدیم منظوم لغت ہے۔ ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی نے اپنی دریافت شدہ ”لغات گجری“ کو اولین نصاب نامہ جتلیا ہے جب کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ”خالق باری“ کی قدامت پر زور دیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے ”قصیدہ در لغات ہندی“ کو اردو کا پہلا منظوم نصاب نامہ تسلیم کیا ہے۔ دوسرا نصاب نامہ حافظ محمود شیرانی کے مطابق تجلی کا ”اللہ خدائی“، ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک اشرف بیابانی کا ”واحد باری“ ہے۔

واحد باری میں نہ صرف اردو الفاظ کے عربی مترادفات لکھے گئے ہیں بلکہ موسیقی، عروض، ردیف، قافیہ اور اصناف

سخن کے بارے میں بھی سمجھایا گیا ہے۔

جر سے دریا آب فراخ کلام موزوں ہے ڈالی شاخ

ہم بیت کو مصرع بول دو مصرع کی بیت ہے کھول

رباعی کیا ہے چو مصرع جان مخمس کیا پنج مصرع خوان

حافظ محمود شیرانی کی تحقیق سے قبل یہی مشہور تھا کہ اردو نصاب ناموں کی ابتدا حضرت امیر خسرو (۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ تا

۲۵ھ) کے منظوم رسالہ خالق باری " سے ہوئی۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ "خالق باری" امیر خسرو کی نہیں بلکہ گیارہویں صدی کے ایک شخص ضیا الدین خسرو کی تصنیف ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی شیرانی کلکیشن میں خالق باری کے جو مطبوعہ اور قلمی نسخے ملتے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

خالق باری۔ نسخے

- (۱) شیرانی نمبر ۱۳۴۴: خالق باری، مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خان، ہفتم شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۵۷ھ بیت السلطنت لکھنؤ، زیر اکبری دروازہ محلہ محمودنگر۔
- (۲) شیرانی نمبر ۱۳۴۷: خالق باری، بتاریخ چہارم شہر جمادی الاول سنہ ۱۲۶۵ھ در مطبع مصطفائی، باہتمام محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم، در بیت السلطنت لکھنؤ، زیر اکبری دروازہ محلہ محمودنگر۔
- (۳) شیرانی نمبر ۸۴۳۱: خالق باری، بہ خط نیاز نمط میر محمد بخش، وقع دار الخلافہ شاہ جہاں آباد، مقام چھتہ موم گراں، در مطبع میرزائی، باہتمام حافظ پیر خاں، بست چہارم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۶ھ۔
- (۴) شیرانی نمبر ۱۳۴۵: خالق باری، مطبع مصطفائی، باہتمام محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم در کتب خانہ پور محلہ ٹیکا پور، دہم ماہ صفر سنہ ۱۲۶۹ھ۔
- (۵) شیرانی نمبر ۱۳۴۶: خالق باری، مطبع مصطفائی، باہتمام محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم بتاریخ نہم شہر شوال سنہ ۱۲۶۹ھ ہجری، در شہر کان پور محلہ ٹیکا پور۔
- (۶) شیرانی نمبر ۱۴۳۹: خالق باری، بفرمائش مسٹر جان انگلس، بہ مقام سیالکوٹ، در مطبع چشمہ، فیض باہتمام لالہ دیوان چند، ماہ ستمبر سنہ ۱۲۵۸ھ۔
- (۷) شیرانی نمبر ۵۳۱: خالق باری، سنہ ۲۷۲۱ھ، در مطبع عزیزی۔۔۔
- (۸) شیرانی نمبر ۱۳۵۱: خالق باری، سنہ ۳۷۲۱ھ ہجری نبوی، در مطبع عزیزی، باہتمام خواجہ عبداللطیف۔
- (۹) شیرانی نمبر ۱۳۵۲: خالق باری، در مطبع نظامی واقع کان پور، باہتمام محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم بتاریخ نہم شہر شعبان سنہ ۱۲۷۵ھ، در شہر کان پور محلہ ٹیکا پور۔
- (۱۰) شیرانی نمبر ۱۳۵۲: خالق باری، در مطبع نظامی واقع کان پور، باہتمام محمد عبدالرحمن، در ماہ رمضان سنہ ۷۷۷۷ھ۔
- (۱۱) شیرانی نمبر ۱۳۶۹: خالق باری، سنہ ۱۲۸۶ھ مطبع نظامی، واقع کانپور۔
- (۱۲) شیرانی نمبر ۱۳۵۴: خالق باری، سنہ ۱۲۸۸ھ، مطبع اسدی، لکھنؤ، حسب فرمائش محمد عبدالستار خاں۔

- (۱۳) شیرانی نمبر ۱۳۵۵: خالق باری، حسب الحکم کپتان ہالرائڈ بہادر، ڈاکٹر کٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب، سنہ ۱۸۷۱ء۔
- (۱۴) شیرانی نمبر ۱۳۵۶: خالق باری، باہتمام شی ماکی مل، در مطبع دامن گیر واقع لاہور، سنہ ۱۸۷۴ء۔
- (۱۵) شیرانی نمبر ۱۳۷۰: خالق باری، مطبع عزیز، واقع کانپور، باہتمام محمد عبدالعزیز مالک مطبع و فرمائش سید اشرف علی (قبل ۱۸۸۷ء)۔
- (۱۶) شیرانی نمبر ۱۳۵۸: خالق باری، مدارس احاطہ پنجاب کے لئے، مطبع لارنس پریس لاہور، باہتمام غلام محمد پرنٹر۔
- (۱۷) شیرانی نمبر ۱۳۵۹: خالق باری، مدارس احاطہ پنجاب کے لئے حسب فرمائش میاں حفیظ اللہ تاجر کتب ساکن لاہور، مطبع گنیش پرکاش میں باہتمام گو بند سہائے۔
- (۱۸) شیرانی نمبر ۱۳۵۷: خالق باری، سنہ ۱۳۱۷ھ، ۱۸۹۹ء در مطبع نامی لکھنؤ، ساتویں مرتبہ، ماہ ستمبر سنہ ۱۸۹۹ء۔
- (۱۹) شیرانی نمبر: خالق باری، در مجموعہ فارسی مطبع فتح الکریم بمبئی سنہ ۱۳۰۲ھ۔ ایضاً مطبع کریمی بمبئی سنہ ۱۳۱۸ھ۔ ایضاً مطبع کریمی سنہ ۱۳۲۰ھ۔
- (۲۰) شیرانی نمبر ۱۳۶۰: خالق باری، مطبع مفید عام لاہور، پیلا کاغذ تارتخ ندارد۔
- (۲۱) شیرانی نمبر ۱۳۶۱: خالق باری، مطبع مفید عام لاہور، بے تارتخ
- (۲۲) شیرانی نمبر ۱۳۷۰: خالق باری، سنہ ۱۳۲۵ھ، م ۱۹۰۷ء، مطبع مفید عام لاہور۔
- (۲۳) شیرانی نمبر ۱۳۶۲: خالق باری، سنہ ۱۳۲۶ھ، مطبع کریمی واقع بمبئی۔
- (۲۴) شیرانی نمبر ۱۳۶۳: خالق باری، اگست سنہ ۱۳۲۸ھ، الیکٹرک ابوالعلائی پریس، چوراہہ نانائی منڈی آگرہ۔
- (۲۵) شیرانی نمبر ۱۳۶۴: خالق باری، سنہ ۱۳۳۷ھ، حسب فرمائش شیخ برکت علی محسن علی تاجر کتب لاہور، باہتمام ملک چراغ دین مالک کیسٹن پرنٹنگ الیکٹرک ورکس لاہور۔
- (۲۶) شیرانی نمبر ۱۳۶۶: خالق باری، مطبع ابوالعلائی پریس آگرہ، سنہ ۱۳۳۸ھ۔
- (۲۷) شیرانی نمبر ۱۳۶۷: خالق باری الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ، سنہ ۱۳۹۱ء۔
- (۲۸) شیرانی نمبر ۱۷۳۱: خالق باری، مطبع مجتہائی، لکھنؤ حسب فرمائش نیچر صاحب مجتہائی پریس حافظ محمد عبدالعزیز ابن حاجی محمد عبداللہ صدیقی۔
- (۲۹) شیرانی نمبر ۱۳۷۲: خالق باری، باہتمام محمد ولی اللہ تاجر کتب مراد آباد، بازار منڈوی و مالک مطبع گل زار احمدی مراد آباد۔
- (۳۰) شیرانی نمبر ۱۳۷۳: خالق باری، تارتخ و نام مطبع ندارد (غالباً بمبئی)۔

(۳۱) شیرانی نمبر ۱۳۷۴: خالق باری، حسب فرمائش سعیدی کمپنی کان پور، محلہ ٹکا پور، باہتمام غنی احمد ابن حاجی عبدالصمد مرحوم، مطبع رزاتی کان پور۔

(۳۲) شیرانی نمبر ۱۳۷۵: خالق باری، مطبع جوالا پرکاش واقع میرٹھ (کتبہ مشتاق احمد تلمیذ شکر لکھنوی)۔

(۳۳) شیرانی نمبر ۱۳۷۶: خالق باری (جلی قلم) نگارش قلم منشی نھو صاحب شیریں قلم لاہوری، مطبع مفید عام واقع لاہور، سنہ ۱۹۱۰ء تقطیع کلاں۔

(۳۴) شیرانی نمبر ۱۳۷۷: خالق باری (جلی قلم) نگارش منشی محمد شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی، مطبع منشی نول کشور واقع حضرت گنج، بارشاندہم، سنہ ۱۱۹۱ء۔

(۳۵) شیرانی نمبر ۱۳۷۸: خالق باری، بالکشن مشین پریس، سنہ ۱۹۲۷ء۔

(۳۶) شیرانی نمبر ۱۳۸۱: خالق باری، ترمیم شدہ خالق باری مع شرح (اورانیونیوں کی کریمایان بیان و یزدانی) تصنیف منشی بلاتی مدرس مدرسہ ملیہ رام پور ضلع مظفرنگر، مطبع حدیقۃ العلوم، میرٹھ۔

(۳۷) شیرانی نمبر ۱۳۶۶: خالق باری، در مطبع قیومی واقع کانپور، ترمیم شدہ از ابوالخیر محمد زبیر اجمیری، سنہ ۱۳۱۳ھ۔

(۳۸) شیرانی نمبر ۱۳۶۵: خالق باری، باہتمام محمد عبدالصمد نبیرہ حاجی محمد مصطفیٰ خاں، مطبع رزاتی، کان پور، سنہ ۱۳۱۴ھ، ترمیم شدہ مطابق روزمرہ حال از ابوالخیر محمد زبیر اجمیری۔

(۳۹) شیرانی نمبر ۲۱۳۸: نصاب خسرو معروف بہ خالق باری، از مولوی نذیر احمد ایل۔ ایل ڈی، مطبع انسٹی ٹیوٹ گزٹ سنہ ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء۔

دسویں صدی ہجری کے نصف اول (۹۵۰ھ) کا ایک اہم نصاب "قصیدہ در لغات ہندی" مولفہ حکیم یوسف ہروی (یا ہراتی) جو عہد شاہجہانی میں لکھ گیا۔ حافظ محمود شیرانی اس کے اشعار کی تعداد کم یعنی صرف چوالیس ہونے کی بناء پر اس کو نصاب نامہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اس کی منظوم لغاتی نوعیت کی بناء پر اسے ابتدائی نصاب ناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نہ صرف مختلف اشیاء اور دواؤں کے نام درج ہیں بلکہ بعض الفاظ کی قواعدی شکلیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کے مطلع میں ہی مولف نے صراحت کی ہے کہ اس کا مقصد فارسی اور ہندی کے مترادفات درج کرنا ہے تاکہ اس سے ہر دو زبان کی تفہیم میں مدد مل سکے۔

نام ہر چیزے بہ ہندی بہ شنو ازمن اے پسر
خاصہ نام ہر دوائے نفع برداری مگر

اور دوسرے شعر میں بل، (فعل)، بل کر (امر) سخن (اسم) شکر کر (امر) الفاظ دے کر قواعدی اطلاعات بھی فراہم کی ہیں۔

بل تکلم باشد و بل کر گو یعنی سخن
شکر فرماید آنکس کہ گوید شکر کر

اے چند بھٹناگر کا نصاب نامہ جسے ڈاکٹر عبدالحق نے "مثل خالق باری" کے نام سے موسوم کیا ہے کا سنہ تصنیف ۹۶۰ء ہے۔ اس میں ۲۶ عنوانات کے تحت مختلف موضوعات کو منقسم کیا گیا ہے۔ جن میں مطبخ خانہ، آب دار خانہ، فیل خانہ، خزانہ خانہ وغیرہ میں ہندی الفاظ مع فارسی مترادفات درج ہیں۔ ان الفاظ میں زیادہ تر اسماء ہیں اور کہیں کہیں افعال، ضمائر، صفات وغیرہ شامل ہیں۔ اس نصاب نامے سے ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نصاب نامے نہ صرف عربی فارسی الفاظ کے اردو مترادفات فراہم کرتے تھے بلکہ یہ اپنی ساخت میں لغات پیشہ وران بھی تھے۔

اس دور میں جتنے بھی منظوم لغاتی رسالے لکھے گئے وہ تقریباً سب ہی "خالق باری" کے تتبع میں ہیں۔ ان میں 'اللہ خدائی' (۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۶ھ) مؤلفہ تجلی، "رازق باری" (۱۷۰۱ھ) مؤلفہ اسماعیل فرخ، "صبیان" (قریب ۱۰۷۵ھ) مؤلفہ شیخ اسحاق لاہوری، "صمد باری" (اواخر گیارہویں یا اوائل بارہویں صدی ہجری) مؤلفہ میر عبدواسع ہانسوی وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر لغاتی رسالہ جس کو "رسالہ جان پہچان" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، سہ لسانی لغت ہے جس میں عربی فارسی اور اردو الفاظ درج ہیں۔

بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں اس قسم کی منظوم لغات کا ایک طویل سلسلہ معرض وجود میں آ گیا۔ اس دور کے نصاب ناموں میں "اللہ باری" (۱۲۰۷ھ) از حافظ احسن لاہوری۔ "صفت باری" (۱۳۲۰ھ) مؤلفہ گنیش داس وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دکن میں ایسے نصاب ناموں کی ایک قلیل تعداد تالیف کی گئی جن میں سید سلیمان کی دریافت شدہ منظوم لغت کے علاوہ "خوان یغما" (قبل ۱۱۱۵ھ) مؤلفہ سید طاہر شاہ کرنولی، "رازق باری" (قبل ۱۱۳۸ھ) مؤلفہ سید والہ، اور "قادر باری" (۱۰۲۱ھ) مؤلفہ فیاض عسکری وغیرہ شامل ہیں۔ ساتویں صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری تک لکھے گئے نصاب ناموں کا اندازاً اگرچہ ایک جیسا تھا یعنی نہ ان میں کوئی ترتیب تھی اور نہ تعین الفاظ کا کوئی اصول، مزید تشریح طلب لفظ کبھی اردو کا درج کیا جاتا تھا اور کبھی فارسی کا، پھر بھی ان کی وضاحتی نوعیت کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے یہ دور اردو لغت نگاری کا نقیب تھا۔

اہم اردو رسائل میں ایک رسالہ مطبوع الصبیان ہے۔ یہ خالق باری کی قدیم اور مکمل اشاعت ہے۔ جس میں چھپن

فصلیں اور دو سو پینتیس ابیات ہیں۔ مروجہ خالق باری اس کا ایک اختصار ہے۔ اس کا مصنف نامعلوم ہے۔

صنی کا بھی ایک رسالہ مطبوع صبیان ہے۔ دراصل یہ خالق باری ہے جس کے اشعار کو بہ تطابق اوزان عروضی مرتب کیا گیا ہے۔ یعنی ہم وزن ابیات کو علیحدہ علیحدہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اور جدت یہ کی ہے کہ بہ تقلید نصاب الصبیان، بحرو وزن شعروں میں بیان کر دیئے ہیں۔ صنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق باری کے دراصل ایک سو ستر اشعار تھے۔ صنی نے ان میں ایک سو بیس اپنی طرف سے، اسی مضمون پر اور اضافہ کئے۔ حمد و نعت و دیگر تمہیدی اشعار ملا کر کل میزان تین سو پچپن شعر ہو گئی۔ حافظ محمود شیرانی کے مطابق یہ تالیف بارہویں صدی کے اواخر کی معلوم ہوتی ہے۔ (۲)

صنی کے سامنے جو خالق باری ہے وہ وہی ہے جو بارہویں صدی میں راج تھی اور مروجہ مطبوعہ خالق باری سے ایک حد تک اختلافی عنصر کی مالک ہے۔ خالق باری پر اور بھی کئی مصنفین نے طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں ایک ترمیم شدہ خالق باری مع شرح از نشی محمد بلاتی مدرس ملیہ رامپور ضلع مظفرنگر ہے۔ مصنف نے خالق باری میں بعض ترمیمیں داخل کر کے مروجہ زبان کے معیار پر لانے کی کوشش کی ہے۔ بعض اغلاط کی حاشیے میں مع مثالوں کے تشریح کی ہے۔ مثالیں بھاشہ کے ابیات اور دوہروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابتدا میں ایک صفحے کا دیباچہ ہے اور پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ مطبع حدیقہ العلوم میرٹھ میں چھپ چکی ہے۔ محمد اکرم کی خالق باری اکرم سنہ ۱۲۰۵ھ میں تصنیف ہوئی اور سنہ ۱۲۶۳ھ میں مطبع مصطفائی نے چھاپی۔ کل صفحات ۵۹ ہیں۔ سید غلام علی شاہ امر و ہوی المتخلص بہ ولی کی ایک رسالہ خالق باری کے نام سے ملتا ہے۔ کتاب میں عربی و فارسی الفاظ پر پوری توجہ ہے۔ ہندی الفاظ کم دیئے ہیں۔ مثلاً

”کڑی خیار باشد و کڑی چو ہیزم است

کڑی است عنکبوت و عقرب چو کژدم است“

تجنیس کا اکثر لحاظ رکھا گیا ہے۔ کل صفحات پینتیس ہیں۔

اللہ خدائی نامی رسالہ تجلی نے لکھا ہے۔ شروع میں تین منظوم صفحوں کا ایک دیباچہ ہے، جس میں کہا ہے کہ ہندی و فارسی الفاظ کی شناخت کے لئے بیاس خاطر گھنور پسر شیر شاہ قانون گوی یہ کتاب لکھی۔ مصنف طبقہ صوفیہ کا دلدادہ ہے۔ وہ خواجہ نقشبند سے امداد کا خواستگار ہے۔ بعد میں شیخ نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو سے روحانی توجہ کا طالب ہے۔ کتاب ایک شگفتہ اور خوش آئین رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی زبان ہندی زبان زیادہ تر گوالیاری یا برج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں راج رہی ہے اور کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں تاریخ تالیف سنہ ۱۰۶۶ھ ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ایک قلمی نسخے کی رو سے ۱۰۶۰ھ لکھتے ہیں۔ کل صفحات سولہ ہیں۔ شیخ اسحاق لاہوری کا ایک رسالہ فرح صبیان ہے۔ یہ وہی شیخ اسحاق

ہیں، جو فارسی نصاب 'نسب صبیان' تالیف ۱۰۵۷ھ کے مصنف ہیں۔ 'فرح صبیان' بھی اسی عہد کی تصنیف مانی جاسکتی ہے اور قدامت کے اعتبار سے 'خالق باری' کے بعد آتی ہے۔ کل صفحات پندرہ ہیں۔ کتابت کا سنہ ۱۱۶۲ھ ہے اس سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں یہ تالیف کم از کم گیارہویں اور بارہویں صدی میں تو مقبول رہی ہے۔ شیخ اٹحق کے ایک اور رسالے کا ذکر حافظ محمود شیرانی نے کیا ہے جو رسالہ بالا سے، اگرچہ بحر و وزن وہی ہے، مختلف ہے۔ اس کی زبان بھی اردو ہے۔ اگرچہ پنجابی کا بھی اثر موجود ہے۔ اس کے کل صفحات سات ہیں۔ میر بعد الواسع ہانسوی کا نصاب سہ زبان المعروف بہ صمد باری یا جان پہچان ہے۔ اس میں الفاظ متناسب کو جدا جدا عنوانوں کے تحت جمع کر دیا ہے۔ مثلاً الفاظ قرابت، اعضائے جسم انسانی، غلہ، سبزیوں، میوے، ادویات وغیرہ۔ آخر میں مصادر مشہورہ درج ہیں۔ کتاب کی طرز نگاشتہ ہونے کے علاوہ استادانہ اور ماہرانہ ہے۔ تمام کتاب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ ہر مصرع میں عربی، فارسی اور ہندی لفظ پابندی کے ساتھ بالترتیب لائے گئے ہیں۔ مصنف کی زبان ہریانی ہے، جو بعض خصائص میں اردو سے مختلف ہے۔ صمد باری، ہندوستان بالخصوص پنجاب میں بے حد مقبول رہی ہے اور بار بار طبع ہوئی ہے۔ فتح فہم نامی رسالے کا مصنف نامعلوم ہے۔ اس رسالے میں عربی و فارسی و اردو الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اردو الفاظ قلت سے لائے گئے ہیں۔ کتاب قصیدے کی طرز میں ہے اور بحر مل مٹمن محذوف و مقصور میں لکھی گئی ہے۔ یہ تالیف بھی پنجاب کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کا رسالہ نصاب عربی فارسی اور اردو کا نصاب ہے۔ اشعار کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے۔ اردو نصابوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ پیرایہ بیان دلچسپ ہے۔ فارسی نامہ کلاں کا مصنف نامعلوم ہے۔ سولہ صفحات کا یہ رسالہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع قیومی سے چھپا۔ اسمائے فارسی نامی رسالہ نوندھ رائے نے لکھا، اس کے الفاظ اردو کے مقابلے میں بھاشہ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا اس سلسلے کا ایک اور مشہور رسالہ دستور الصبیان بھی ہے۔ اسمائے فارسی کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

وہیسا چناں چنیں ہے ایسا چہ ہے کیا چنانچہ جیسا

قرآن مصحف نامہ رسالے کا مصنف نامعلوم ہے۔ کل ایک سو پچاس شعر ہیں۔ نمونہ کلام:

قرآن مصحف رحمن خدای نبی پیغمبر قربان فدای

سراب دھوکا بہتان دھانسہ نوحہ ماتم روئیں کانسہ

گنج فارسی نامی رسالہ مہلبہ نے لکھا ہے۔ کتاب کے آخری شعر میں مصنف نے اس کا نام گنج فارسی دیا ہے۔ بلومہارٹ نے "فہرست مخطوطات ہندوستانی" میں اس کا نام "گنج نامہ" دیا ہے۔ پروفیسر موصوف کی تقلید میں جناب نصیر الدین ہاشمی نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" میں بھی یہی نام اختیار کیا ہے۔ والد کی رازق باری بھی منظوم رسائل میں ایک اہم

مقام رکھتی ہے۔ نامعلوم مصنف کی ایڈو باری بھی ایک منظوم نصاب ہے۔ محمد حصار کی لغات السعید میں اردو فارسی اور عربی لغات بزبان فارسی بیان ہوئے ہیں۔ چودہ صفحات کا رسالہ ہے۔

نصاب حسن عرف شمع انجمن از منشی حسن علی ولد محمد اسماعیل متوطن بیدر۔ ان کا تخلص 'جم' ہے۔ کتاب ہذا مہورہ میں منور حسین اور رحمان علی کے لئے سنہ ۱۲۵۴ھ میں بعہد ناصر الدولہ، نظام دکن، تالیف ہوئی ہے۔ مصنف کے سرپرست سید جلال الدین ہیں۔ کتاب میں مختلف لغات کے نام بطور ماخذ منظوم ہیں۔ اس کتاب میں پانستیس اشعار اور بیالیس چھوٹے بڑے مختلف الوزن قطعات ہیں۔ بعض قطعات میں متناسب الفاظ کو علیحدہ علیحدہ جمع کر دیا ہے اور ہر قطعہ کی ابتدا میں اس کا وزن عروضی سمجھا دیا گیا ہے۔ ایک حد تک الفاظ مترادف کی بھی رعایت کی گئی ہے۔

فیاض عسکری کی قادر باری کا سال تالیف ۱۲۱۰ھ ہے۔ عربی و فارسی و اردو الفاظ ہیں۔ تشریحی زبان بھی اردو ہے۔ تعداد اشعار دو سو اور انیس صفحات ہیں۔ حافظ احسن اللہ احسن کی اللہ باری یا ذوق الصبیان بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مولوی حافظ میر شمس الدین محمد کی فیض جاری میں شعر کے توانی میں تجنیس کی رعایت کا التزام کیا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو الفاظ ہیں۔ ۲۴ صفحات کا یہ رسالہ نو لکھنؤ پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا۔ مولوی قدرت اللہ احمد عاصی کے رسالے نصاب مختصر کے لفظ 'مختصر' سے بہ تخریجہ 'سہل' سال تالیف نکلتا ہے۔ عربی و فارسی و اردو کا نصاب ہے مگر اردو الفاظ بہت کم دیئے ہیں۔ طبع مطبع حسنی میر حسن رضوی، سنہ ۱۲۵۹ھ۔ عزیز الدین احمد جلیسری کا تخلص نظر تھا، ان کا رسالہ نادر الترتیب مع فرہنگ (سنہ ۱۸۹۸ء) چوالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ نظر صاحب نے بڑا مشکل کام سرانجام دیا ہے۔ اس نصاب میں چھ ہزار لغت اور تین سو مصدر بیان کئے ہیں۔ آخر میں ایک فرہنگ ہے۔ دو دیباچے نظم و نثر میں، چھ سو بارہ شعر، دو باب اور تیرہ فصلیں ہیں۔ آخر میں فارسی کے موٹے موٹے قاعدے بیان ہوئے ہیں۔ کتاب کئی مرتبہ چھپی ہے۔ عبدالسمیع رامپوری برای وحید الدین پسر حافظ عبدالکریم برادر الہی بخش کا رسالہ حمد باری ہے۔ یہ وہی عبدالسمیع ہیں، جنہوں نے 'انوار ساطعہ' لکھی تھی اور اس کی تردید میں 'براہن قاطعہ' وجود میں آئی۔ ابتدا میں ایک نثری دیباچہ ہے جس میں کہا ہے چونکہ خالق باری پنجابی اور سنسکرت کے لفظوں سے بھری ہوئی ہے، جن کو سمجھنے سے بچے قاصر ہیں، اس لئے افادہ عام کی غرض سے یہ کتاب مروجہ اردو میں لکھی گئی۔ چوبیس صفحات کا یہ رسالہ مطبع مجیدی کانپور سے شائع ہوا۔ منشی جمعیت علی کا رسالہ مفید الحجث ہے۔ مصنف نے منشور دیباچے میں کہا ہے کہ بحث الابیات (یعنی بیت بازی) میں کوئی رسالہ لغات ایسا نہ تھا، جس کی مدد سے طلبا لغت جلد یاد کر سکیں اس لئے بندہ نے یہ رسالہ بترتیب حروف تہجی کتب معتبرہ 'غیاث اللغات' و 'کشف اللغات' وغیرہ سے منتخب کر کے تدوین کیا۔ اور نام 'مفید الحجث' رکھا۔ تاکہ یہ لغات طلبہ کے دل پر نقش ہو جائیں۔ اس رسالے میں دو سو دس ابیات اور ایک ہزار ستر

لغات ہیں۔ سال تصنیف ۱۳۰۲ھ ہے۔ صفحات ۲۰۔ نمونہ کلام:

اللہ یزدان وایزد ہے خدا
اور نبی مرسل ہے مرشد رہنما
افضال کا رسالہ تلنگی قیل وقال ہے۔ اس میں اردو اور تلنگی زبان کے الفاظ ہیں۔ نمونہ کلام
بھگوان اللہ رام رحیم
مہادیو آدم ہری رام
پنڈت بلرام کشمیری کا رسالہ بالک باری بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

مرزا غالب نے بھی ایک منظوم لغت "قادر نامہ" کے نام سے لکھا، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قادر اللہ اور یزداں ہے خدا
ہے نبی مرسل پیمبر رہنما
پیشواے دیں کو کہتے ہیں امام
وہ رسول اللہ کا قائم مقام
ہے صحابی دوست خالص ناب ہے
جمع اس کی یاد رکھ اصحاب ہے
ہندگی کا یاں عبادت نام ہے
نیک بختی کا سعادت نام ہے

جدید دور میں ان نصاب ناموں کی طرز پر غزلیں بھی لکھی گئیں، جن الفاظ کے ساتھ معنی اور تشریح کا اہتمام کیا گیا۔ اسماعیل میرٹھی کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہی کارواں ہے وہی قافلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی منزل اور وہی مرحلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

متفاعلن متفاعلن متفاعلن
اسے وزن کہتے ہیں شعر کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی شکر ہے جو سپاس ہے وہ ملول ہے جو اداس ہے
جسے شکوہ کہتے ہو ہے گلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی خوار ہے جو ذلیل ہے وہی دوست ہے جو خلیل ہے
بد و نیک کیا ہے برا بھلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

علاقائی نصابات میں پروفیسر نجیب اشرف نے ہندوستانی اکیڈمی کے سہ ماہی رسالے ’ہندوستانی‘ (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء) میں دو گوجری نصابات کی اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ پہلے رسالے کا نمونہ کلام:

اللہ خدا کرتار	الحائق آفرینندہ سر جہار
الرسول پیغمبر بسیدھ	الاصحاب یاران میٹھ
الدنیا یعنی سنسار	الاحمق نادان گنوار
الیوم روز دلیس	الشعر موی کیس
ایل شب رات	القول گفتار بات

در سر رسالہ گوجری سات سوا شعرا کا حامل ہے۔ اس کے اکہتر اوراق ہیں۔ جو نسخہ پروفیسر صاحب کے زیر نظر رہا، سنہ ۱۵۱۱ھ کا کتابت شدہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس زمانے سے قبل کی تالیف ہے۔ گوجری الفاظ کو اصل لغت قرار دیا گیا ہے اور ترتیب آخری حرف کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ ہر لفظ کی حاشیے میں بزبان عربی تشریح کی گئی ہے۔ شارح نے بعض مقامات پر اپنا نام ابراہیم دیا ہے۔

علاقائی نصابات میں پنجابی اور سرائیکی نصابات بھی اہم ہیں۔ وارث شاہ نے ’خالق باری‘ ’’واحد باری‘‘ و ’’رازق باری‘‘ کے علاوہ تین اور نصابوں کا ذکر ہیرانجھ میں کیا ہے۔ یعنی (۱) اللہ باری (۲) اعظم باری (۳) صادق باری

ع ”بدرچاچ کریماتے پند نامہ آمد نامیاں تے اللہ باریاں نی“

ع ”زلیخانال بلند اواز پڑھدے نل دمن تے اعظم باریاں نی“

ع ”سکندر نامہ تے نال انوار سہیلی حاتم نامہ تے صادق باریاں نی“

پنجابی نصابات میں ایک اہم رسالہ واحد باری ہے۔ یہ رسالہ مختلف بحروں میں ’خالق باری‘ کی طرز میں لکھا گیا ہے۔ فارسی و پنجابی الفاظ درج ہیں۔ ہرنی بحر کے عنوان میں ایک ایک فارسی شعر ترکیب بند کے طور پر لایا گیا ہے، جو دونوں بحروں میں حد فاضل ہے۔ ۶۲ صفحات کا رسالہ ہے۔ پنجابی زبان میں ’’واحد باری‘‘ کو وہی رتبہ حاصل ہے جو اردو میں ’خالق باری‘ کو دیا گیا ہے۔ اسمعیل کی ’’رازق باری‘‘ بھی پنجابی نصابات میں اہم ہے۔ سال تالیف سنہ ۱۰۷۱ھ لفظ ’’اغٹک‘‘ سے برآمد ہوتا ہے۔ مختلف عنوانوں کے ذیل میں ایک ہی جنس و قسم کی اشیاء کا ذکر کر دیا ہے۔ مثلاً پارچات، مرغان، اشیاء کافی، اوقات، اقوام و پیشہ وران، اسپ، دستور، آلات زراعت، فصلیں، درخت، میوے، اسباب خانہ، اسماء اقارب، ماہ و روز، اسباب عمارت، آلات نجاری، زیورات، اسباب چرخہ، رنگریز، نعلین دوز، آوند خانگی، سرود، قلعہ، خوشبوہا، امراض و اسباب

کیف، عربی و فارسی و پنجابی الفاظ۔ ”واحد باری“ اور ”رازق باری“ پنجابی نصابوں میں بے حد مقبول رہی ہیں۔ حضرت وارث شاہ نے اپنی مشہور تصنیف ’ہیر‘ میں ان دونوں کا ذکر اشعار ذیل میں کیا ہے:

اک نظم دے درس ہر کرن پڑھدے نام حق تے خالق باریاں نے
گلستاں بوستاں نال بہار دانش طوطی نامہ تے رازق باریاں نے
منشیآت نصاب تے ابوالفضلاں شاہنامیوں واحد باریاں نے
قرآن السعدین دیوان حافظ شیریں خسرواں لکھ سواریاں نے

کھرل پسر سائین داس ساکن سنام کا نصاب ہندوی فارسی معروف بہ ایذد باری ہے۔ کتاب کی زبان اگرچہ پنجابی ہے، لیکن کہیں کہیں اردو کا اثر بھی نمایاں ہے۔ آٹھ آٹھ نوو شعروں کے بعد بحر بدل گئی ہے اور دونوں بحرؤں کے مابین امتیاز کے لئے فارسی شعر لایا گیا ہے۔ مفتی شمس الدین کی ناصر باری بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس سلسلے کا ایک اور نصاب صنعت باری ہے جسے گنیش داس بدہرہ قانون گوی گجرات نے تالیف کیا ہے۔ اس کے کل صفحات پینتیس ہیں۔ سن تالیف ۱۲۲۰ھ ہے۔

یکدل کی واسع باری بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ واسع باری کے مولف مولوی احمد بخش یکدل، ہفتم ماہ صفر ۱۲۱۲ھ بمطابق یکم اگست ۱۷۹۷ء کولہا پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی غلام حسین چشتی (متوفی ۲۹ فروری ۱۸۴۲ء) اور دادا مولوی محمد ابراہیم چشتی (متوفی ۱۳ جنوری ۱۸۷۱ء) اپنے عہد کے معروف استاد اور اہل علم و دانش تھے۔ پنجاب کئی مستند تاریخوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔ مولوی احمد بخش یکدل کا شمار، اپنے عہد کے ممتاز اہل علم، اہل شعر اور اہل ادب میں ہوتا تھا۔ نسبتی اور معنوی دونوں اعتماد سے کثیر الاولاد تھے۔ تحقیقات چشتی کے مصنف مولوی نور احمد چشتی اور رفیق ہند کے مدیر مولوی محرم علی چشتی دونوں انہی کے فرزند تھے۔ مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر سے ان کے ذاتی مراسم تھے اور دہلی دربار سے انھیں فخر الشعراء کا خطاب حاصل تھا۔ نمونہ کلام:

شکلبہ: اوچھری، شکم ہے پیٹ	طحال: کیچی، تحت ہے پٹھ
فرس: اسپ، گھوڑا جانی	بحیرا: شتر، اونٹ پچپانی
جنت: سرگ، آتش ہے آگ	جیہ سانپ، مار ہے ناگ
شفٹ: لب ہونٹھ ہے نم	دہان منہ، عمل ہے کم
مرات: عورت، جفت ہے جوڑا	لای ہے چکر، ابرش ہے گھوڑا

وجہ رو منہ کو کہتے اذان بگیریم، اس سے لیے
تضرع: عاجزی، سہنکی: نائی حمایت ہے چکر، آپیائی
سختی: دنیا، وزن ہے تول طلب: منگ، قیمت ہے مول
رایگان: مفت، رحیق: شراب وصل ہے ملنا، کوفتہ: کباب (۳)

خدا بخش کا نصاب ضروری لارنس پریس لاہور سے ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوا۔ یہ رسالہ مختلف ابواب میں منقسم ہے، جن میں الفاظ متناسب درج ہیں۔ مثلاً باب در اجناس عالم، در حیوانات، لہنات، اسباب چاہ، اسباب زراعت، قسم ہائے غلہ، بقولات، الاشجار، اقسام شیرینی اطمعہ، اقرباء، ازدواج، اعضا و اجزا، ملبوسات، الطیور، الاحجار، معدنیات، سال و ماہ وغیرہ، اسباب کوز ہگران، نجاران، بافندگان، گازران، حدادان، کفش گران، مزامیر، اسباب محبتتیمان، مسمومات، امراض اوجاع، بساتین، در لغات شتی، در فصول اربعہ۔ عبدالرحمن ابن محمد قاسم قصوری کا نصاب فارسی نامہ ہے۔ انھوں نے یہ کتاب اپنے فرزند میاں محمد کے لئے لکھی۔ اس نصاب کی دو اشاعتیں ہیں۔ پہلی یہی جس میں دس باب ہیں۔ دوسری اشاعت میں تیرہ باب بہ تفصیل ذیل ہیں:

(۱) خویشان (۲) قوم مقامی (۳) غلہ (۴) درختاں (۵) جانوراں (۶) اعضا (۷) طیور (۸) ارض (۹) حساب (۱۰) دوازده ماہ (۱۱) روز (۱۲) وزن (۱۳) دارد۔

باد سہل فارسی اور پنجابی کا رسالہ ہے۔ مصنف نامعلوم ہے۔ ۱۲۳۲ھ میں لکھی گئی۔ کل صفحات پندرہ ہیں۔ اللہ باری میں صفحات کا رسالہ ہے۔ ۱۲۴۲ھ میں نقل ہوا۔ مصنف نامعلوم۔ مظفر کی قادر نامہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ تعداد اشعار ۲۳۵۔ دیباچے میں مصنف لکھتا ہے کہ اس کا وطن اصلی پاندوکی ہے۔ منچر میں پیدا ہوا اور اب نواں کوٹ میں ہے، جو لاہور شہر قبور روڈ کے نواح میں واقع قدیم گاؤں فیض پور کلاں سے جانب جنوب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ مصطفیٰ کی رازق باری غالباً سنہ ۱۰۸۵ھ میں گدڑ و نڈ عملہ ایمین آباد میں لکھی گئی ہے۔ اس میں حسب ذیل ابواب ہیں: (۱) اسامی ہفتہ (۲) اعضای انسانی (۳) عزیزی و خویشی (۴) پیشہ وران (۵) چرند پرند (۶) درختاں (۷) اسباب خانگی (۸) افعال امریہ۔ دو سواشعار پر مشتمل ہے۔ مولوی رحمت اللہ ساکن کوٹ بھائی ضلع فیروز پور متوفی سنہ ۱۲۷۷ھ کا نصاب رحمت باری ہے۔ اس میں عام لغات و مصادر بیان ہوئے ہیں۔ آخر میں بعض صرف فارسی سے تعلق رکھنے والے قواعد لکھے ہیں۔ تعداد اشعار ۳۳۳، اور صفحات ۲۹ ہیں۔ سنہ ۱۲۳۲ھ تاریخ تالیف ہے۔ امید کی اللہ باری سنہ ۱۱۹۶ھ کی تالیف ہے۔ زبان اگرچہ پنجابی ہے لیکن اردو اثر سے بھی خالی نہیں۔ کل صفحات بارہ۔

شیخ محمد کا نصاب فارسی نامہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ پنجابی کے علاوہ تین بہاری نصابات کا تذکرہ پروفیسر، مختار الدین احمد آرزو نے رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء، ص ۱۳۲ کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) نصاب طفلان از ملا سعد پٹوی متوفی ۱۱۹۴ھ (مخطوطہ) (۲) خوش حال صبیان از جگجول داس (مخطوطہ)

(۳) نصاب ہندی مصنف نامعلوم سن تصنیف ۱۲۰۰ھ ہجری (مخطوطہ)

منظوم لغات کی یہ روایت کم و بیش قیام پاکستان تک رہی۔ ان نصابات کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ محققین اور مدونین کیلئے اس میدان میں کام کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف ان نصابات کو مدون کیا جائے بلکہ ان کی لسانی خصوصیات کا مطالعہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کئی ایسے نصابات بھی ہیں جو زبان کے علاوہ دیگر علوم کا احاطہ کرتے ہیں جیسے منظوم ریاضی، منظوم طب وغیرہ۔ کئی ایسی اصطلاحات جو وقت کی گرد میں چھپ چکی ہیں ان منظوم لغات کے مطالعہ سے ان کی بازیافت ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات

- (۱) افسر صدیقی امر و ہوی۔ خالق باری عرف نہیں اصلی نام ہے۔ مشمولہ سہ ماہی اردو۔ شمارہ ۴۔ ۱۹۷۵ء۔ ص ۴۲
- (۲) مقالات حافظ محمود شیرانی۔ جلد ہفتم۔ مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، طبع اول دسمبر ۱۹۷۵ء
- (۳) واسع باری۔ مرتبہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی۔ مشمولہ صحیفہ۔ شمارہ ۱۴۴۔ اپریل جون ۱۹۹۵ء۔ مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۱۹ تا ۲۵

خود آزمائی

- ۱- نصاب نامہ سے کیا مراد ہے؟
- ۲- اردو نصاب ناموں کی روایت پر نوٹ لکھیں۔
- ۲- نصاب نامہ ”خالق باری“ پر نوٹ لکھیں۔
- ۳- بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں نصاب ناموں کی روایت بیان کریں
- ۵- یکدل کی واسع باری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

مجوزہ کتب

- ۱- مقالات حافظ محمود شیرانی۔ جلد ہشتم۔ مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، طبع اول دسمبر ۱۹۷۵ء
- ۲- اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ: ڈاکٹر مسعود ہاشمی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

مستشرقین کی مرتب کردہ اردو لغات

تحریر: ڈاکٹر محمد صفدر رشید
نظر ثانی: ڈاکٹر قاسم یعقوب

فہرست

86	یونٹ کا تعارف
86	یونٹ کے مقاصد
87	ابتدائیہ
87	جارج ابراہیم گریرین
88	جیرنمیوم خاویر
89	مسٹر کورج
89	فرانسکو ماریا
91	جان جوشوا کیپلر
92	گلکسٹن
93	ہیڈلے
94	مرزا محمد فطرت لکھنوی
94	ڈاکٹر فران سس بال فور
94	مسٹر جے فرگسن
94	اوساں
95	ہنری ہیرس
96	ڈاکٹر جان گل کرسٹ
97	ہندوستانی زبان سے گل کرسٹ کا تعارف
101	انگریزی ہندوستانی لغت کا جائزہ
105	کیتان جوزف ٹیلر
105	ولیم ہنٹر
105	جان شیکسپیر

108	کپتان ٹامس روبک
109	کارمیکال سمٹھ
109	جے ٹی تھا مپسن
109	ایڈلف پانز
109	ہنری ایم ایلپیٹ
109	ڈکن فوربز
111	ولیم پیٹیس
112	ہنری گرانٹ
112	آنون
112	کرنل سرہنری یول
113	یول کے حالات زندگی
118	ڈاکٹر فیلین
120	پلیٹس
121	جی این ریبننگ
124	حواشی و حوالہ جات
125	خود آزمائی
126	مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

اُردو زبان کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ اس زبان کے الفاظ کی تشریح و تفہیم کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور کسی نہ کسی طریقے سے اس زبان میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کے معنی بھی دیے جانے لگے۔ اُردو لغت نویسی کے حوالے سے باقاعدہ ابتدائی کام مستشرقین کے ہاتھوں ہوا۔ اگرچہ اُن سے پہلے امیر خسرو کے زمانے سے اس کی روایت کے آثار ملتے ہیں۔ سرسید احمد خاں اُردو لغت کی باقاعدہ تدوین کی خواہش رکھتے تھے۔ اس یونٹ میں مستشرقین کی خدمات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ مشرقین لغت نویسی کے بارے میں جاننا
- ۲۔ برصغیر میں لغت نویسی کے آغاز و ارتقاء کا تنقیدی جائزہ لینا
- ۳۔ لغت نویسی اور نوآبادیات کے باہمی اثرات سے روشناس ہونا

ابتدائیہ

جہاں تک اردو زبان و ادب پر انگریزوں کی پالیسیوں کے اثرات کا تعلق ہے تو ہمیں انہیں اپنا محسن ماننا پڑے گا، خواہ ان کے محرکات سیاسی، تجارتی یا مذہبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اردو میں موجود توانائی کو انہوں نے ہی پہچانا اور اس کی ترویج کے لیے ادارے قائم کیے۔ قواعد اور لغت سازی کی تو بنیاد ہی انہوں نے ڈالی۔ اگر آج اردو ایک بین الاقوامی زبان کا درجہ رکھتی ہے تو اس میں ان کی شعوری کوششوں کا بہت عمل دخل ہے۔ اردو کو جتنا فائدہ غیروں نے پہنچایا شاید اتنا اپنوں نے نہیں پہنچایا۔ گل کرسٹ، گریرسن، گارساں دتاسی، وغیرہم جیسے لوگوں کو ہم اپنا محسن خیال کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اسی دور میں اس بات کی بھی شعوری کوشش کی گئی کہ ہمیں خود اپنی ہی نظروں میں گرایا جائے، ہماری تہذیب اور تاریخ کو ہمارے سامنے دھندلا کر کے پیش کیا جائے۔ ایسا کرنا ہر نوآبادیاتی نظام کی مجبوری ہوتا ہے، بصورت دیگر وہ اپنے استحصال کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ بقول ناصر عباس نیر برصغیر کی ثقافت کو تہی داماں، ذہن کو جامد اور معاشرت کو زوال پذیر قرار دینے کا آغاز انگریزوں نے کیا۔

جارج ابراہیم گریرسن (George Abraham Grierson)

اگرچہ گریرسن لغت نویس نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس تالیف کا آغاز گریرسن سے ہی کیا جا رہا ہے۔ اُسے ہندوستان کا سب سے بڑا ماہر لسانیات کہا جاسکتا ہے۔ اُس نے تن تہا وہ کارنامہ سرانجام دیا جو شاید ادارے بھی نہ کر سکتے ہوں۔ قواعد اور لغت کی بہت سی کتابوں کا حوالہ صرف گریرسن سے ہی ملتا ہے۔ "Linguistic Survey of India" اُس کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ اس نے یہ کام ۱۸۹۸ء میں شروع کیا اور ۱۹۲۸ء میں مکمل کیا۔ یہ کتاب ۹ جلدوں میں ہے اور اس میں ایک سو اسی (۱۷۹) زبانوں اور پانچ سو چوالیس (۵۴۴) بولیوں کی لسانیات اور خصوصیات پر مفصل بحث کی ہے۔ گریرسن ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوا۔ وہ انڈین سول سروس کا رکن تھا اور ۱۸۷۳ء سے ۱۸۹۸ء تک بنگال پریزیڈنسی میں مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ وہ ڈبلن، آئرلینڈ، کا باشندہ تھا۔ یہیں سے سنسکرت اور ہندوستانی زبانوں کی سند حاصل کی اور صوبہ بہار میں جانٹ مجسٹریٹ مقرر ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں پٹنہ میں ایڈیشنل کمشنر مقرر ہوا۔ ۱۸۹۴ء میں مستشرقین کی ایک عالمی کانگریس میں شرکت کی اور وہیں اس نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی زبانوں کی فہرست ترتیب دینی چاہیے۔ ۱۸۹۸ء میں وہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لیے مامور ہوا۔ اسے اس کام کے لیے ۲۰ لاکھ بھی دیے گئے۔ لیکن ۱۹۰۳ء میں اس نے پینشن حاصل کی اور انگلستان چلا گیا اور بغیر حکومتی امداد کے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ کئی یونیورسٹیوں نے گریرسن کو اس کام پر اعزازی

ڈگریاں دیں مگر وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز تھا۔ گریسن کے نزدیک اردو یا ہندوستانی مرکزی گروہ میں شامل ہے اور اس میں اونچی ہندی، اردو، بانگڑہ، برج بھاشا، فوجی جیسی بولیاں بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی گریسن کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ایک عام سننے والے کے نزدیک جھانسی اور گورکھپور کے کسانوں کی بولیوں اور لاہور اور امرتسر کی پنجابی میں کوئی فرق نہ ہوگا مگر گریسن کی باریک بین نگاہوں نے اس فرق کو تلاش کر کے مختلف بولیوں اور زبانوں کے قواعد معلوم کیے۔ ان کا باہمی تعلق دریافت کیا اور تلفظ پوچھ پوچھ کر لکھا۔ حد یہ ہے کہ بعض ایسی بولیوں کا ذکر بھی کر دیا جسے صرف گنتی کے چند افراد بولتے تھے۔ اس نے ہر بولی اور زبان کے ریکارڈ تیار کیے اور نقشے اور جدولیں شامل کیں۔“ (۴)

اس کی دیگر کتابیں حسب ذیل ہیں:

1. Seven Grammars of the Dialects and subdialects of the Bihari Language, (8 parts 1883--87)
2. Bihar Peasant Life (1885)
3. The Modern Vernacular Literature of Hindustan (1889)
4. A Dictionary of the Kashmiri Language (1916-32)
5. The Pisaca Language of North Western India (1906)

اس کا انتقال ۱۹۴۱ء میں ہوا۔

جیرونیمو خاویر (Jernime Xavier)

مستشرقین کی ابتدائی فرہنگوں کے بارے میں اب تک سب کا اس پر اتفاق تھا کہ پہلی فرہنگ کورج کی ہے۔ مگر نذیر آزاد لکھتے ہیں کہ پہلا مولف جیرونیمو خاویر ہے جس نے ۱۵۹۹ء میں ایک لغت مرتب کی تھی:

”لیکن زمانہ حال کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس [کورج کی فرہنگ] سے بھی قدیم ایک لغت لکھی گئی جو کہ اب تک محفوظ ہے۔ یہ لغت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے ایک مستشرق شاگرد نے دریافت کی ہے۔ یہ ۱۵۹۹ء کی تالیف ہے اور اس کے مؤلف کا نام جیرونیمو خاویر (Jernime Xavier) [کندا] ہے جو کہ جہانگیر کے دربار میں بھی حاضر ہوا تھا۔ یہ لغت ہندوستانی (اردو/ہندی) فارسی اور پرتگالی میں ہے اور اس کا عنوان ہے،

"Vocabularium یا Hindustani Persisch Portugiesisch"

"Portugalico-Hindustano Persicum" ہے۔ اس لغت کا ایک قلمی نسخہ لندن کے کننگز کالج کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی مائیکروفلم ڈاکٹر جان جوزف نے حاصل کی ہے اور وہ اسے مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ اردو کی قدیم ترین سہ لسانی لغت ہوگی۔" (۵)

مسٹر کورج (Quaritch)

گریسن نے ”لنگوسٹک سروے آف انڈیا“ کی جلد نہم میں ہندوستانی زبان کے لغات و قواعد کا جائزہ لیا ہے۔ سب سے پہلی لغت کے متعلق گریسن مسٹر کورج کی اورینٹل کولج کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک قلمی مسودہ تھا جو فارسی، ہندوستانی، انگریزی اور پرتگالی الفاظ کے لغات پر مشتمل تھا اور جس کی تالیف ۱۶۳۰ء میں سورت انگریزی کارخانے میں ہوئی تھی۔ فارسی الفاظ اپنے اصل خط اور رومن حروف میں تھے، ہندوستانی الفاظ کے لیے رومن اور گجراتی رسم خط استعمال کیا گیا تھا، تاہم گریسن کو وہ کیٹلاگ نہ مل سکی۔

فرانسکو ماریا

انکتیل دوپروں

آغا افتخار حسین فرانس کے بہلیو تک ناسیونال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے مشرقی زبانوں کے شعبے میں انہیں ایک لغت ملی۔ یہ لغت چار زبانوں لاطینی، ہندی، فرانسیسی اور اردو میں لکھی گئی تھی۔ اس لغت کی دریافت کا سہرا ابراہم ہائی سنت انکتیل دوپروں کے سر ہے۔ انکتیل کے بارے میں ڈاکٹر درانی لکھتے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب ”ہندوستان پر تاریخی اور جغرافیائی تحقیق“ میں ہندوستانی زبانوں پر پہلی مرتبہ خالص لسانیاتی نقطہ نظر سے قلم اٹھایا۔ وہ لکھتا ہے کہ سنسکرت ایک اہم زبان ہے لیکن یہ اب مرچکی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستانی واحد زبان ہے جو شمالی ہند سے خلیج بنگال تک اور پورے جنوبی ہندوستان میں بولی جاتی ہے اور یہ ناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ حالانکہ اُس کے دور میں فارسی کا عروج تھا لیکن اُس کی دور بین نگاہوں نے اُردو کے تابناک مستقبل کو پہچان رہی تھیں۔

فرانسکو ماریا کی لغت کے پیرس میں آنے کی داستان دل چسپ ہے۔ مخطوطے کے شروع میں ایک نوٹ ہے جس

پر پیرس، ۱۰ مارچ ۱۷۸۴ء درج ہے۔ اس نوٹ کا خلاصہ آغا صاحب کے الفاظ میں اس طرح ہے:

”۱۷۵۸ء میں میں سورت میں تھا اور پہلوی زندگیوں کا ترجمہ کر رہا تھا۔ مقامی پارسی عالموں سے بات چیت کرنے کے لیے جدید فارسی زبان استعمال کرتا تھا لیکن روزمرہ کی گفتگو کے لیے اور سورت اور ہندوستان کے

دوسرے علاقوں مثلاً کارومنڈل، مالا بار، بنگال وغیرہ میں سیر و سیاحت کے لیے مور (Maure) یا ہندوستانی زبان بولنا پڑتی تھی۔

میں نے سورت میں ایک کا پوچھین مشنری کے ہاں ایک پرانا لیکن نہایت بیش قیمت مخطوطہ دیکھا۔ یہ ایک ”مور۔ فرانسیسی“ لغت تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کی نقل کر لوں لیکن میری علالت، مصروفیات اور سورت میں بعض دیگر پریشانیوں کی وجہ سے میں یہ کام نہ کر سکا۔۔۔۔ میں نے ایک کتاب (Alphabetum Brahmanicum) دیکھی جو ۱۷۷۱ء میں روم سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے دیباچے میں لکھا تھا کہ روم کے صیغہ تبلیغ و اشاعت کے کتب خانے میں ہندوستانی زبان کی لغت کا ایک نسخہ موجود ہے جو سورت میں ایک مشنری نے لکھا تھا۔ اس نسخے کے بارے میں جو تفصیل تحریر کی گئی تھی اس سے مجھے شبہ ہوا کہ غالباً یہ وہی مخطوطہ یا اس کی نقل تھی جو میں نے سورت میں دیکھا تھا۔

پاپائے روم نے ”مریاناہ مدد فرمائی اور ۱۴ اکتوبر ۱۷۸۳ء کو یہ مخطوطہ ملا۔۔۔ اور میں نے اس پورے مخطوطے موسومہ ”ہندوستانی زبانوں کا خزانہ“ کو نقل کر لیا۔ اور یہ احتیاط برتی کہ اصل و نقل میں ایک نقطے کا بھی فرق نہ رہے۔۔۔ یہ کتاب اس لغت کی بنیاد ہوگی جو میں لاطینی، فرانسیسی، مور، فارسی، فرانسیسی اور لاطینی میں مرتب کر رہا ہوں۔“ (۶)

افسوس ہے اکتیل دو پروں اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکا اور یہ لغت نہ لکھ سکا۔ ۱۸۰۵ء میں دو پروں کا انتقال

ہو گیا۔

ہیلویٹک ناسیونال کے اس مخطوطے کو ”فرانسیسی اردو ڈکشنری“ کی اساس کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چار مشرقی اور مغربی زبانوں میں اس پائے کی لغت شاید ہی دنیا میں کہیں اور موجود ہو۔ اردو زبان کے قدردانوں اور اداروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ آغا صاحب اس لغت کی فلم بنا کر پاکستان لائے تھے، معلوم نہیں پھر اس کا کیا ہوا۔ لغت کے متعلق آغا صاحب تاریخ و سلسلہ واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۶۸۰ء۔ لغت کا مصنف فرانسکو ماریا دو تور پانڈیچری کے مشنری کتب خانے میں کام کرتا تھا، اور غالباً اسی زمانے میں اس نے یہ لغت تالیف کی۔

۱۷۰۳ء۔ فرانسکو روم گیا اور بابائے روم کے کارڈنال حضرات کے سامنے پیش ہوا جن سے اس نے درخواست کی کہ اس لغت کو شائع کیا جائے۔ یہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔

۱۷۰۴ء۔ مصنف نے لغت کا مخطوطہ، جولائی کو نشر و اشاعت کے کتب خانے میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد فرانسسکو ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

۱۷۰۶ء۔ فرانسسکو کچھ عرصہ سورت میں قیام کرنے کے بعد پانڈیچری آیا اور پھر چندرنگر ہوتا ہوا نومبر میں پٹنہ پہنچا۔

۱۷۰۷ء۔ فرانسسکو نیپال کے لیے روانہ ہوا اور ۱۲ فروری کو کھٹمنڈو پہنچا، اور اس کے بعد ۱۲ جون کو لاسا (تبت) پہنچا۔

۱۷۰۹ء۔ فرانسسکو تبت سے روانہ ہوا اور ممبئی میں پٹنہ پہنچا اور وہیں وفات پائی۔

۱۷۰۸ء۔ ائلیٹیل دو پروں نے لغت کا مخطوطہ ایک عیسائی مشتری کے پاس سورت میں دیکھا۔

۱۷۷۱ء۔ اس لغت کا ذکر مادوزی نے Alphabetum Brammhanicum کے دیباچے میں کیا۔

۱۷۷۸ء۔ مادوزی کا مذکورہ، بالادیباچہ ائلیٹیل دو پروں کی نظر سے گزرا۔

۱۷۸۱ء۔ ائلیٹیل دو پروں کو لغت کا مخطوطہ روم سے ۱۴ اکتوبر کو موصول ہوا۔

۱۷۸۴ء۔ ائلیٹیل دو پروں نے ۲۰ جنوری کو اس لغت کی اشاعت کے بارے میں موسیو لونونس سے گفتگو کی۔ ۱۲ مارچ کو اس نے مخطوطے کی نقل کی تکمیل کر کے مخطوطے کو شہنشاہ فرانس لوئی شانزدہم کے وزیر اعظم کے سپرد کر دیا۔

۱۸۰۵ء۔ ائلیٹیل دو پروں نے پیرس میں وفات پائی۔

۱۸۹۰ء۔ سر چارج گریئر نے روم میں اس لغت کی تلاش کی، لیکن انہیں لغت نہ ملی۔

۱۹۶۳-۶۴ء۔ ائلیٹیل دو پروں کا نقل کیا ہوا لغت کا مخطوطہ بھلیو تک ناسیونال میں دیکھا گیا۔ مخطوطے کو مائیکروفلم کرایا گیا اور فلم پاکستان لائی گئی۔ (۷)

جان جوشوا کیٹلر (John Joshua Ketelaer or Kotelar)

کیٹلر کی اہمیت بطور لغت نویس کم اور قواعد دان زیادہ ہے۔ اس نے ابتدائی نوعیت کا کام کیا جو تاریخی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس نے سب سے پہلے ہندوستانی صرف و نحو لکھی ہے۔ ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت لاطینی زبان میں مرتب کیے تھے۔ مولوی عبدالحق نے کیٹلر کے بارے میں ”قواعد اردو“ کے دیباچے میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔ اُن کے مطابق کتاب کا زمانہ تالیف ۱۷۱۵ء ہے۔ وہ پریشیا کے شہر ایلینجین میں ۱۶۵۹ء کو پیدا ہوا۔ کیٹلر ولندیزیوں کی جانب سے شاہ عالم (۱۲-۱۷۰۸ء) اور جہاں دارشاہ (۱۷۱۲ء) کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔ وہ دہلی کے راستے لاہور گیا اور آگرے سے گزرا جہاں ولندیزی کمپنی کا ایک کارخانہ تھا۔ ولندیزیوں کا وفد ۱۷۰۸ دسمبر ۱۷۱۱ء میں لاہور کے قریب پہنچا اور جہاں دارشاہ کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ وہاں سے ۱۱۴ اکتوبر ۱۷۱۲ء کو روانہ ہو کر ۲۰ اکتوبر، آگرے پہنچا۔ آگرے سے یہ لوگ سورت گئے۔ ۱۷۱۶ء

میں کیپٹل سورت میں ولندیزی کمپنی کا ڈائریکٹر مقرر ہوا اور تین سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کے بعد وہ ایران میں سفیر مقرر کیا گیا اور بٹاویا سے جولائی، ۱۷۱۶ء میں روانہ ہوا۔ اس وقت اسے ولندیزیوں کی ملازمت یا ایسٹ انڈیز میں تیس سال ہو گئے تھے۔ جس وقت وہ اصفہان سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایرانی گورنر نے اس سے خواہش کی کہ وہ ولندیزی جہاز کو بعض عرب حملہ آوروں کے مقابلے میں اس کے ساتھ ہو کر لڑنے کی اجازت دے۔ کیپٹل نے اس سے انکار کیا۔ اس پر ایرانی حاکم نے اسے قید کر لیا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کی صرف ونچو اور لغت لکھی۔ اس کتاب کا مسودہ ولندیزی زبان میں ہے اور ابھی تک ہیگ (Hague) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ ڈیوڈل نے کیا اور اپنی کتاب Miscellanea Orientalia میں شامل کر کے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ کیپٹل کی کتاب اس ترجمے کے ذریعے منظر عام پر آئی۔ کتاب لاطینی زبان میں ہے لیکن ہندوستانی (اردو) الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں لکھی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ حروف ہندوستانی جدول میں ہندوستانی الفاظ اردو املا میں درج ہیں۔ ان الفاظ کا املا ولندیزی زبان کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر رضیہ نور گریسن کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ لنگوسٹک سروے آف انڈیا میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں دیوناگری رسم الخط کے کچھ نمونے بھی ہیں اور ہندوستانی زبان میں (رومن رسم الخط میں) انجیل کے چند اقتباسات کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ انجیل مقدس کے یہ اقتباسات اوامر عشرہ اور حضرت عیسیٰ کی چند دعاؤں پر مشتمل ہیں اور رومن رسم الخط میں ہیں۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ ابتدائی اٹھارویں صدی کی ہندوستانی نثر کا عمدہ نمونہ فراہم کرتا ہے۔

گلکسٹن

گلکسٹن کے بارے میں عتیق صدیقی ”گل کرسٹ اور اس کا عہد“ میں کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال میں قدم جمائے اور انگریزی اقتدار تیزی سے پھیلنے لگا تو نووارد حکمرانوں کو ہندوستان کی زبانوں سے بہتر واقفیت کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ کمپنی نے اپنے سول اور فوجی ملازمین کو ایک معینہ مدت کے لیے ”فشٹی الاؤنس“ کے نام سے وظیفہ دینا شروع کیا تاکہ فشٹی رکھ کر وہ باضابطہ ہندوستانی اور فارسی کی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے ساتھ ہی کمپنی کے کچھ سول اور فوجی افسروں نے انگریزی میں ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت مرتب کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ اس سلسلے میں کمپنی کے ایک نوجوان سول ملازم مسٹر گلکسٹن کا نام اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ اس نے اس میدان میں پہل کی۔ وہ گورنر ون سی ٹارٹ (Vansittart) کا سیکرٹری اور فارسی مترجم تھا۔ ہندوستانی زبان کے قواعد پر اس نے انگریزی میں ایک مقالہ لکھا تھا۔ گلکسٹن جوانی میں ہی ایک لڑائی میں مارا

گیا جس کی وجہ سے اس کا کام منظر عام پر نہ آسکا۔
گل کرسٹ نے بھی اپنے ضمیمہ میں اُس کی قواعد و لغت کی تعریف کی ہے۔

ہیڈلے

قواعد نویسی کا تیسرا بڑا ماہر جسے کیٹلر اور شلز سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہیڈلے تھا۔ اس سے برطانوی مستشرقین کے اس سلسلے کا آغاز ہوتا ہے جنہوں نے اردو زبان و ادب میں دوسری اقوام سے کہیں زیادہ علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ ہیڈلے کو بجا طور پر برطانوی مستشرقین کا باوا آدم قرار دیا جاتا ہے اس نے سنجیدہ علمی تحقیق کی جو داغ بیل ڈالی وہ آئندہ آنے والوں کے لیے رہنمائی کا باعث ہوئی۔

اس نے ۱۷۶۵ء میں ہندوستانی زبان کی صرف و نحو پر ایک رسالہ لکھا۔ یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور بار بار شائع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اس موضوع پر انگریزی زبان میں اولین کتاب تھی۔ ہیڈلے کے حالات زندگی کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ ۱۷۶۳ء میں وہ بنگال آرمی میں داخل ہوا۔ ۱۷۶۶ء میں وہ کپتان ہو گیا۔ ۲ نومبر ۱۷۷۱ء کو اس نے ملازمت سے سبکدوشی کے لیے درخواست دے دی۔

ہیڈلے کو ہندوستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی کی سربراہی سپرد کی گئی۔ چنانچہ اس نے ۱۷۶۵ء میں ان سپاہیوں کے لیے اردو زبان کے قواعد مرتب کیے۔ لندن کے ایک تاجر نے ہیڈلے کی یہ کتاب ۱۷۷۰ء میں چھاپ دی تھی۔ لیکن ہیڈلے نے اس پر نظر ثانی کر کے اپنی نگرانی میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن ہی سے شائع کیا۔ اس کے بعد ہیڈلے کی کتاب ۱۷۷۴ء، ۱۷۷۹ء، ۱۷۹۴ء، ۱۷۹۷ء میں شائع ہوئی۔ ہیڈلے کی وفات کے بعد اس کے دو ایڈیشن اور شائع ہوئے۔ پہلا ۱۸۰۲ء میں اور آخری ۱۸۰۹ء میں۔ اس آخری ایڈیشن کی تصحیح مرزا محمد فطرت لکھنوی نے کی تھی اور اس میں اضافے بھی کیے تھے۔

ہاسن جاسن سے پتہ چلتا ہے کہ ہیڈلے نے ہندوستانی الفاظ کا جو رومن املا اختیار کیا تھا، وہ صحیح نہیں تھا۔ مثلاً

Chookrau (چھوکرا)

Chookree (چھوکری)

Dolchihney (دال چینی)

گل کرسٹ کی لغت کی اشاعت (۱۷۹۰ء) کے بعد ہیڈلے کی لغت کا جو ایڈیشن ۱۷۹۷ء میں شائع ہوا تھا، اس میں ہیڈلے نے اس کے لغت سے کچھ الفاظ اور ان کے معنی ”چرا کر“ شامل کر لیے تھے اور صرف دو جگہ گل کرسٹ کے لغت کا

حوالہ دیا تھا۔ یقیناً یہ بیان صحیح ہوگا اور ہیڈلے نے گل کرسٹ کے لغت سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن اس بات پر گل کرسٹ نے اپنا رد عمل جس طرح ظاہر کیا وہ کسی طرح بھی اس کے شایان شان نہیں تھا۔

مرزا محمد فطرت لکھنوی

ہیڈلے کی لغت کا جوائڈیشن اس کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء شائع ہوا تھا، وہ اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک ہندوستانی مرزا محمد فطرت لکھنوی نے اس کی نہ صرف تصحیح بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا تھا۔ ہیڈلے کی طرح مرزا فطرت لکھنوی کے حالات کے بارے میں کوئی خاص معلومات دستیاب نہیں۔

ڈاکٹر فران سس بال فور

گل کرسٹ کے نمودار ہونے سے پہلے جن لوگوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت پر کام کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر فران سس بال فور کا نام بھی قابل ذکر ہے، جو انشائے ہر کرن کے ترجمے کے لیے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر بال فور گل کرسٹ کی طرح طیب تھے۔ ایشیا ٹک سوسائٹی کے رسالے ایشیا ٹک ری سرچیز (Asiatic Researches) میں ان کے مقالات چھپتے تھے۔

مسٹر جے فرگسن

ہیڈلے کی لغت و قواعد کا پہلا باقاعدہ ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن سے شائع ہو گیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد لندن سے ہی ۱۷۷۳ء میں مسٹر جے۔ فرگسن (J. Fergusson) نے ہندوستانی زبان کا لغت شائع کر دیا۔ اس کا نام (A Short Dictionary of the Hindostan Language) تھا۔ اس کے دو حصے تھے: انگریزی سے ہندوستانی اور ہندوستانی سے انگریزی، اس میں اردو کے الفاظ رومن حروف میں ہیں۔ ان دو حصوں کے علاوہ اس کتاب میں ہندوستانی زبان کے قواعد پر بھی ایک مقالہ موجود ہے۔

اوساں (Aussant)

ڈاکٹر آغا افتخار حسین لکھتے ہیں کہ بلیوٹک ناسیونال میں انہوں نے اردو مخطوطات میں ایک فرانسیسی۔۔ اردو ڈکشنری دیکھی جسے بنگال کے شاہی مترجم اوساں (Aussant) نے ۱۷۸۴ء میں مرتب کیا تھا۔

اس ڈکشنری کے شروع میں نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوساں بنگال میں شاہی مترجم تھے۔ انہوں نے اردو زبان سیکھنے کے لیے کافی محنت کی۔ مخطوطات میں ایک کتاب ”کتاب آموز المثنی“ بھی ہے جو اوساں کے لیے ۱۷۸۲ء میں لکھی گئی

تھی اور جس میں فارسی اور اردو زبان سکھانے کے لیے قواعد، الفاظ، محاورے، کہانیاں وغیرہ درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو سال کے عرصے میں اوساں نے زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ ۱۸۴۷ء میں ”فرانسیسی اردو ڈکشنری“ لکھ دی۔ اس ڈکشنری کے شروع میں ایک طویل نوٹ ہے جس میں اوساں نے اردو زبان کے ان مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو کہتے تھے کہ اردو زبان اس قابل نہیں کہ اس کی قواعد وغیرہ بنائی جاسکے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اٹھارویں صدی میں جبکہ خود اردو زبان نے ابھی پختگی حاصل نہیں کی تھی اوساں اردو کے بارے میں اپنے خیالات میں کس قدر واضح تھا۔ آغا صاحب نے اوساں کے نوٹ کا خلاصہ اس طرح کیا ہے:

”گرامر کے بغیر کسی زبان کو سیکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص موسیقی کے اصول سے واقف ہوئے بغیر کوئی ساز بجانا شروع کر دے..... اردو زبان پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس زبان میں قواعد کے اصول متعین کیے جانے کی صلاحیت نہیں ہے اور یہ کہ اردو زبان فارسی زبان سے اس قدر منسلک ہے کہ اسے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اردو زبان میں قواعد کے اصول متعین کیے جانے کی پوری پوری صلاحیت ہے، اور اگر کوئی شخص اردو اور فارسی کی زبانیں سیکھنا چاہے تو بہتر ہوگا کہ وہ اردو قواعد سے ابتدا کرے۔ اس اعتراض میں بھی کوئی جان نہیں کہ اردو میں فارسی کے الفاظ کی بہتات ہے اس لیے اردو سیکھنے کی ضرورت نہیں، صرف فارسی کافی ہے۔ انگریزی زبان میں یونانی الاصل الفاظ کی بہتات ہے لیکن اس کے باوجود انگریزی زبان پر یہ اعتراض نہیں کیا جاتا اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جو فارسی الفاظ اردو میں آگئے ہیں وہ زیادہ تر اردو قواعد کے اصولوں کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ فارسی قواعد کے اصولوں کے لحاظ سے۔“ (۸)

ہنری ہیرس (Henry Harris)

ہنری ہیرس کے بارے میں سوانحی معلومات ڈاکٹر رضیہ نور فراہم کرتی ہیں:

غالباً جارج ہیرس فرسٹ بیرن آف سرنگا پٹم و میسور (۱۸۳۶ء-۱۸۲۹ء) ابن جارج ہیرس ۱۸ مارچ ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا۔ اس نے مختلف ممالک میں فوجی خدمات سرانجام دیں۔ جنرل ولیم میڈوز کا پرائیویٹ سیکرٹری رہا۔ بمبئی اور مدراس میں (۱۷۹۰ء-۱۷۹۲ء) میں گورنر اور کمانڈران چیف رہا۔ فورٹ ولیم کالج کا (۱۷۹۳ء) کمانڈر رہا۔ مدراس میں میجر جنرل (۱۷۹۶ء-۱۸۰۰ء) رہا۔ ۱۸۰۰ء میں ریٹائرڈ ہو کر انگلستان چلا گیا۔ انتقال ۱۹ مئی ۱۸۲۹ء میں ہوئی۔ (۹)

ہنری ہیرس کی "A Dictionary of English and Hindustani" جو ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی کو اردو کا پہلا مکمل لغت کہا گیا ہے۔ یہ ایک جامع حوالہ جاتی کتاب ہے۔ اس لغت سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب کو ہندوستانی زبان سے کافی شناسائی تھی۔ گل کرسٹ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس نے اس لغت سے کچھ منتخب الفاظ اخذ کر کے اپنے ضمیمے میں شامل کیے ہیں۔ اس لغت میں دکنی الفاظ خاص طور پر شامل کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی اس لغت کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس لغت کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تدوین کے اس وقت کے جدید ترین معیار کو سامنے رکھا گیا ہے۔ صفحات کے نمبر نہیں کیے گئے البتہ ہر صفحہ دو کالموں پر منقسم ہے اور ان کالموں کے نمبر کیے گئے ہیں۔ کتاب ۲۰۵۲ کالموں یعنی ۱۰۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اشاریہ کے ۱۵۸ صفحات بھی ہیں۔ کتاب کے آخر میں اغلاط نامہ درج کیا گیا ہے۔ الفاظ لکھنے سے پہلے ان کے ماخذ (زبان) کو درج کر دیا گیا ہے اور معانی بتانے سے پیشتر بتایا گیا ہے کہ یہ کس لفظ سے مشتق ہے اور اس کا تلفظ کیا ہے۔ اگر سنسکرت کا لفظ ہے تو دیوناگری رسم الخط میں اسے تحریر کیا گیا ہے۔ زیادہ تر ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی، یونانی اور انگریزی ماخذوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دیگر خصوصیات جدید لغات کی ہیں مثلاً تذکیر و تانیث، واحد جمع وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔“ (۱۰)

ہیرس کی کتاب کا نام ”ہندوستانی زبان کا تجزیہ اور اس کے قواعد و لغت“ (Analysis, Grammar, and Dictionary of the Hindustany Language) ہے۔ لگتا ہے کہ جارج ہیرس انگلستان میں لغت سازی کے میدان میں ہونے والی پیش رفت سے پوری طرح آگاہ تھا۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں جن لوگوں نے ہماری ادبی و لسانی تاریخ میں اہم نقش چھوڑے ہیں ان میں گل کرسٹ کا نام سرفہرست ہے۔ اس نے ہماری زبان کے قواعد و لغت کو وسیع پیمانے پر مدون کرنے کی اہم خدمات انجام دیں اس کے علاوہ اردو اور ہندی کی جو کتابیں گل کرسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج میں تصنیف یا تالیف کی گئیں، ان کتابوں سے ہندوستانی نثر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود گل کرسٹ کا کام معیار اور مقدار کے لحاظ سے اتنا واقع ہے جو کسی بھی مصنف کے لیے قابل فخر بات ہے۔ گل کرسٹ کی اہمیت کے پیش نظر اُسے قدرے تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔ گل کرسٹ کے سلسلے میں زیادہ تر عقیدتیں صدیقی پر انحصار کیا گیا ہے۔

ہندوستانی زبان سے گل کرسٹ کا تعارف

ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی یہاں کی بولیوں اور زبانوں کی لطافت اور ان کی وسعت نے گل کرسٹ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب ”ضمیمہ“ (Appendix) میں لکھتا ہے کہ:

”۱۷۸۲ء میں بمبئی وارد ہوتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو، اس وقت تک نہ تو میرے ہی لیے خوش گوار ہو سکتا ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے، جب تک کہ اس ملکی مروجہ زبان میں پوری دست گاہ میں نہ حاصل کر لوں، جہاں عارضی طور پر مجھے قیام کرنا ہے۔ چنانچہ اس زبان کو جسے اس زمانے میں مورس (Moors) کہتے تھے، سیکھنے کے لیے میں جم کر بیٹھ گیا۔ میری اس نئی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے ہیڈ لے کی اس تالیف کی طرف رجوع کرنے کا مجھے مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے لکھی تھی۔ ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا جس نے اصرار کیا کہ ہیڈ لے سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا۔ اسے سرے سے بھلا دوں۔ کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اسی بحرانی دور میں خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) سے سودا کا کلیات مجھے مل گیا۔“ (۱۱)

گل کرسٹ نے قیام فتح گڑھ کے زمانے میں ہندوستانی زبان پر کافی دسترس حاصل کر لی تھی اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ اس زبان کے قواعد و لغت ترتیب دے سکیں۔ ”گل کرسٹ اور اس کا عہد“ میں گل کرسٹ کی ایک عرضی کا مضمون نقل کیا گیا ہے، یہ عرضی اس نے فتح گڑھ کی فوجی چوکی سے دارن پسننگو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نام ۲۱ جنوری ۱۷۸۵ء کو لکھی تھی، اس کا اقتباس یہ ہے۔

”ہندوستان کے دوران قیام میں اپنا ہمیشہ تر وقت میں نے ہندوستانی زبان کی تحصیل میں صرف کیا ہے اور اس زبان میں اب میں نے اتنی دست گاہ حاصل کر لی ہے کہ اس کے قواعد و لغت مرتب کرنے کا کام میں نے اس پیمانے پر شروع کیا کہ اب تک کسی اور نے اتنے وسیع پیمانے پر یہ کام نہیں کیا..... بارہ مہینوں کے لیے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے مجھے معاف کیا جائے تاکہ اس حد درجہ مفید کتاب کی ترتیب و تالیف کے کام میں تجربے، مواقع اور سکون و اطمینان سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا میرے لیے فقدان نہ ہو۔“ (۱۲)

گل کرسٹ کو ایک سال کی چھٹی مل گئی تھی، گل کرسٹ یہ چھٹی حاصل کر کے شمالی ہند میں ہندوستانی زبان کے مشہور مراکز کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے۔ فیض آباد میں گل کرسٹ نے ہندوستانیوں کی معاشرت اختیار کر لی تھیں، ہندوستانی

لباس کے ساتھ ساتھ اس نے داڑھی بھی بڑھالی تھی۔ گل کرسٹ نے خود لکھا کہ وہ فیض آباد میں جم کر بیٹھ جانا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ فیض آباد میں ہی گل کرسٹ کو اپنے کام کی وسعت اور راہ میں مشکلات کا اندازہ ہوا، یہیں انھوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت کے متعلق کتابوں کو معلوم کیا تو لوگ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگے اور جواب دیا کہ بھلا آج تک کہیں بھی کسی قواعد و لغت کی مدد سے اپنی زبان سیکھی ہے۔ گل کرسٹ کے اصرار پر لوگوں نے یاد کر کے خالق باری کو ان کے سامنے پیش کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تک اہل زبان میں سے کسی نے اس زبان کے قواعد مرتب نہیں کیے تھے۔

سورت سے فتح گڑھ تک کے سفر میں گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کی ہمہ گیری کا ثبوت ملا اور انھوں نے اس زبان پر کتاب لکھنے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ گل کرسٹ خود لکھتا ہے کہ جس گاؤں اور شہر سے اس کا گزر ہوا، وہاں اس زبان کی مقبولیت تھی جو وہ سیکھ رہا تھا۔ وہاں اسے بہت سی ایسی شہادتیں ملیں جن سے اس کے شوق میں اضافہ ہوا۔

لغت کی طباعت کا آغاز

۲۱ دسمبر ۱۷۸۶ء کے کلکتہ گزٹ میں گل کرسٹ کی کتاب کا اشتہار ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے اس کی کتاب کے لیے محصول ڈاک معاف کر دیا تھا۔ اشتہار حسب ذیل ہے:

”بعد اداے مراسم بندگی اپنی کتاب قواعد و لغت کے خریداروں کو اولین فرصت میں مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ان کی کتاب کے لیے محصول ڈاک معاف فرمایا ہے۔ جو حضرات اس کتاب کی ہمت افزائی فرمانا پسند کریں، ان سے درخواست ہے کہ براہ مہربانی وہ اپنے دوستوں یا ایجنٹوں کی معرفت، سابقہ اشتہار نیز کتاب کے دوسرے نمبر کے سرورق کے اشتہار کے مطابق خریداری کی درخواست دیں... جو حضرات اپنے دوستوں کے لیے خریداری منظور فرما کر قیمت ادا کر دیں گے، ان کی ہدایت کے مطابق ان کے دوستوں کو کتاب کے اجزاء روانہ کیے جائیں گے.....“ (۱۳)

ہندوستانی زبان کے قواعد کی اشاعت

کلکتہ گزٹ میں ایک طویل اشتہار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے پہنچنے کے دو سال بعد مئی ۱۷۹۶ء میں، اس نے اپنی دوسری کتاب ”ہندوستانی زبان کے قواعد (A Grammar of the Hindoostanee Language) شائع کی۔ اس اشتہار کے مطابق یہ نئی کتاب گل کرسٹ کے ”ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی پہلی جلد کا تیسرا حصہ“ تھی۔ دوسرا حصہ اس وقت تک شائع نہیں ہوا تھا، جو مقدمہ اور لغت کے ضمیمہ پر مشتمل تھا، اور جو ۱۷۹۸ء میں ”ضمیمہ (Appendix)“ کے نام سے شائع ہوا۔

لغت اور قواعد کا ضمیمہ

ہندوستانی زبان کے قواعد کی اشاعت کے دو سال بعد ۱۷۹۸ء میں گل کرسٹ کی تیسری کتاب ضمیمہ (Appendix) کے نام سے شائع ہوئی، جو قواعد و لغت کے مقدمے اور ضمیمے پر مشتمل تھی، اور گل کرسٹ کے ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی آخری کتاب تھی۔

مشرقی زبان داں

۱۷۹۸ء میں ضمیمہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ گل کرسٹ نے ایک اور کتاب ”مشرقی زبان داں“ (Oriental Linguist) شائع کی۔ اس کے سرورق کے مطابق یہ کتاب ”ہندوستان کی مقبول عام زبان کا سیدھا سادھا اور عام فہم دیباچہ“ تھا جس میں ہندوستانی زبان کے قواعد انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی لغت کے ساتھ ساتھ عام فہم اور مفید مکالمات قصے، نظمیں اور فوجی آئین کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا تھا۔

”مشرقی زبان داں“ میں ہندوستانی رسم خط استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے دو باب..... قواعد (۱۶ صفحات) اور انگریزی ہندوستانی لغت (۵۴ صفحات) میں اس کی پہلی تینوں کتابوں کا خلاصہ تھا۔ لیکن اس کا تیسرا باب جو ہندوستانی انگریزی لغت پر مشتمل ہے۔ یقیناً نیا اور قابل قدر اضافہ تھا۔

۱۸۰۰ء میں وزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا، اس کالج کے ہندوستانی شعبے کا صدر ڈاکٹر جان گل کرسٹ کو مقرر کیا گیا۔ گل کرسٹ نے بعض اہم اور بعض اوسط درجے کے افراد کو فورٹ ولیم کالج میں ملازم رکھ کر ان سے ترجمہ و تالیف کا کام لیا، گل کرسٹ کی توجہ اور کوششوں کی وجہ سے جدید اردو نثر نگاری کا آغاز ہوا۔

گل کرسٹ ساڑھے تین برس تک فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی شعبے کے صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے؛ اس دور میں تقریباً ۴۲ ہندوستانی مصنفین، مترجمین اور نثری ان کے شعبے سے متعلق رہے۔

۲۳ فروری ۱۸۰۴ء کو گل کرسٹ نے اپنی بیماری کے باعث یورپ کی واپسی کے متعلق لکھا۔ کالج کونسل نے استعفیٰ منظور کر لیا۔

۱۸۰۴ء میں جان گل کرسٹ ایڈنبراہ واپس چلے گئے، اس کے بعد ۱۸۱۶ء میں لندن آ گئے۔ یہاں انھوں نے ایک اسکول قائم کیا جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہونے والے امیدواروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ابھی ۲ سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خود ۱۸۱۸ء میں لیسسٹر اسکوائر (Leicester Square) میں ایک ادارہ اور پینٹنل انسٹی ٹیوٹ (Oriental institute) قائم کر دیا۔ اس ادارے میں اردو کی پروفیسری گل کرسٹ نے قبول فرمائی، اس ادارے میں

خاص طور پر طبی عہدے دار تعلیم پاتے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اس ادارے کو ختم کر دیا۔ ادارے کی برخاستگی کے بعد بھی ایک سال تک ڈاکٹر گل کرسٹ اپنے طور اس کو چلاتے رہے۔ بالآخر انھوں نے اس ادارے کے انتظامی امور مسٹر سنڈ فورڈ ارنوٹ (Sand Ford Arnot) اور ڈکن فاربس (Duncan Forbes) کے سپرد کیے اور اپنے وطن ایڈنبرا واپس چلے گئے۔ تبدیلی آج وہاں اور علاج کے لیے فرانس کا سفر کیا، پیرس میں ہی ۹ جنوری ۱۸۴۱ء کو ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

خلیل الرحمن داؤدی ”قواعد زبان، اُردو“ کے مقدمہ میں جان گل کرسٹ کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست پیش کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہے:

- (۱) انگریزی، ہندوستانی لغت (دو جلدیں)، (A Dictionary English and Hindoostanee)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۶۷ء، دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۸۱۰ء میں تیسرا لندن سے ۱۹۲۵ء چوتھا لندن سے ۱۸۵۰ء میں۔
- (۲) ہندوستانی زبان کے قواعد (A Grammar of the Hindoostanee Language)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۹۶ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۹ء میں۔
- (۳) ضمیمہ (لغت و قواعد کا) The Appendix پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۹۸ء۔
- (۴) مشرق زبان دان The Oriental Linguist پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۹۸ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۲ء میں۔
- (۵) ہندوستانی زبان پر مختصر مقدمہ The Anti Jargonist پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۰ء میں۔
- (۶) نو ایجاد یعنی نقشہ افعال فارسی مع مصدرات آں و مترادف ہندوستانی، A New Theory and Prospects of Persian، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۱ء، دوسرا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء۔
- (۷) ہندی کی آسان مشقیں (Hindee Exercises for the First & Second Examinations) پہلا ایڈیشن ۱۸۰۱ء میں کلکتے سے۔
- (۸) معلم ہندوستانی (The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or Grand Popular Language of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۰۸ء میں، تیسرا لندن سے ۱۸۳۰ء میں۔
- (۹) بیاض ہندی (The Hindee Manual or Casket of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء، ۱۸۰۰ء

میں، (دو جلدیں)۔

(۱۰) عملی خاکے (Practical Outlines or a Sketch of Hindoostanee Orthoapy in the Roman Characters)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں۔

(۱۱) ہندی الفاظ کی قرأت (The Hindee Roman Orthoepical Ultimatum)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں۔

(۱۲) اتالیق ہندی (The Hindee Moral Preceptor, and Persian Scholar's Shortest Road to the Hindustanee Language, or Vice Versa)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۲۱ء میں۔

(۱۳) ہندی، عربی آئینہ (Hindee Arabic Mirror)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں۔

(۱۴) مکالمات انگریزی و ہندوستانی (Dialogue English and Hindee) متعدد ایڈیشن کلکتے، ایڈنبرا اور لندن سے شائع ہوئے۔

(۱۵) مشرقی قصے (The Oriental Fabulist)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں۔ دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۸۰۹ء

(۱۶) ہندی داستان گو (The Hindee Story Teller)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء و ۱۸۰۳ء میں، دوسرا کلکتے سے ۱۸۰۶ء میں۔

(۱۷) The General East India Guide and Vade-Mecum، پہلا ایڈیشن لندن سے ۱۸۲۵ء میں۔ (۱۴)

انگریزی ہندوستانی لغت کا جائزہ

ہندوستانی لسانیات پر کام کرنے کا جو وسیع خاکہ اس کے ذہن میں تھا، اس سلسلے کی پہلی کڑی اس کا انگریزی ہندوستانی لغت تھا، جس کا پہلا حصہ ۱۷۸۶ء میں اور دوسرا ۱۷۹۰ء میں کلکتے سے شائع ہوا۔

اس لغت کا ایک قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انگریزی الفاظ کے معنی اردو رسم الخط میں درج کیے گئے ہیں۔ اس معاملے میں گریسن کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اس نے لکھا ہے کہ معنی رومن رسم الخط میں لکھے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ گریسن نے وہ ایڈیشن دیکھا ہو جس میں معنی اردو کے بجائے رومن رسم الخط میں لکھے گئے تھے۔

لغت کے دوسرے حصے میں اُس زمانے کے دستور کے مطابق خریداروں کی فہرست ہے۔ اس میں ہندوستانیوں کے نام بھی شامل ہیں۔ متیق صدیقی لکھتے ہیں کہ اُس میں ہندوستانیوں کے نام نظر انداز کیے جاتے تھے۔ انگریز خریداروں کے نام لکھنے کے بعد آخر میں نیٹوز (دیسی خریداروں) کی مجموعی تعداد درج کر دی جاتی تھی۔ اس فہرست کے مطابق گل کرسٹ کے لغت قواعد کے خریداروں کی مجموعی تعداد ۴۶۱ تھی ان میں سے ۳۳ ہندوستانی تھے، ۱۲ ہندو اور ۲۱ مسلمان۔ گل کرسٹ کے لغت کا مکمل ایڈیشن ۱۸۱۰ء میں اس کے وطن ایڈن برا سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر گل کرسٹ کے ساتھ ساتھ تھامس روبک کا نام بھی نظر آتا ہے، جس نے اس ایڈیشن کی ترتیب میں گل کرسٹ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ گل کرسٹ نے ہندوستانی لغت کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس کے ہندوستانی لسانیات کے سلسلے کی دوسری کڑی تھی۔

ہندوستان سے واپس جانے کے بعد ہندوستانی زبان کی خدمات کے سلسلے میں ایڈن برا یونیورسٹی نے اسے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری دی تھی۔

اس لغت کے نئے ایڈیشن کے ساتھ گل کرسٹ نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر چونسٹھ صفحات پر مبنی ایک جامع مقدمہ بھی شامل کیا تھا اور لغت کا حصہ تہتر صفحات پر مشتمل تھا۔ انگریزی الفاظ کے ہندوستانی معنی، اس لغت میں، رومن رسم خط میں لکھے گئے تھے۔ نیز انگریزی کے معنی انگریزی میں بھی درج کیے گئے تھے، مثلاً پہلے دو لفظوں کے معنی اسی طرح درج کئے گئے ہیں:

Abaft, pichhwara (پچھواڑا) Behind, rear.

Abondon, Chhorna (چھوڑنا) turk-k (ترک کرنا) to desert

متیق صدیقی لغت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ہندوستانی رسم خط اس کتاب میں کسی جگہ استعمال نہیں کیا تھا، اگرچہ اس وقت انگلستان میں فارسی اور دیوناگری رسم خطوں کے ٹائپ کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ الفاظ کے معنی سمجھانے کے لیے اردو اور ہندی اشعار بھی رومن میں درج کیے گئے تھے۔ مثلاً Babe کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”میاں کا لفظ بھی بچے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کے ثبوت میں مسکن کا یہ شعر پیش کیا ہے۔“

پس میں کس سے کہوں گی آجا میاں کے بابا
جس دم ہڑک ہڑک کے مر جاوے گا یہ بالا

اس طرح Begin کے معنوں میں لگنا کی مثال کے لیے میر سوز کا یہ مصرع درج کیا گیا۔

یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی مرجھانے لگا

یا Biten کے معنی 'کاٹا' بتلاتے ہوئے یہ کہاوت درج کی ہے

سانپ کاٹا سوے بچھی کا کاٹاروے

لغت کی تیاری کے سلسلے میں گل کرسٹ نے جن ہندوستانیوں سے مدد لی تھی، ان میں ایک بزرگ معین

الدین فیض بھی تھے۔“ (۱۵)

اردو الفاظ کی اصل کی طرف ابتدائی حروف ع، ف، یارہ، سے نشان دہی کی گئی ہے۔ اردو مترادفات کے ساتھ انگریزی مترادفات بھی شامل کر دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اسے انگریزی، ہندوستانی۔ انگریزی لغت، کہا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندی کے ہکاری الفاظ کو موجودہ رسم الخط کے مطابق نہ لکھ کر سادہ ہائے ہوز سے لکھا گیا ہے اور رومن رسم الخط میں اس کے نیچے چھوٹی اور ہلکی لکیر لگا دی گئی ہے تاکہ امتیاز قائم ہو سکے۔ اصلاح و ترمیم اور اضافے کے بعد یہ لغت ”ہندوستانی فلولوجی“ کے نام سے دوسری بار ۱۸۱۰ء میں ایڈنبرا سے اور تیسری بار ۱۸۲۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

خلیل صدیقی ”لسانی مباحث“ میں شکایت کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اردو متبادل اکٹھے کرنے کے رجحان نے بھی لغت کی صحت کو نقصان پہنچایا ہے۔ بعض غیر معقول اردو متبادل بھی جمع کر دیے ہیں۔ کہیں کہیں معنی اور لفظ کی اصل کے تعین سے متعلق قیاس سے کام لیتا ہے مثلاً اس نے ”مون سون“ کو ”موسم“ کی بگڑی ہوئی شکل کہا ہے۔ اسی طرح "Masoleum" کے ضمن میں نور جہاں کو شاہ جہاں کی بیوی بنا کر دونوں کو تاج محل میں مدفون کیا ہے۔

یہ بات پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ اہل یورپ کی اردو خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ ان کے درپردہ عزائم کیا تھے۔ اور وہ عزائم کسی سے ڈھکے چھپے ہوئے بھی نہیں۔ تاہم غلام عباس نے اپنے مضمون ”گلکرسٹ کی عجیب لغت نگاری“ اور ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے ”اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ“ میں گل کرسٹ کی سامراجی سوچ کی نشان دہی کی ہے جسے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے گل کرسٹ کے ادبی و لسانی مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اہل زبان و ادب اُسے اپنا مربی تسلیم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی رقمطراز ہیں:

”گل کرسٹ کی مدون کردہ اس لغت کے مطالعے سے جہاں اس کی بعض خوبیاں سامنے آتی ہیں اور اس

کے مؤلف کی اس محنت اور مشقت کا اندازہ ہوتا ہے جو اس نے تحقیق و تدوین کے سلسلے میں اٹھائی ہوں گی۔

وہیں بعض الفاظ کی دلچسپ تشریحات سے اس کی کچھ بوالعجیباں بھی سامنے آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

مؤلف لغت ہندوستانیوں اور انگریزوں کو دو مختلف خانوں میں رکھ کر قدم قدم پر انگریزوں کو خبردار بھی کرتا جاتا ہے کہ وہ ہندوستانی الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے کام لیں ورنہ وہ بھی ہندوستانیوں کی ابلہ فریبوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے اس لغت کو اگر ”ہدایت نامہ“ فرنگ“ کہا جائے تو نا درست نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر لفظ ”Mistress“ کے اردو میں معنی صاحبہ، خاتون، بیوانی، بی بی، دینے کے بعد لفظ ”بی بی“ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ جتنا غلط استعمال اس لفظ کا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور لفظ کا ہوتا ہو، یعنی جب نکلے نکلے کے آدمی ہمارے سامنے اپنی جور و کاذ کر کرتے ہیں تو اس کے لیے ”بی بی“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہماری صبر آزمائی کی انتہا یہ ہے کہ ہم اس لغویت کو برداشت کرتے ہیں بلکہ خود اس کے مضحک تماشے کو ہوا دیتے ہیں۔ خود ہی ”سائیس کی بی بی“ اور ”مشعلچی کی بی بی“ استعمال کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بادشاہ سے لے کر موچی کی جور و تک سب کی سب بیبیوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ پھر اس لفظ کے تحت ”بی بی صاحبہ“ کا ترجمہ انگریزی میں، لیڈی لارڈ“ دے کر یہ لکھا گیا ہے کہ یہ کس قدر مہمل اور بھونڈا اسلوب بیان ہے۔

اس قسم کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال ”Thow“ (تو) کی تشریحات سے بھی دی جاسکتی ہے جس کے تحت ایک طویل نوٹ میں کمپنی کے انگریزی افسران کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ.....“ ہمارے نوکر چاکر، اور دیسی سپاہی، اردو سے ہماری واقفیت کے باعث بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے مالکوں سے تو تکرار کر کے بات کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ آپس میں ایسا نہیں کرتے..... اس سے ان کا مقصد اپنی شان دکھانا اور اپنے بھائی بندوں اور کسانوں پر رعب جمانا ہے، راجپوت لوگ جن کو اپنی ذات پر گھمنڈ ہے خاص طور پر اس شرارت کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی دیسی سپاہی کسی انگریز افسر کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے پیش آئے تو اس کو یہ الفاظ کہہ کر ڈانٹ دینا چاہیے:-

”اے تو خبردار ہو! ہم سے توں تاں جو کدھر پھر کری تو تو خوب مار کھائے گا، ہم تیری ایسی بے ادبی ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔“ (۱۶)

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب اعتراضات کے باوجود رگل کر سٹ کی لغت اس قدر اہم ہے کہ بعد کے تمام یورپی لغت نویسوں نے اس کی پیروی کی۔ اُس نے صرف معیاری زبان تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ عام اور غیر معیاری زبان کو بھی مد نظر رکھا۔ زیادہ سے زیادہ معنی فراہم کیے۔ الفاظ کی وضاحت کے لیے فقرے، کہاوتیں اور اساتذہ کے اشعار پیش کیے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لغت اپنے میدان میں روشنی کا مینارہ ثابت ہوئی۔

کپتان جوزف ٹیلر

ڈاکٹر عیش درانی کے بقول فورٹ ولیم کالج کے ایک استاد کپتان جوزف ٹیلر نے ایک لغت ۱۸۰۵ء میں کلکتہ میں مرتب کیا تھا، جسے مختصر طور پر کارمی کال اسمتھ نے شائع کیا تھا۔

ولیم ہنٹر

فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کے بعد سب سے زیادہ مشہور ولیم ہنٹر ہیں۔ ۱۸۰۸ء میں ہندوستانی۔ انگریزی لغت لکھی اور فارسی اور اردو کے ضرب الامثال کا مجموعہ بھی ترتیب دیا۔ آپ ۱۷۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مارشیل کالج اور Aberdeen یونیورسٹی میں حاصل کی۔ ۱۷۸۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں ہندوستان آئے اور آگرہ ریڈیٹس کے سرجن رہے۔ ۱۷۸۵ء میں پیگو کا سفر نامہ لکھا۔ گیارہ برس ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال کے سیکرٹری رہے۔ (۱۷۹۸ء-۱۸۱۱ء) فورٹ ولیم کالج میں فارسی اور ہندوستانی کے ممتحن اور سیکرٹری رہے۔ ایشیا ٹک رسرچرز نامی رسالے میں مقالے شائع کرتے رہے۔ عہد نامہ جدید کے اردو ترجمے پر نظر ثانی کی۔ دسمبر ۱۸۱۲ء میں جاوا میں انتقال ہوا۔

جان شیکسپیر

اس لغت کی محض تاریخی اہمیت ہی نہیں بلکہ اس کی عملی افادیت کسی طرح بھی دوسری لغات سے کم نہیں۔ اردو کی تمام لغات بالواسطہ یا بلاواسطہ شیکسپیر کی لغت سے متاثر ہوئی ہیں۔ ”کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ“ جلد سوم میں وارث سر ہندی نے جان شیکسپیر کی لغت کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے کا ابتدائی حصہ ذیل میں پیش ہے:

جان شیکسپیر کی اس زیر نظر لغت کی بنیاد کیپٹن جوزف کی تالیف A Dictionary, Hindoostani and English (ہندوستانی اور انگریزی لغت) ہے، جو موصوف نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے مرتب کی تھی۔ اس کو بعد میں فورٹ ولیم کالج کے مقامی فضلاء کی مدد سے نظر ثانی کے بعد ڈبلیو ہنٹر نے طباعت کے لیے تیار کیا، جو پہلی بار ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ مؤلفین کی وفات کے بعد جب یہ لغت نایاب ہو گئی تو کیپٹن ٹیلر اور ڈاکٹر ہنٹر کے مسودے پر مبنی اس کی پہلی طباعت ۱۸۱۸ء میں لندن میں منظر پر آئی۔

اگرچہ اس کا بنیادی مواد وہی تھا، جو کیپٹن جوزف ٹیلر اور ڈاکٹر ہنٹر نے جمع کیا تھا، مگر بعد میں ضروری ترمیم و اضافہ بلکہ قطع و برید کے بعد اسے نو مرتب کر کے اسے ۱۸۳۰ء میں شائع کیا گیا پھر اس کی تیسری اشاعت مزید اضافوں کے بعد عمل میں آئی۔ اس اشاعت میں اشاریہ بھی شامل کیا گیا، جس سے اس کی افادیت دو چند ہو گئی، یعنی اس اشاریہ کی وجہ سے اسے

انگریزی، اردو کی لغت کی حیثیت سے بھی کام میں لایا جاسکتا ہے۔

اس لغت کی چند اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اگرچہ ہر لفظ کی سند پیش کرنے کا التزام نہیں کیا گیا، کیونکہ اس صورت میں ضخامت بہت بڑھ جاتی ہے، لیکن الفاظ کی صحت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تلفظ کے سلسلے میں فیلن کی لغت سے اس کا معیار کہیں بلند تر ہے۔

۲۔ ہر لفظ کے صحیح ماخذ کی تلاش کی پوری کوشش کی گئی ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ بیش تر ماخذ صحیح درج ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن نے عربی اور فارسی الفاظ کے ماخذ کی تلاش میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ مگر شیکسپیر نے اس بات میں بہت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اور بالخصوص عربی اور فارسی الفاظ کے ماخذ بڑی حد تک درست درج کیے ہیں۔

۳۔ ضرب الامثال کا حصہ کمزور ہے۔ یا یوں کہیے کہ ضرب الامثال بہت کم درج کی گئی ہیں۔ حالانکہ ضرب الامثال اپنی الگ اہمیت و افادیت رکھتی ہیں اور ان کے استعمال سے کام میں بلاغت، برجستگی اور جامعیت پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال یہ الگ بحث ہے۔ تاہم کہیں کہیں بعض اشعار اور دوہے درج ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے، جس کے سبب ان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور الفاظ کا محل استعمال بھی واضح ہو جاتا ہے۔

۴۔ عموماً کتب لغت میں اعلام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے مگر اس لغت میں اعلام کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے۔ جس سے اس لغت کی افادیت میں بلاشبہ اضافہ ہوا۔ بعض تاریخی اعلام کا تلفظ مختلف زبانوں میں مختلف ہے۔ چنانچہ اس لغت میں اعلام کے شمول کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوا ہے کہ قاری کو اردو میں رائج بعض اعلام کی عربی اور فارسی صورتوں کے ساتھ ساتھ ان کی انگریزی صورتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ اردو انگریزی یا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والوں کے لیے اس طرح بہت سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

۵۔ دکنی الفاظ یا اردو الفاظ کے دکنی لہجے کو خاص طور پر شامل کیا، جس سے اردو کی تدریجی ترقی کے مطالعے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

۶۔ معانی کے زیادہ پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بعض اوقات اس کوشش یا شوق میں تو غل کے باعث کسی لفظ کے ایسے معانی بھی درج ہو گئے ہیں جن کا کوئی تعلق اور قرینہ متعلقہ لفظ سے نظر نہیں آتا۔ کہیں کہیں معاملہ معنوی پہلو نظر انداز ہو گئے ہیں۔ مثلاً ”غایط“ کے معنی صرف Excrement یعنی فضلہ درج کیے گئے ہیں، حالانکہ یہ لفظ، پست، گڑھا اور قضاے حاجت کی جگہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بعض کوتاہیاں بھی موجود ہیں۔ جن کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

۱- ترتیب میں تراکیب اور محاورات ان کے بنیادی الفاظ کے تحت درج نہیں کیے گئے، بلکہ ہر محاورہ اور ترکیب بنیادی لفظ کی حیثیت سے درج ہے، اگرچہ ترتیب کا یہ بھی ایک انداز ہے، مگر اس انداز میں یہ قباحت ہے کہ ذیلی محاورات اور تراکیب کی تلاش میں قاری کو خاصی دقت پیش آئی ہے۔

۲- معانی کے اندراج میں کہیں کہیں ناہمواری پیدا ہو گئی ہے۔ کہیں کسی لفظ کے لغوی معنی درج ہیں تو مجازی معنی غائب ہیں اور کہیں مجازی معنی مذکور ہیں تو لغوی معنی نظر انداز ہو گئے ہیں۔

۳- ہائے مخلوط اور ہائے ملفوظ کی کتابت میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا، حالانکہ اردو میں ہائے مخلوط کے لیے ہائے دو چشمی لکھی جاتی ہے۔ یہی حال ہائے معروف اور ہائے مجہول کا ہے۔ ان میں بھی کوئی فرق نہیں رکھا گیا غالباً طرز املا کا اثر ہے۔

۴- بہت سی ذیلی تراکیب ترک کر دی گئی ہیں۔ مگر لغت نگار کو انتخاب کا حق حاصل ہے وہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض الفاظ و تراکیب کو شامل کرتا ہے اور بعض کو ترک کر دیتا ہے۔ خاص طور پر ضخامت کا مسئلہ بیچ میں آ جائے تو ضخامت کو قابو میں رکھنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ مؤلف نے اس لغت کے جامع ترین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے بعض تراکیب کے ترک پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

۵- انگریزی الفاظ کے سلسلے میں جہوں (spelling) کی غلطیاں موجود ہیں۔ لیکن ان کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ ان کا تعلق مؤلف سے نہ ہو بلکہ طباعت سے ہو۔

۶- بعض الفاظ کے صرف لاطینی (لاتینی) نام درج کر دیے ہیں حالانکہ ان کے عام فہم انگریزی نام بھی موجود ہیں۔ فحش الفاظ کے سلسلے میں تو اس کا جواز ہو سکتا ہے، اگرچہ میرے نقطہ نظر کے مطابق کوئی لفظ فحش نہیں ہوتا بلکہ استعمال اور انداز بیان فحش ہوتا ہے۔ لیکن عام الفاظ کے ضمن میں یہ دوش بہر حال قابل اعتراض ہے۔ مثلاً "نخود" کے معنی a kind of pulse لکھنے کے بعد Cicer arietinum لکھا ہے۔ اس تشریح سے ایک عام قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا حالانکہ اس کا عام فہم انگریزی مترادف gram موجود ہے۔ مگر اسے نظر انداز کر دیا ہے۔

۷- اکثر الفاظ کے لسانی تعین کے سلسلے میں ان کی موجود صورت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے اردو اور ہندی الفاظ کو سنسکرت کے طور پر درج کیا ہے۔ محض اس بنا پر کہ وہ سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح بہت سے اردو اور فارسی الفاظ کو عربی ظاہر کیا ہے، محض اس وجہ سے کہ وہ عربی سے ماخوذ ہیں حالانکہ وہ اپنی موجود صورت میں سنسکرت اور عربی میں مستعمل نہیں ہیں۔ ان کو تصرف کے بعد اردو، ہندی یا فارسی میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو ان کی موجودہ صورت کے لحاظ سے اردو، ہندی یا فارسی الفاظ کے طور پر درج کرنا چاہیے۔ جیسا کہ فیلن نے کیا ہے اگر زیادہ احتیاط اور وضاحت مقصود ہو

تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے الفاظ کو ان کی موجود صورت کے مطابق لسانی تعین کے بعد یہ صراحت کر دی جائے کہ وہ کس زبان سے ماخوذ ہیں اور اس کی اصل کیا ہے۔

۸۔ بعض الفاظ کو خواہ مخواہ عربی بنانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ عربی سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ مثلاً "مسوڑا" کو عربی لفظ کی حیثیت سے درج کیا ہے یہ ہو سکتا ہے یہ ہو سکتا ہے۔ (۱۷)

پکتان ٹامس روبک

روبوک ۱۷۸۱ء میں لنٹنگھو شائر میں پیدا ہوئے اور ایڈنبرا میں تعلیم پائی۔ ۱۸۰۱ء کے اوائل میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو کر ہندوستان آئے۔ روبوگ گل کرسٹ کے معاونین میں سے تھا۔ پہلے فوج میں لیفٹیننٹ (۱۸۱۲ء) اور پھر پکتان (۱۸۱۵ء) کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کو اردو زبان اور اس کے ادب سے خاص شغف تھا۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین کے مطابق روبوگ ۱۸۰۵ء میں خرابی صحت کی بنا پر واپس انگلستان چلا گیا تھا وہاں جان گل کرسٹ کے ساتھ انگریزی ہندوستانی لغت کی تدوین میں مصروف رہا۔ ۱۸۱۰ء میں واپسی پر اسمائے بحر کے متعلق لغت جہاز رانی ۱۸۱۱ء میں شائع کی۔ اس میں بحر یہ اور جہاز رانی کی تمام اصطلاحیں اور الفاظ انگریزی اردو میں جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جو انگریز کمانڈروں کو میدان جنگ اور بارکس میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ بول چال میں کارآمد ہو سکتے تھے۔ دو سال بعد یعنی ۱۸۱۳ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن لندن سے شائع ہوا۔ یہ لغت رومن رسم الخط میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر عطش درانی کے بقول اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

اسی کتاب کا چھٹا ایڈیشن لشکری لغت کے نام سے اضافے اور ترمیم کے ساتھ جارج اسمال نے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا۔ ۱۸۱۱ء میں روبوگ کا تقریر فورٹ ولیم کالج میں اسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ پر ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں انڈین انٹرپرائزر کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ روبوگ کی ایک کتاب فورٹ ولیم کالج کی تاریخ پر The Annals of Fort William College Calcutta ۱۸۱۹ء میں چھپی۔ اسی سال انتقال ہوا اور کلکتے کے قبرستان میں دفن ہوا۔ وہ پہلے فورٹ ولیم کالج کے معتمد اور ممتحن مقرر ہوئے۔

کارمیکال سمٹھ (Charlmachael Smith)

جوزف ٹیلر اور ولیم ہنٹر کے لغت پر مبنی ایک اور اردو انگریزی لغت کارمیکال سمٹھ نے چند اضافوں کے ساتھ ۱۸۲۰ء

میں لندن سے شائع کیا۔ یہ لغت ۷۸۲ صفحات پر مشتمل تھا۔

اے سی ڈی ریزیاریو (D'Rozario)

روزاریو نے انگریزی، بنگالی اور اردو کی لغات لکھی جو ۱۸۲۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہفت روزہ ”سماچار درپن“ میں ۲۸ مارچ ۱۸۲۵ء کے اشتہار کی رو سے یہ کتاب ۵۰۰ صفحات پر مشتمل رومن حروف میں شائع ہوئی۔ اس کی قیمت ۶ روپے آنے تھی۔

جے ٹی تھا مپسن

۱۸۲۷ء میں جے ٹی تھا مپسن کے ”ڈکشنری آف اردو اینڈ انگلش“ شائع کی۔ اس لغت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ ہندوستانی کی بجائے اردو کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ۱۸۳۸ء کا ایک نسخہ جو سیرام پور سے شائع ہوا پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

ایڈلف پانز

چیکوسلواکیہ میں اردو کا پہلا لغت ڈاکٹر جان تولو (Jan Tolar) اور ایڈلف پانز (Adolf Panz) کا مرہون منت ہے۔ آغا افتخار حسین لکھتے ہیں کہ چیک اور ہندوستانی کے دو لغت شائع ہوئے۔ ایک ہندوستانی سے چیک زبان کا اور دوسرا چیک سے ہندوستانی زبان کا۔ یہ لغت پراگ سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئے۔

ہنری ایم ایلیٹ

ہندوستانی اصطلاحات کا ایک لغت ”گلاسری“ کے نام سے ہنری ایم ایلیٹ نے ۱۸۴۵ء میں آگرہ سے شائع کیا۔ وہ بنگال سول سروس میں ملازم تھا۔ اس کا ضمیمہ ۱۸۶۹ء میں لندن سے شائع ہوا، جس کی ضخامت ۳۹۶ صفحات تھی۔

ڈنکن فوربز

ڈنکن فوربز اور ڈاکٹر فیلن اُن انگریزوں میں بہت ممتاز ہیں جنہوں نے اردو لغت نویسی میں قابلِ قدر کام انجام دیا۔ ۱۸۴۶ء میں انہوں نے ہندوستانی قواعد پر کتاب شائع کی جس میں اردو سے انگریزی لغت بھی شامل ہے۔ پروفیسر ایس کے حسینی کے بقول اس لغت میں علمی بول چال اور گنوار بولی کے الفاظ بھی شامل ہیں جو یقیناً ایک صحت مند اقدام تھا۔ اس میں دکنی الفاظ کا کافی ذخیرہ بھی ملتا ہے۔ اس نے لفظ کے معنی لکھتے وقت ادیبوں اور شاعروں کے اشعار سے سند پیش نہیں کی۔ اس نے اپنے پیش روؤں کے لغات سے الفاظ لے کر اُن میں اضافہ کیا ہے اور یہ کوئی غلط بات نہیں۔

مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہونے والے سلسلے ”کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ“ کی جلد ہفتم میں وارث سر ہندی نے اس لغت کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے اس لغت کے صرف پہلے حصے (اردو، انگریزی) کا جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اُن کی طرف سے دیا گیا ’ڈیکن فوربس کے لغت کا اجمالی تعارف‘ پیش کیا جا رہا ہے:

’ڈیکن فوربس کی یہ ڈکشنری دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اردو، انگریزی اور دوسرا انگریزی، اردو لغت پر مشتمل ہے۔ چونکہ ہمارا تعلق صرف پہلا حصہ سے ہے اس لیے یہاں اسی پر گفتگو کی جائے گی۔ یہ ڈکشنری ۱۸۳۷ء میں مکمل ہوئی میرے سامنے اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جسے ترمیم و اضافہ کے بعد Wm.H.Allen & Co نے لندن میں شائع کیا۔

اس کے مؤلف ڈیکن فوربس کنگز کالج لندن میں اسٹنڈرڈ شرقیہ کے استاد تھے۔ موصوف کو اردو پڑھانے کا تیس سال کا طویل تجربہ تھا۔ اسی تجربہ کی بناء پر مؤلف نے یہ لغت مرتب کی اور اسے ہر طرح مکمل بنانے کی کوشش کی تاکہ اردو زبان کے طلبہ اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھا سکیں۔

مؤلف نے اپنے اس لغت کی بنیاد ولیم ہنٹر کے ہندوستانی انگریزی لغت کو بنایا، مگر محض اس پر انحصار نہیں کیا بلکہ اردو اور فارسی کی اعلیٰ ادبی کتابوں میں استعمال ہونے والے الفاظ کے ساتھ ساتھ روزمرہ گفتگو کے الفاظ بھی زیادہ سے زیادہ اس لغت میں شامل کیے۔ جو الفاظ عموماً استعمال نہیں ہوتے، ان کو شامل نہیں کیا۔ ضرب الامثال کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، اس لیے اس میں بہت کم ضرب الامثال نظر آتی ہیں۔ مستشرقین کی مرتب کردہ کتب لغت میں ضرب الامثال کا تناسب بالعموم کم ہی نظر آتا ہے۔ البتہ ڈاکٹر فیلیں کا لغت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں ضرب الامثال کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔

فارسی الفاظ کی معقول تعداد شامل لغت کی گئی ہے خصوصاً شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان میں استعمال ہونے والے الفاظ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندی، سنسکرت اور عربی کے وہ الفاظ جو اردو تحریر میں بالعموم استعمال ہوتے ہیں، ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مؤلف نے اس زمانے میں دستیاب قریباً تمام فارسی، ہندی، اردو، سنسکرت اور عربی کتب لغت سے استفادہ کیا۔ علاوہ بریں جو الفاظ ان لغات میں موجود نہ تھے، مگر مؤلف کو تدریس کے دوران معلوم ہوئے ان کو بھی شامل کیا۔ غرض ہر ممکن طریقے سے اس لغت کو جامع بنانے کی کوشش کی۔

اس کی ضخامت اگرچہ قریباً آٹھ سو صفحات ہے، لیکن طباعت میں باریک حروف استعمال کر کے زیادہ سے

زیادہ مواد کھپانے کی کوشش کی، جس میں مؤلف بڑی حد تک کامیاب رہا۔ مختلف محکموں میں مستعمل اصطلاحات کی شمول سے اس لغت کی جامعیت اور افادیت میں بہت اضافہ کیا ہے۔

مؤلف نے ہر لفظ کا مآخذ بیان کیا ہے اور اکثر مآخذ درست درج کیے ہیں البتہ سنسکرت اور ہندی کے الفاظ گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے مآخذ درج کرتے وقت کوئی حد فاصل قائم نہیں کی۔

مختلف المآخذ اور مختلف المعنی ہم شکل الفاظ میں امتیاز نہیں کیا گیا اور ان کو ایک لفظ تصور کر کے اس کے تحت تمام معانی درج کر دیے گئے ہیں جس سے خلط ممحٹ اور مغالطہ ہوتا ہے۔

بعض الفاظ کی قدیم اور متروکہ صورتیں بھی درج کر دی گئی ہیں، مثلاً آٹھ سٹھ، اٹھو ترسو یعنی ایک سو آٹھ۔ اس سے الفاظ کے ارتقاء اور تدریجی مراحل کو جاننے میں بہت مدد ملتی ہے۔

صرف بنیادی الفاظ کو اردو رسم الخط میں درج کیا ہے۔ مرکبات اور محاورات کو رومن رسم الخط میں درج کیا ہے۔ اس کی وجہ ضخامت کو ایک حد کے اندر رکھنا معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں یہی انداز دوسرے مستشرقین مثلاً فیلین اور پلیٹس نے اپنے لغات کی ترتیب میں اپنایا۔

عربی صفات پر فارسی یا عربی مصدری کے اضافہ سے جو اسمائے کیفیت بنتے ہیں، ان کی حیثیت عربی فارسی مرکبات کی ہوتی ہے، ان کو بصورت موجودہ عربی تو کسی طرح بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مگر مؤلف نے ایسے تمام مرکبات کا اندراج عربی الفاظ کی حیثیت کیا ہے جو درست نہیں۔

اسی طرح فارسی لاحقہ "انہ" کے اضافے سے جو صفات بنتی ہیں، ان کا اندراج فارسی الفاظ یا عربی فارسی مرکبات کی حیثیت سے ہونا چاہیے تھا، مگر مؤلف نے ان کو عربی ظاہر کیا ہے۔“ (۱۸)

ولیم بیٹیس

۱۷۹۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔ وہ تبلیغی کام کے سلسلے میں ۱۸۱۵ء میں برصغیر آیا اور طویل عرصہ بنگال میں گزارا۔ برصغیر قیام کے دوران اس نے سنسکرت، بنگالی، ہندی اور اردو زبانیں سیکھیں۔ اس نے سکول کے بچوں کو پڑھانے کے لیے The Pleasing Instructor کا اردو ترجمہ کیا جو کلکتہ سکول بگ سوسائٹی نے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا۔ اس کی دو اہم تصانیف یہ ہیں:

- 1: Introduction to Hindustani , Calcutta Baptist Mission press, 1827
- 2: Hindustani English Dictionary, Calcutta Baptist Mission press, 1847

ڈاکٹر درانی لکھتے ہیں کہ پیش لفظ میں مصنف لکھتا ہے کہ اس نے سنسکرت آمیز الفاظ کو شامل نہیں کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لغت صرف ٹیٹھ سنسکرت الفاظ سے پاک ہے۔ ۵۸۴ صفحات پر مبنی یہ لغت اسی سال لندن سے بھی شائع ہوئی۔

ہنری گرانٹ

مولوی عبدالحق لغت کبیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ گرانٹ نے Anglo Hindostani Vocabulary کے نام سے ہندوستان کے یورپیوں کے لیے لکھی جو ۱۸۵۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۸۵۱ء میں مدراس سے ایک ہندوستانی اسکول ڈکشنری (رومن حروف میں) ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے اور اسی سال مدراس سے ایک ہندوستانی اردو لغت شائع ہوئی۔

آنون

۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۷ء تک آنون کے چار لغت شائع ہوئے۔ ۱۸۵۱ء میں ’اے ڈکشنری آف انگلش، ہندوستانی اینڈ پرتھین‘ مدراس سے شائع ہوئی۔ ۱۸۵۴ء میں ’ہندوستانی سکول ڈکشنری‘ کلکتہ سے اور اسی سال ’انگلش اینڈ ہندوستانی دوکبلیری‘ مدراس سے اور ۱۸۹۷ء میں ’دی سٹوڈنٹس پریکٹیکل ڈکشنری‘ الہ آباد سے شائع ہوئی۔

کپتان بوراڈیل (Borredaile)

بوراڈیل نے انگریزی ہندوستانی لغت مدراس کے فوجی طلبہ کے لیے لکھی یہ لغت ۲۴۶ صفحات پر مشتمل تھی اور ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

کرنل سر ہنری یول

سر ہنری یول اور اُن کی لغت ہاسن جاسن کے بارے میں ایک تفصیلی اور محققانہ مضمون آغا افتخار حسین کا ہے، جسے مناسب تدوین کے بعد پیش کیا جا رہا ہے:

اردو زبان کی کئی لغات لکھی گئیں لیکن کرنل سر ہنری یول کی ’ہاسن جاسن‘ اشتقاق کے نقطہ نظر سے غالباً اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ الفاظ کے ماخذ اور معانی کے ارتقا پر جس انداز سے اس کتاب میں مواد جمع کیا گیا ہے اس کی مثال اردو زبان میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس فرہنگ میں اردو (یا ہندی) وغیرہ کے وہ الفاظ شامل ہیں جو انگریزوں اور دوسری مغربی قوموں کے ہندوستان کے ساتھ تجارتی اور سیاسی روابط کی وجہ سے بعض مغربی زبانوں میں داخل ہو گئے ہیں یا مغربی زبانوں اور اردو (یا ہندی) زبانوں میں آگئے ہیں۔ ۸۷۰ صفحات کی اس فرہنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں

مصنفین نے نہ صرف ان الفاظ کے اشتقاق پر اظہار رائے کیا ہے بلکہ سند کے طور پر مغربی اور مشرقی زبانوں کی تحریروں کے حوالے دیے ہیں اور ان کے ساتھ جو تاریخیں دی گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے لیے مصنفین نے متعدد زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، پرتگیزی، ولندیزی، یونانی، عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ کی کوئی دو ہزار سال کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔

یول کے حالات زندگی

یہ کتاب دو مؤلفین کی کاوش کا نتیجہ ہے، کرنل سر ہنری یول اور آرتھر کوک برنل (Arthur Coke Burnell) الفاظ پر بیشتر تحقیق یول ہی کی ہے اور کتاب کا دیباچہ اور مقدمہ بھی اس نے ہی لکھا ہے۔ ہنری یول ۱۸۲۰ء میں ایڈنبرا (برطانیہ) کے قریب بمقام انورسیک (Inversek) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد میجر ولیم یول (پیدائش ۱۷۶۳ء۔ وفات ۱۸۳۹ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے اور مشرقی زبانوں پر اچھی نظر رکھتے تھے اور جب ۱۸۰۹ء میں ریٹائر ہو کر وطن واپس گئے تو کئی عربی اور فارسی مخطوطات اپنے ساتھ لے گئے جو اب برٹش میوزیم میں ہیں۔ انھوں نے ۱۸۳۲ء میں کتاب ”Apophtegms of Ali the son of Abu Talib“ شائع کی جس میں عربی متن، اس کا قدیم فارسی ترجمہ اور خود میجر یول کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ شامل ہے۔

ہنری یول نے ابتدائی تعلیم ایڈنبرا میں اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج میں حاصل کی۔ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر کے ہنری یول ۱۸۴۰ء میں بنگال کی انجینئرنگ سروس میں شامل ہو گیا۔ تین سال ملازمت کرنے کے بعد یول مختصر قیام کے لیے انگلستان واپس گیا جہاں اس نے ۱۸۴۹ء تک شمال مغربی سرحدی صوبے کے محکمہ نہر میں انجینئرنگ کی بیش بہا خدمت انجام دیں۔ اس دوران میں اس نے سکھوں کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۱ء تک یول رخصت پر انگلستان میں رہا۔ اس کے بعد وہ پھر ہندوستان آ گیا اور ۱۸۵۵ء میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے محکمہ تعمیرات میں انڈر سیکرٹری کے عہدے پر اس کا تقرر کر دیا۔ کچھ عرصے کے لیے یول ایک سفارتی عہدے پر برما گیا اور وہاں سے آ کر اس نے برما کے بارے میں ایک مقالہ لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں یول ملازمت سے ریٹائر ہو گیا۔

۱۸۶۳ء میں یول نے سسلی کے دارالحکومت پالمو میں سکونت اختیار کی جہاں اس نے قدیم اطالوی مشنریوں اور سیاحوں کے سفر ناموں اور تاریخوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اسی سال اس نے ”مشرق کے عجائبات“ نامی ایک کتاب شائع کی۔ ۱۸۶۶ء میں یول نے قدیم سیاحوں کے سفر ناموں، خطوط اور یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی جس میں ایشیا کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ پیش کیا اور زمانہ قدیم میں چین اور مغربی ممالک کے روابط پر بھی روشنی ڈالی۔ ۱۸۶۶ء میں ہی اس کی فرہنگ ”ہاسن جاسن“ شائع ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا۔

۱۸۷۵ء میں یول واپس انگلستان آ گیا اور انڈین کونسل کارکن مقرر ہوا اور آخر دم تک اس حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ۱۸۸۷ء میں اس نے Diary of Sir William Hedges شائع کی جس میں قدیم اور جدید ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض دلچسپ کوائف شامل ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برتانیکا اور انگلستان کے متعدد علمی جرائد میں جغرافیہ اور سوانح کے موضوعات پر اس کے تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں اس نے مشرقی تبت اور برما کے دریاؤں کے بارے میں نہایت دلچسپ مضمون شائع کیا۔ ۱۸۸۹ء میں یول کو ”سر“ کا خطاب اور ستارہ ہند کا اعزاز ملا اور اسی سال اس کا انتقال ہو گیا۔

مختصر جائزہ

یہ فرہنگ ان الفاظ اور محاورات وغیرہ پر مشتمل ہے جو ہندوستان میں انگریزوں کی بول چال میں شامل ہو چکے تھے لیکن مصنفین نے محض ان الفاظ اور محاورات کے مطالب اور محل استعمال ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا (جیسے اس قسم کے اکثر لغات اور فرہنگوں میں کیا گیا ہے) بلکہ بیشتر الفاظ پر اشتقاق تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے نقطہ نظر سے مدلل بحثیں کی گئی ہیں۔ چار صفحات کا دیباچہ ہے۔ اس دیباچے میں یول نے بتایا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد وہ خط و کتابت تھی جو پارلر مو (سلسلی) کے دوران قیام میں یول اور اس کے ایک مرحوم دوست آرتھر برنل کے درمیان ہوئی۔ برنل اس زمانے میں مدراس کی سول سروس میں عدلیہ کے عہدوں پر فائز تھا۔ برنل نے بتایا تھا کہ وہ ”اینگلو انڈین“ الفاظ کی ایک فرہنگ تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یول نے اسے مطلع کیا کہ وہ بھی اسی قسم کی فرہنگ تیار کر رہا ہے۔ اس کے بعد ان دونوں میں خط و کتابت شروع ہوئی جو ۱۸۸۲ء میں برنل کی وفات تک جاری رہی۔ اس عرصے میں دونوں دوستوں نے الفاظ کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ معانی و اشتقاق کے بارے میں خیالات کا تبادلہ کیا۔ برنل کے انتقال کے بعد اس فرہنگ کی تدوین کا سلسلہ یول نے تنہا جاری رکھا۔ یول نے لکھا ہے کہ گواس پوری کتاب کا بیشتر حصہ صرف یول ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے لیکن برنل نے جو مواد بھی فراہم کیا وہ نہایت بیش قیمت تھا اور غالباً یول کی دسترس سے باہر تھا۔

کتاب کے عنوان ”ہاسن جاسن“ کے الفاظ ہندوستان میں انگریزوں کی زبان میں داخل ہو چکے تھے، گواہ یہ اتنے عام نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو یول کتاب کے عنوان کے لیے بہت موزوں سمجھتا ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دونوں (حسن، حسین) میں کتاب کے دو مصنفوں (یول اور برنل) کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اس کتاب کا اس کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد فہرست مضامین ہے اور پھر مقدمہ شروع ہوتا ہے جو دس صفحات میں ہے۔ اس میں یول پہلے ہندوستانی الاصل الفاظ کے انگریزی زبان میں داخل ہوجانے کی مختصر تاریخ بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ مملکت الزبتھ اول اور شاہ جیمز کے

زمانے سے یہ الفاظ انگریزی زبان میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انگریزی زبان میں ہندوستانی الفاظ کی آورد کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد یول نے ان الفاظ کی مثالیں دی ہیں جو مختلف مدارج میں انگریزی زبان میں داخل ہوتے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی زبان میں بعض الفاظ ایسے آ گئے ہیں جن کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی اصل ہندوستانی ہے۔ مثلاً انگریزی یہ جملہ اکثر بولتے ہیں ”I don't care a dam“۔ اس جملے میں dam دراصل اکبر کے زمانے کا سکہ 'دام' ہے۔ یول فرہنگ میں 'آئین اکبری' کے حوالے سے لکھتا ہے کہ 'دام' ایک تولہ، ۸ ماشہ، ۷ سرخ وزن کا تھا اور ایک روپے کا چالیسواں حصہ شمار کیا جاتا تھا۔

یول لکھتا ہے کہ فرہنگ میں انتظامیہ سے متعلق اچھی تعداد میں الفاظ موجود ہیں۔ ایسے ہی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کا تعلق نباتات اور حیوانات سے ہے اور یہ الفاظ ہندوستان سے مغربی زبانوں میں آ گئے ہیں۔ یول نے ان مغربی ماہرین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ان ہندوستانی الفاظ کو سائنسی کتابوں میں استعمال کیا ہے۔ یول نے ایسے الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو ہندوستان سے یونان اور روما اور ان تہذیبوں سے متاثر علاقوں میں مروج ہو گئے اور اس طرح ہندوستان کے تہذیبی اثرات یورپ میں دور تک محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

عرب فاتحین اور تجارت بہت سے الفاظ باہر سے ہندوستان میں لائے لیکن اسی کے ساتھ بہت سے ہندوستانی الفاظ ایسے ہیں جو عربوں کے بعد کے مغربی فاتحین کو تہذیبی ورثے کے طور پر ملے۔ ایسے الفاظ جو بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں اور متصل ممالک میں مروج ہیں مثلاً: 'بازار'، 'قاضی'، 'جمال'، 'دیوان' وغیرہ۔

سولہویں صدی میں جب پرتگیزی ہندوستان کے جنوبی ساحل کے مختلف حصوں پر قابض ہوئے تو ان کی نوآبادیوں کے نتیجے میں ایک ایسی زبان پیدا ہوئی جس میں پرتگیزی اور جنوبی ہند کی زبانوں کی آمیزش تھی۔ یہ زبان عرصے تک ان علاقوں میں آسانی سے سمجھی جاتی تھی اور دیگر مغربی فاتحین نے بھی اس زبان کو جنوبی ہندوستان میں استعمال کیا۔ اس زبان کے پیدا ہونے سے بھی کئی الفاظ ہندوستان سے مغرب کو برآمد ہوئے۔ یول نے ان الفاظ کی جو مثالیں دی ہیں، ان میں Palanquin, Curry, Mango, Typhon, Monsoon, شامل ہیں۔ یول نے فرہنگ میں ان الفاظ کو ہندوستانی (فارسی، عربی، جنوبی ہند کی زبانیں وغیرہ) سے مشتق ثابت کیا ہے۔ اسی طرح یول نے ان الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو پرتگیزی زبان سے اردو ہندوستانی میں آئے مثلاً بالٹی، تولیہ، صابن، نیلام وغیرہ۔

مقدمے کے بعد کتاب میں بائیس فرہنگوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن میں عام لغات بھی شامل ہیں اور خصوصی استعمال اور فنی اصطلاحات کی فرہنگیں بھی۔

فرہنگوں کی فہرست کے بعد ہند، پرتگیزی زبان کے بارے میں ایک نوٹ ہے جس میں اس کے قواعد اور صوتیات کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست ہے جن کے حوالے فرہنگ کے متن میں دیے گئے ہیں۔ ان کتابوں کی تعداد سات سو دس (۷۱۰) ہے۔ ان میں انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، فرانسیسی، جرمن، پرتگیزی، ولندیزی اور متعدد دیگر زبانوں کی کتابیں اور رسائل شامل ہیں۔ اس فہرست کو دیکھ کر دو وجوہ سے خاص طور پر حیرت ہوتی ہے؛ ایک تو یہ کہ ہندوستان اور اس کی زبان کے بارے میں دنیا کی اتنی زبانوں میں مواد موجود ہے، اور دوسرے یہ کہ اس ایک کتاب کی تیاری میں مصنف نے سات سو سے زیادہ کتب کا مطالعہ کیا ہے۔

اس فہرست کے بعد ایک غلط نامہ ہے اور اس کے بعد اصل فرہنگ کا متن شروع ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے جدید معنی (کتاب ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی) اس کا اشتقاق اور معانی کا ارتقا بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد حوالوں اور سند کے طور پر ان کتابوں اور تحریروں میں سے اقتباسات دیے گئے ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر اقتباس کے ساتھ کتاب کا نام اور اس کا سال اشاعت درج ہے۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

پشاور: (Peshawur) شہر کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد یوں لکھتا ہے کہ اس شہر کا اصل نام بہت قدیم ہے۔ سر جارج کنگم (کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے) نے لکھا ہے کہ اکبر نے اس شہر کا نام سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے 'پشاور' رکھا تھا۔ یوں کہتا ہے کہ کنگم کا خیال درست نہیں؛ اکبر کے زمانے میں پشاور صوبہ کابل میں ایک درمیانی شہر تھا۔ 'صوبہ کابل' میں کشمیر اور مغرب کا سب علاقہ شامل تھا اس لیے اکبر کے زمانے میں پشاور سرحدی شہر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس شہر کا ذکر سب سے پہلے فابیان کے ہاں ملتا ہے جس نے اسے 'فلاشا' (Fo-Lau-sha) لکھا ہے۔ فابیان سے اقتباس حسب ذیل ہے:

۶۴۰ء: گندھارا سے جنوب کی طرف چار روز کا سفر کرنے کے بعد 'فلاشا' کا علاقہ آتا ہے۔ قدیم زمانے میں بدھ

اپنے چیلوں کے ساتھ اس علاقے سے گزرا تھا۔ (فابیان)

اس کے بعد حسب ذیل مصنفین سے اقتباسات دیے گئے ہیں:

۶۳۰ء: ہیون سانگ، اس نے شہر کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے اس کا نام 'Pu-lu-sha-pulo' یا (پرش پور)

لکھا ہے۔

۱۰۰۱ء: الاطی - محمود غزنوی کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے خیمے 'Purshaur' کے باہر نصب کیے

۱۰۲۰ء: البیرونی - 'Parshawar' کا ذکر ہے۔

۱۲۲۰ء: یا قوت۔ 'Farshabur' لکھا ہے۔

۱۵۱۹ء: بابر۔ 'Purshawar' کے قلعے کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۵۱۵ء: سدھی علی۔ 'Purrhawar' میں آنے کا ذکر ہے۔

۱۵۹۰ء: آئین اکبری۔ 'Parshawar' کے چشمے کا ذکر ہے۔

۱۷۸۳ء: جی۔ فاسٹر۔ 'Peshour' میں سخت گرمی کا حال بیان کیا ہے۔

۱۸۶۳ء: کنگم۔ اکبر کے قدیم نام 'Parashawar' کو تبدیل کر کے 'Peshawar' نام رکھ دیا۔ اس کے معنی

سرحدی شہر کے ہیں۔

اس کے بعد ان الفاظ کی فہرست ہے جو فرہنگ کے متن میں شامل نہ ہو سکے اور انہیں ضمیمے میں شامل کر دیا گیا ہے۔

جم خانہ (Gym Khana): یوں لکھتا ہے کہ یہ لفظ نیا ہے۔ پچیس سال پہلے (یعنی ۱۸۵۱ء) تک مستعمل نہیں تھا۔ سب سے پہلے یہ لفظ میجر جان ٹراٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۶۱ء میں رٹ کی میں استعمال ہوا جہاں ایک جمخانہ قائم کیا گیا۔ غالباً یہ لفظ 'گیند خانہ' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ یہ لفظ ایسے مقامات کے لیے استعمال ہوتا ہے جہاں کھیل وغیرہ کی سہولتیں میسر ہوں۔ ممکن ہے 'gym' اصل میں لفظ 'gymnastics' کے پہلے حصے سے مستعار ہو۔ یہ لفظ مالٹا تک پہنچ چکا ہے۔ اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

۱۸۷۷ء: 'پانیز میل' (شمارہ ۳ نومبر) میں 'جمخانہ کلب' کا لفظ مرقوم ہے۔

۱۸۷۹ء: ڈوڈو (۲ جولائی) میں جمخانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ وہاں لوگ بہت سی حرکتیں کرتے ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے۔

۱۸۸۱ء: رائل انجینئر جرنل (کیم اگست) میں مالٹا میں جمخانہ کا ذکر ہے۔

۱۸۸۳ء: 'Tribes on my Fronteer' میں بمبئی کے جمخانوں کا حوالہ ہے۔

پنکھا (Punkha):

اس لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں نے دستی پنکھوں اور چھت سے لٹکے ہوئے پنکھوں کا ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس نے جو اقتباسات درج کیے ہیں وہ ۱۱۵۰ء، ۱۱۶۶ء، ۱۳۰۰ء، ۱۵۹۶ء، ۱۵۹۸ء، ۱۶۰۱ء، ۱۶۶۳ء، ۱۷۸۷ء، ۱۸۹۷ء، ۱۸۰۹ء، ۱۸۱۰ء، ۱۸۲۳ء اور ۱۸۵۲ء کی تحریروں سے لیے گئے ہیں۔ قدیم ترین حوالہ فرانسسی زبان میں مشہور مورخ اور محقق دوزی کے لغت سے ہے جس میں ہسپانوی اور پرتگیزی زبانوں کے ان الفاظ کا بیان ہے جو عربی سے لیے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ایک تحریر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 'خیش' ایک قسم کا پنکھا تھا جو ہوا جھلنے کے کام بھی آتا تھا اور بعض اوقات اس پر خوشبو کا پانی ڈال کر کمرے کو معطر کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد الغزالی کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'خیش' خلیفہ منصور (۸۵۳ء-۷۷۷ء) کی ایجاد ہے۔

پنجاب (Punjab): پنجاب کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد فرہنگ میں پنجاب کے دریاؤں کے قدیم نام سنسکرت اور یونانی زبانوں میں دیے گئے ہیں اور ان کے موجودہ ناموں کے اشتقاق پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لفظ 'پنجاب' کے بارے میں حسب ذیل اقتباسات پیش کیے گئے ہیں:

قبل مسیح: رامائن میں 'پنجند' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۹۴۰ء: مسعودی نے پانچ دریاؤں کی سرزمین کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۲۰ء: البیرونی نے بھی 'پنجند' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۱۳۰۰ء: وصاف نے 'پنجاب' لکھا ہے۔

۱۳۳۳ء: ابن بطوطہ نے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۰۰ء: تیمور نے 'پنجاب' لکھا ہے۔

۱۶۲۸ء: وان ٹوسٹ نے 'پنگاب' کا ذکر کیا ہے۔

۱۷۱۰ء: ولنٹین (Valentijn) نے لاہور کا ذکر کرتے ہوئے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد فاسٹر (۱۷۹۰ء)، رینیل (۱۷۹۳ء)، ولنٹین (۱۸۰۴ء) اور مالکم (۱۸۱۵ء) سے اقتباسات پیش کیے

گئے ہیں۔ (۱۹)

لغت کا نام ہاسن جاسن (یا حسن یا حسین) رکھنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یول کو حضرت امام حسن اور حضرت امام

حسین سے عقیدت ہوگئی ہو کیونکہ یول کے والد نے بھی حضرت علیؑ پر کام کیا تھا۔

ڈاکٹر فیلمن

فیلمن نے New Hindustani English Dictionary ۱۸۷۲ء میں تیار کیا۔ تاریخی لحاظ سے یہ لغت

نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں چند ایسی خوبیاں ہیں جو اس سے پہلے والی لغات میں نہیں تھیں۔ اس لغت نے آنے والی

لغات پر بہت اثر ڈالا۔ اس میں ذخیرۃ الفاظ بھی زیادہ ہے اور الفاظ مختلف طبقات سے لیے گئے ہیں۔ نیز عورتوں کی بول چال

کے الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں۔ الفاظ کے معنی بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ایس

کے حسینی لغت سے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

”ابا۔۔Abba (n) (m) ابو (z) اَب۔بابا (Bap (Old p.) (Z+H)

[=(n) اسم=(n) مذکر (Z) ژند (old P) =فارسی قدیم (h) ہندی]

Papa- Father- Baba- Bapu- Bava (H)

آبرو آب Brightness+رو۔face۔عزت، کردار، موقف

آبرو جگ میں تو جان جائے لشم ہے

آبرو دنیا میں یار و موتی کی سی آب ہے

یہی ہمارے گھر کی آبرو ہے۔ آبرو اتارنا، آبرو بگاڑنا، یا بگاڑ لینا، آبرو خاک میں ملانا، آبرو پیدا کرنا، آبرو پانا، آبرو دینا، آبرو رکھنا، آبرو کا لاگو ہونا، آبرو کے پیچھے پڑنا، آبرو میں بٹا لگنا، آبرو میں فرق آنا۔ اس طرح وہ لفظ کے ماخذ، لفظ کے مرکبات، لفظ سے متعلق محاورات وغیرہ قلم بند کرتا ہے، لفظ کے استعمال کے متعلق بھی اشعار اور جملوں سے سند پیش کرتا ہے اور لفظ کی گرامر بھی اس لغت میں ملتی ہے۔“ (۲۰)

ڈبلیو ایس فیلین نے لغت کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"The chief features of the present work are the prominence given to the spoken and rustic mother-tongue of the Hindi speaking people of India; the exhibition, for the first time, of the pure, unadulterated language of women; and the illustrations given of the use of words by means of examples selected from the everyday speech of the people, and from their poetry, songs, and proverbs, and other folklore"

جب یہ کتاب مرتب ہوئی۔ انھوں نے جو مثالیں ادبی کتابوں اور روزمرہ بول چال سے شامل کرے گا ارادہ کیا تھا وہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ وہ دوسری ڈکشنری ”انگریزی سے ہندوستانی“ لکھنے میں مصروف ہو گئے اور اس ارادے کو ترک کرنا پڑا۔

مولوی عبدالحق لغت کبیر کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ لغت کی ان سب کتابوں پر فیلین اور پلیٹس کی لغات سبقت لے گئی ہیں۔ فیلین نے یہ خاص اہتمام کیا ہے کہ الفاظ اور محاورات کے استعمال کی سند میں عوام کے گیت، ضرب الامثال اور فقرے اور اساتذہ کے اشعار نقل کیے ہیں۔ لیکن اردو کے ادبی الفاظ کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی فارسی لفظ جو اردو زبان و ادب میں عام طور پر مروج ہیں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ادبی الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور کوئی

لغت ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

فیلن نے ڈکشنری میں الفاظ کے معانی لکھنے کے علاوہ اس بات پر خصوصی توجہ کی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی روزمرہ بول چال کے الفاظ ان کے مآخذ اور محل استعمال تفصیل کے ساتھ درج ہوں۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ استعمال کرنے والوں نے عوام کی زبان کو مشکل بنا دیا تھا۔ فیلن نے اپنی ڈکشنری میں عوام و خواص سب کی بول چال میں سے چیدہ چیدہ الفاظ، محاورے اور ضرب الامثال لے کر ”ہندوستانی“ زبان میں پیش کیا ہے۔

فیلن اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس نے اس بات کا بغور مشاہدہ کیا کہ اردو زبان مختلف صوبوں میں یا ایک ہی صوبے کے مختلف حصوں میں فرق فرق سے بولی جاتی ہے۔ کہیں تلفظ کا فرق ہے تو کہیں تلفظ اور معانی دونوں کا۔ فیلن نے ان پڑھ لوگوں کی زبان کو زیادہ صحیح یا حقیقت کے قریب قرار دیا ہے۔ لکھتا ہے۔

"Indeed the rustic language must needs be the more true to nature, and therefore, more vivid and expressive, because it is the expression of what an unlettered people have repeatedly themselves seen and felt."

اس طرح تقریباً ہر لفظ کے آٹھ آٹھ دس دس معانی بیان کیے ہیں۔ ہر لفظ کا مطلب بیان کرنے کے ساتھ ان سے متعلقہ محاوروں یا اشعار کو بھی درج کیا ہے۔

لغت کے ۱۲۱۶ صفحات ہیں اور آخر میں ۹ صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ بھی دیا گیا ہے۔ فیلن کی ایک اور اہم کتاب ”لائب اینڈ کمرشل ڈکشنری“ ہے۔ اس میں ہندوستانی زبان اور اس سے پیشتر جو لغات لکھی گئی تھیں ان کے بارے میں تنقید و تبصرہ ہے۔ ڈکشنری تجارتی، عدالتی اور قانونی معاملات میں بہت مفید و مددگار ثابت ہوئی۔ فیلن کا شمار یقیناً اردو کے محسن مستشرقین میں ہوتا ہے۔

پلیٹس

جان ٹی پلیٹس کی "A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English" ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اسے سنگ میل پہلی کیشنز، لاہور، نے بھی ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ اس کا ایک ۱۹۱۱ء کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ایک ۱۸۸۴ء کا نسخہ کتب خانہ مجلس زبان و فتری پنجاب میں موجود ہے۔ پلیٹس نے شیکسپیر کی لغت سے استفادہ کیا ہے۔ اس میں فیلن کی لغت کی اکثر خوبیاں مثلاً الفاظ کا انتخاب، معانی اور گرامر پر توجہ، وغیرہ مل جاتی ہیں۔ اس لغت میں اردو الفاظ فارسی، ناگری اور رومن رسم الخط میں ہیں۔ کئی الفاظ کا بھی ذخیرہ ملتا ہے اور اس کو آج بھی کارآمد سمجھا جاتا ہے۔ مقتدرہ

قومی زبان کا سلسلہ ”کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ“ جلد اول کے تحت جابر علی سید نے اس لغت کا جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اسی جائزے کا ابتدائی حصہ تدوین کے بعد پیش کیا جا رہا ہے:

Malts کی مبسوط اردو ہندی انگریزی لغات ۱۸۸۴ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی اس کے بعد کئی بار چھپی ہے۔

پلیٹس کی لغات فیلن کی کتاب کے مقابلے میں بہت زیادہ ضخیم اور وسیع ہے۔ اس نے اردو کے ساتھ ٹھیٹھ ہندی کے لفظ بھی لکھے ہیں اس کے علاوہ فارسی، عربی سنسکرت کے الفاظ کا بھی بہت کافی ذخیرہ ہے جن میں سے اکثر اردو زبان میں مروج ہیں۔ الفاظ کے معنوں میں زیادہ تفصیل اور وسعت پائی جاتی ہے اور اکثر الفاظ کے ماخذ اور اصل کا بھی اشارہ کیا ہے لیکن معنی اور استعمال کے لیے سند نہیں دی۔۔۔“ پلیٹس نے فارسی عربی الفاظ کو ناگری رسم الخط میں نہیں لکھا بلکہ صرف ہندی سنسکرت اور پراکرت الفاظ کو ناگری میں درج کیا ہے فارسی عربی الفاظ کو البتہ رومن حروف میں لکھا ہے لیکن ہندی الفاظ کو رومن اور ناگری دونوں رسم الخطوں میں درج کیا ہے اور یہ اضافی خوبی ہے۔

پلیٹس اور یائے مجہول: یہ امر اچنبھے کا ہے کہ ۱۸۸۴ء میں کوئی مصنف خصوصاً کوئی فرہنگ نویس یائے مجہول کی بجائے یائے معروف لکھے اور معنوی امتیازات کو مخدوش کرے۔ اول تو یہ انتہا درجے کی تقلید پرستی ہے کہ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی فرہنگوں میں جب کہ یائے مجہول لکھنے کا رواج نہ تھا، گلکرا اسٹ فرگوسن وغیرہ اور عبد پلیٹس و مینن میں اعراب کا کچھ فرق اور ارتقا نظر نہ آئے اور کلکتہ والوں کی لکیر کو پیٹنے چلے جائے۔ دوم یہ کہ اس اعرابی نظام سے جو معنوی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا بھی کچھ خیال کیا جائے۔ فارسی بارے کو باری لکھا جائے اور اس بات سے صرف نظر کر لیا جائے کہ متوسط درجے کا طالب علم اس کے معنی عربی کے باری اور فارسی کے باری سے مغشوش کر سکتا ہے۔۔۔ پلیٹس کا یہ فرسودہ اعرابی نظام اس کے چہرے پر بد نما داغ ہے۔ فرسودگی اور قدامت میں فرق ہے۔ ابھی جس اعرابی انجوبے پن کو دکھایا گیا ہے وہ فرسودگی کی علامت ہے۔ قدامت یہ ہے کہ روایت اور ماضی کے رجحانات کا سراغ اس سے بہتر کسی اور صورت میں نہیں مل سکتا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ بعض محاورات بدل سے جاتے ہیں جب ہمیں فرہنگوں میں ان محاورات کی جگہ ان کی پرانی صورتیں ملتی ہیں تو ایک خوشگوار اچنبھا ہوتا ہے۔

پلیٹس میں ایک محاورہ مندرج ہے تحت لفظ مردنی۔

۱- مردنی پھرنا جس کی جدید صورت مردنی چھا جانا ہے۔

۲- مردنی ہمئی تعزیت۔ محاورہ مردنی پہ جانا۔

پلیٹس کے بعض لفظوں کا ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اشتقاقیات کے تحت تخطیہ بھی کیا ہے ان میں لفظ تتکہ ہے۔

ملاحظہ ہوا اشتقاقیات مجلہ اردو نامہ، کراچی اکتوبر ۱۹۶۳ء۔ لفظ بھنڈ پیرا جو پلیٹس کی فرہنگ کی بجائے اس کی گرامر میں ہے (اسم۔ فاعل ہندی کی بحث) اسے شوکت سبزواری نے سؤر کے قدموں والا بمعنی منحوس قرار دیا ہے جبکہ پلیٹس کے نزدیک یہ بھونڈا کا مخفف ہے۔۔۔

پلیٹس کے محاسن بہت ہیں سب سے بڑی خوبی اس میں ہندی پراکرت اور سنسکرت کے الفاظ کا اندراج ہے جو اردو لسانیات، تقابلی اردو صوتیات اور ہندی ادبیات سے معقول واقفیت کا ذریعہ ہے۔۔۔

زبان کو ترقی دینے والے لوگ جن میں شعراء اور دبیر (نثر نگار) سرفہرست ہیں اور بگاڑنے والوں میں بھی یہی لوگ ہیں ایک ایک لفظ کے معانی میں تعدد کے شائق تر نظر آتے ہیں یہ حضرات یا عربی الفاظ کے سلسلے میں مادہ سے نکلنے والے مختلف ابواب و مشتقات میں نہ صرف مغائرت کی نشان دہی کرتے ہیں بلکہ بعض مخصوص دباؤ کے تحت ان میں ہم معنویت کا رشتہ بھی پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔

پلیٹس بھی اس کمزوری یا تعدد معانی و تعدیل الفاظ کا شکار ہے اس نے تجرد اور تجرید دونوں کے معنی celibacy بنائے ہیں (عدم تامل) فرہنگ آصفیہ میں بھی اگرچہ دونوں کے معنی تنہائی، علیحدگی بتائے ہیں لیکن عدم تامل یا کنوارا رہنا کے معنی نہیں بتائے اور اپنی حدود کے اندر رکھا گیا ہے۔ تجرید پسند کو تجرید پسند کہنا اتنا ہی غلط ہے جتنا کسی تجرید پسند (مصور یا شاعر) کو تجرید پسند قرار دینا۔ پھر چونکہ تعدد معانی میں بڑی کشش ہے اس لیے شعراء کے پیدا کردہ متعدد معانی کو بلا توقف تسلیم کر کے داخل لغت کر لیا جاتا ہے۔ فارسی کا لفظ داغ بمعنی سبزہ زار ہے لیکن اس کے معنی داسن۔ کوہ بھی قرار دینا وہی شاعرانہ وسعت معانی یا غلط تعبیر معنوی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک لفظ کے صرف ایک معنی بتانے میں فرہنگ نگار کی سبکی ہوتی ہے وہ کم از کم دو تین معنی تو بتائے تاکہ اس کی لیاقت ظاہر ہو۔۔۔

پلیٹس نے اپنی فرہنگ کے دیباچے میں ڈاکٹر فیلین کے رد کردہ ادبی علمی الفاظ کی حمایت کی ہے اور بظاہر ان کو شامل بھی کر لیا ہوگا لیکن ان الفاظ کا پتہ نہیں چلتا کہ کیا تھے مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اپنے مقدمہ، میں اس بات کا نوٹس لیا ہے اور پلیٹس ہی کی طرح فیلین کے اس وطیرے کو ناپسند کیا ہے کہ ادبی الفاظ علماء و منشیانِ بیع پسند کے دور اذکار اور عام زبان کے فنڈ سے دور اور غیر متجانس اصطلاحات سے عبارت ہیں۔ اس لیے ان کو شامل کرنا زبان کی مشکلات میں اضافہ کرنا ہے خود مولوی عبدالحق صاحب نے ایسے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ علوم شعری (عروض، بیان، بدلیج قافیہ وغیرہ) ہوں گے کیونکہ یہی خالص ادبی تنقیدی الفاظ ہیں جو علماء لسان و ادب کے نزدیک ایک ترقی یافتہ زبان کی نشانی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فیلین کا تصور لسانی محاورات ضرب الامثال چیتانوں اور نسائی لغات تک محدود معلوم ہوتا ہے۔ وہ زبان کے ظرف ادب

ہونے کے تصور کو نہیں سمجھتے اور صرف عوامی فنڈ کو روح لسان خیال کرتے ہیں۔ پلیٹس کا احتجاج بجائے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی زبان کے ادبی اور علمی حصہ سے کچھ زیادہ شغف نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ان الفاظ و اصطلاحات ادبیہ کا مطلب سمجھانے میں ناکام نظر آئے ہیں۔۔۔“ (۲۱)

جی۔ این۔ ریننگ (G. N. Ranking)

ریننگ نے انگریزی ہندوستانی لغت لکھی جو ۱۹۰۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین اس کے بارے میں کچھ تفصیل بتاتے ہیں:

”[ریننگ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں پہلے بمبئی اور پھر کلکتہ آیا اور فوج میں میڈیکل آفیسر مقرر ہوا اور زبان سیکھی۔ ۱۸۷۹ء میں بوجہ خرابی صحت انگلستان گیا اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ اس کے بعد ہندوستان آیا اور عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔ ۱۸۷۵ء میں فورٹ ولیم کالج میں بورڈ آف اگزامنز کے تحت ملازم ہوا اور ۱۹۰۵ء میں انگلستان چلا گیا اور وہاں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اردو کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں پھر ہندوستان آیا اور کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ، فارسی ادب اور ایرانی فلاسفی کا لیکچرار مقرر ہوا۔

ریننگ کی حسب ذیل تصنیفات کا پتہ لگ سکا ہے:

ہدایت الحکمتہ۔ کلکتہ۔ تھا کرائیڈ سپنک کمپنی۔ ہیڈسٹ مشن پریس۔ ۱۸۷۸ء۔ یہ کتاب ہندوستانی میڈیکل افسران کے لیے ہے۔

تعلیم اردو زبان۔ کلکتہ۔ تھا کرائیڈ سپنک کمپنی۔ کلکتہ سنٹرل پریس ۱۸۸۹ء۔

آسان اردو پاکٹ بک۔ کلکتہ۔ تھا کرائیڈ سپنک کمپنی۔ ۱۸۹۵ء

اردو پرومپوزیشن۔ کلکتہ۔ تھا کرائیڈ سپنک کمپنی۔ ۱۸۹۶ء

انگریزی اردو لغت۔ کلکتہ۔ تھا کرائیڈ سپنک کمپنی۔ ۱۹۰۵ء“ (۲۲)

حواشی و حوالہ جات

(۴) ڈاکٹر عطش درانی، اردو زبان اور یورپی اہل قلم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۷۵

- (۵) نذیر آزاد ”اردو لغت نگاری: مستشرقین کا حصہ“، مشمولاً اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، ڈاکٹر رؤف پارکھی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۳
- (۶) افتخار حسین، آغا یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۱۵-۱۳
- (۷) افتخار حسین، آغا، مخطوطات پیرس، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ۱۹۶۷ء
- (۸) افتخار حسین، آغا یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۱۲-۱۰
- (۹) ڈاکٹر رضیہ نور محمد، اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۵۵
- (۱۰) ڈاکٹر عیش درانی، اردو زبان اور یورپی اہل قلم، سبب میل پہلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳
- (۱۱) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۲۱-۲۰
- (۱۲) ایضاً ص ۴۳
- (۱۳) ایضاً ص ۵۰
- (۱۴) میر بہادر حسینی (مولف) قواعد زبان، اردو، خلیل الرحمن داؤدی (مرتب)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء
- ص ۳۲-۳۰
- (۱۵) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۷۰-۶۹
- (۱۶) ڈاکٹر مسعود ہاشمی، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۵۶-۵۵
- (۱۷) وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹-۱۵
- (۱۸) وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد ہفتم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۱۷-۹
- (۱۹) افتخار حسین، آغا، یورپ میں اردو، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۶۴-۵۰
- (۲۰) پروفیسر ایس کے حسینی، ”اردو لغت نویسی اور اہل انگلستان“، مشمولاً سہ ماہی افکار، برطانیہ میں اردو نمبر، شمارہ ۱۳۳، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۱۶۲-۱۶۱
- (۲۱) جابر علی سید، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، (جلد اول)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۲۱-۱۳
- (۲۲) افتخار حسین، آغا، یورپ میں اردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۷۰-۶۹

خود آزمائی

۱۔ اہل یورپ کی اردو لغت نویسی میں دلچسپی لینے کی وجوہات تحریر کریں۔

- ۲۔ جارج ابراہم گریرین کی اردو لغت نویسی میں خدمات پر روشنی ڈالیں۔
- ۳۔ فرانسکو ماریا کی مرتبہ لغت کی اہمیت پر تفصیل سے لکھیں۔
- ۴۔ اردو زبان اور اردو لغت نویسی کے میدان میں گلکرسٹ کی خدمات پر سیر حاصل بات کریں۔
- ۵۔ جان پلیٹس کی لغت کی اہم خصوصیات بیان کریں۔
- ۶۔ آغا افتخار حسین کی کتاب 'یورپ میں اردو' کی اہمیت پر نوٹ تحریر کریں۔

مجوزہ کتب

- ۱۔ اُوسلمان شاہجہانپوری (مرتب)، کتابیات لغات اُردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
- ۲۔ افتخار حسین، آغا، یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء
- ۳۔ افتخار حسین، آغا، مخطوطات پیرس، ترقی اُردو بورڈ، کراچی، ۱۹۶۷ء
- ۴۔ افتخار حسین، آغا، یورپ میں اُردو، مرکزی اُردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۵۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۶۹ء
- ۶۔ جابر علی سید، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، (جلد اول)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء
- ۷۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اُردو، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، طبع سوم، ۲۰۰۷ء
- ۸۔ خلیل صدیقی، لسانی مباحث، زمر پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۹۱ء
- ۹۔ رضیہ نور، ڈاکٹر، اُردو زبان اور ادب میں مُستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مکتبہ خیابان، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۱۰۔ رؤف پارکیز، ڈاکٹر (مرتب) اُردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
- ۱۱۔ سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج: ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۹ء
- ۱۲۔ عبدالحق، مولوی، لغت کبیر، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۷۵ء
- ۱۳۔ عطش دُرّانی، اُردو زبان اور یورپی اہل قلم، سنگ میل، لاہور، ۱۹۸۷ء
- ۱۴۔ گل کر سٹ اور اُس کا عہد، عتیق صدیقی، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، طبع دوم، ۱۹۷۹ء
- ۱۵۔ مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اُردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اُردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء
- ۱۶۔ میر بہادر حسینی (مؤلف) قواعد زبان، اُردو، خلیل الرحمن داؤدی (مرتب)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء
- ۱۷۔ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، (جلد سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
- ۱۸۔ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، (جلد ہفتم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

اردو لغت نویسی کا دورِ جدید

[فرہنگ آصفیہ، امیر اللغات، نور اللغات، جامع اللغات، فرہنگ عامرہ]

تحریر: ڈاکٹر گل احمد

نظر ثانی: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

129	یونٹ کا تعارف
129	یونٹ کے مقاصد
131	اردو لغت نویسی کے ادوار
131	اردو لغت نویسی کا دور اول
131	اردو لغت نویسی کا دور دوم
131	اردو لغت نویسی کا دور سوم
132	فرہنگ آصفیہ
134	امیر اللغات
136	نور اللغات
137	جامع اللغات
140	فرہنگ عامرہ
142	خود آزمائی
143	انشائیہ سوالات
144	کتابیات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ! دنیا کی ہر زبان اپنی بقا کے لیے لغات کو تیار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مفہیم میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ نئے الفاظ بھی زبانوں کا حصہ بنتے رہتے ہیں۔ اس لیے لغات کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ زبان اجتہادی عمل سے گزرتی رہے۔ اس یونٹ میں آپ اردو لغت نویسی کے ادوار اور ہر دور کی چیدہ چیدہ لغات کے بارے میں جانیں گے۔ اس سلسلے میں فرہنگ آصفیہ، امیر اللغات، نور اللغات، جامع اللغات اور فرہنگ عامرہ اوران کے مؤلفین اوران کی خصوصیات کے بارے میں پڑھیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ۱۔ اردو لغت کے ادوار کو جان سکیں۔
- ۲۔ ہر عہد کی لغات اوران کی خصوصیات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
- ۳۔ جدید دور کی اہم لغات، ان کی خصوصیات اوران کے مؤلفین کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

اردو لغت نویسی کے ادوار

دنیا کی کسی بھی زبان کی قدر و قیمت اور پائیداری کے لیے ذخیرہ الفاظ میں وسعت، ہمہ گیری اور تنوع کا ہونا ضروری ہے۔ اسی ذخیرہ الفاظ کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنا اور ان الفاظ کے معانی میں مختلف مفہیم کا بیان لغت نویسی کہلاتا ہے۔ علم لغت کا کام زبان کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے استعمال کے لیے ایک معیار پیش کرنا اور لفظوں کے مختلف رنگ کا تعین کرنا ہے۔

اردو زبان ایک ہمہ گیر زبان ہے۔ یہ مختلف عہد میں مختلف زبانوں سے استفادہ کرتی رہی۔ اس استفادے کے نتیجے میں ذخیرہ الفاظ کے معانی اور مفہیم کی تشریح و توضیح کی ضرورت پیدا ہوتی رہی۔ اس لیے اس کے ارتقائی سفر میں مختلف ادوار میں مختلف لغات کی تدوین ہوئی۔ اس عمل نے اردو زبان کے ادبی سفر کو منزل آشنا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ لغات کی تدوین کے اس سفر کو درج ذیل ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اردو لغت نویسی کا دور اول

اردو لغت نویسی کے ابتدائی عہد میں سب سے پہلے وہ لغات شامل ہیں جو فارسی زبان میں لکھی گئیں۔ ان لغات میں کئی الفاظ اردو کے بھی ملتے ہیں۔ اس کے بعد خالصتاً اردو لغات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں امام بخش صہبائی کو فوقیت حاصل ہے جنہوں نے فارسی لغت کی روایت کے برخلاف اردو صرف و نحو کے متعلق اپنی تالیف ۱۸۴۹ء میں پیش کی۔ اس لغت میں انہوں نے محاورات کو بھی شامل کیا۔ اس کے بعد سید ضامن جلال لکھنؤی نے ۸۰۴ صفحات پر مشتمل ایک لغت ”گنجینہ زبان اردو یعنی گلشن فیض“ کے نام سے مرتب کی جو ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اس لغت میں انہوں نے محاورات کی تشریح و توضیح اردو کی بجائے فارسی زبان میں کی۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے ایک اور لغت ”سرمایہ زبان اردو“ کے نام سے ایک اور لغت تالیف کی جس میں معانی اور محاورات دونوں کے مفہیم اردو زبان میں پیش کیے۔

دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بوٹرن کی خواہش پر نیاز علی بیگ بکبت نے ”مخزن فوائد“ کے نام سے اردو اصطلاحات و محاورات پر مشتمل ایک لغت مدون کی جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہوئی۔ اسی سال منشی چرنی لال نے ”مخزن المحاورات“ مدون کی جو اس وقت کی ضخیم ترین لغت کہا جاسکتا ہے۔ ۱۸۸۸ء میں مرزا محمد مرتضیٰ عرف مچھو بیگ عاشق لکھنؤی نے ”بہار ہند“ اور سید احمد دہلوی نے ”لغات اردو“ (خلاصہ ارمغان دہلی) تالیف کیں جو اسی سال شائع ہوئیں۔ ۱۸۹۰ء میں ”مصطلحات اردو“ کے نام سے مولوی اشرف علی لکھنؤی نے ایک لغت لکھنؤ سے شائع کی۔ شمس الدین فیض حیدر آبادی کی ایک لغت ”خزان الامثال“

بھی ملتی ہے جس میں الفاظ و محاورات کی سند اساتذہ کے کلام سے پیش کی گئی۔

۱۸۹۰ء کی تالیف اور ۱۸۹۲ء کی مطبوعہ ایک لغت ”جامع اللغات“ جلد اول از مفتی غلام سرور لاہوری نے مرتب کی۔ جس کا تفصیلی تذکرہ اسی باب میں شامل ہے۔ جامع اللغات کی تدوین و اشاعت کے دوران (۱۸۹۱ء) میں ”امیر اللغات“ مؤلفہ امیر احمد بینائی کی جلد اول ۱۸۹۱ء میں اور جلد دوم ۱۸۹۲ء میں آگرہ سے طبع ہوئی۔

سید احمد بلوی نے ”مصطلحات اردو“، ”لغات النساء“ کی تدوین نو اور ضروری تراجم اور معتد بہ اضافوں کے بعد ایک لغت ”ہندوستانی اردو لغت“ کے نام سے مدون کرنا شروع کی جو نظام دکن کی مالی معاونت سے ”فرہنگ آصفیہ“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد منظم لغاتی نصابات بھی مرتب کیے گئے۔

اردو لغت نویسی کا دور دوم

یہ دور بیسویں صدی کے نصف اول بلکہ دس سال کے مختصر عرصے پر مشتمل ہے جس میں ”فرہنگ آصفیہ“ اور ”امیر اللغات“ منظر عام پر آتی ہیں۔ ”فرہنگ آصفیہ“ کے بعد کئی چھوٹی بڑی لغات شائع ہوئیں مگر ان میں ”فرہنگ آصفیہ“ اور ”امیر اللغات“ جیسی گہرائی اور گیرائی نہ تھی۔ ان میں سے ایک قابل ذکر لغت ”فرہنگ شفق“ ہے جو منشی لالہ پرتاد شفق لکھنؤوی نے تالیف کی جو صرف محاورات پر مشتمل ہے۔

”امیر اللغات“ کے نامکمل کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے نور الحسن نیر کا کوری نے ۱۹۲۴ء میں ”نور اللغات“ کی تدوین شروع کی جس کا پہلا حصہ نیر پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کی چار جلدیں مکمل کی گئیں۔ جس کی آخری جلد اشاعت العلوم پریس، فرنگی محل، لکھنؤ سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ لغت اگرچہ ”امیر اللغات“ کی تکمیل کے طور پر مدون کرنے کی غرض سے شروع کی گئی مگر مؤلف لغت نے اس کا انداز ”امیر اللغات“ سے قطعاً مختلف اور جامع رکھا۔ ایک تو یہ کہ مؤلف ”نور اللغات“ نے ”امیر اللغات“ کے غیر لغاتی اجزا کو اپنی لغت سے باہر رکھا؛ یعنی انہوں نے اپنی لغت میں کسی اندراج، یا اندراج کے معنی کی صفات اور تشبیہات کو شامل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اندراج کی قاصل یا ماخذ کی نشان دہی کے سلسلے میں امیر بینائی جیسی تلاش اور تحقیق سے بھی کام نہیں لیا۔

اردو لغت نویسی کا دور سوم

اردو لغت نویسی کا دور سوم کا آغاز بیسویں صدی کے نصف اول سے ہوتا ہے۔ اس دور میں صرف ایک ہی لغت ”مہذب اللغات“ مکمل ہو پائی۔ اس کے علاوہ ایک لغت ”فرہنگ اثر“ بھی اس دور میں شامل ہے جو بنیادی طور پر دو سابقہ

لغات ”سرمایہ اردو“ اور ”نواللغات“ کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ یہ نواب جعفر علی خاں اثر لکھنؤی کی ایک جلدی تالیف ہے جس میں وہ خود لکھتے ہیں:

”سرمایہ اردو اور نواللغات اردو کی دو مشہور کتب لغت ہیں۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اپنی جگہ بڑی اہم اور گراں قدر تالیفات ہیں؛ پھر بھی ان دونوں میں بعض الفاظ و محاورات محل نظر ہیں۔۔۔ سرمایہ اردو اور نواللغات میں مندرجہ بعض الفاظ و محاورات سے میں نے جو اختلاف کیا ہے اس نے علاحدی کتابی شکل اختیار کر لی ہے۔“

(اثر لکھنؤی، فرہنگ اثر لکھنؤ؛ سرفراز قومی پریس، ۱۹۶۱ء، ص: ۹)

فرہنگ آصفیہ

فرہنگ آصفیہ اردو کی معروف ترین اور پہلی باقاعدہ مکمل لغت ہے۔ اس سے پہلے اردو، فارسی اور اردو انگریزی لغات شائع ہو چکی تھیں، جب کہ اردو محاورات کے چند مجموعے بھی چھپ چکے تھے، جن میں منشی چرن جی کی ”مخزن المحاورات“، امتیاز علی بیگ کی ”مخزن فوائد“ اور خود مولوی سید احمد دہلوی کی ”مصطلحات اردو“ وغیرہ شامل ہیں لیکن باقاعدہ اور مکمل اردو سے اردو لغت کا وجود نہیں تھا۔

سید احمد دہلوی: سوانح و آثار

فرہنگ آصفیہ کے مولف مولوی سید احمد دہلوی ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین حسنی حسینی سید تھے۔ ان کا آبائی سلسلہ نسب کئی پشتوں کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔ رسمی تعلیم مختلف مشہور اساتذہ اور پھر نارنل سکول دہلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے فطری میلان اور مشاہیر اہل علم کی صحبت سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ ابتدا ہی سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا، شعر کا بھی ذوق تھا، طالب علمی کے دور میں طویل فارسی نظم ”طفلی نامہ“ اور انشا کی ایک کتاب ”تقویۃ الصبیان“ لکھی۔ ۱۸۶۸ء میں انھیں اپنی عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ”فرہنگ آصفیہ“ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا اور اس کے مواد کی فراہمی شروع کر دی۔ اسی اثنا میں مسٹر فیلین نے انھیں بلا بھیجا۔ نوجوانی میں انھیں سات برس تک انگریز مستشرق ڈاکٹر فیلین کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا جو اردو انگریزی لغت مرتب کر رہے تھے۔ یہیں سے مولوی صاحب کو جدید لغت نگاری کے اصولوں کے تحت اپنی لغت مرتب کرنے کا خیال آیا۔ مولوی صاحب نے فیلین کی لغات سات برس کی محنت شاقہ کے بعد ختم کیں مگر ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کرتے رہے۔ ۱۸۷۸ء میں انھوں نے ”ارمغان

دہلی کے نام سے رسالے کی شکل میں لغت طبع کرنے کا آغاز کیا۔ بعد میں نظام دکن محبوب علی خان کی سرپرستی میسر آگئی تو انھوں نے اس لغت کو نظام دکن کے لقب آصف کی نسبت سے ”فرہنگ آصفیہ“ کے نام سے چھاپنا شروع کیا۔ ۱۸۸۰ء میں مہاراج الور کا سفر نامہ مرتب کرنے کے بعد لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ پنجاب بک ڈپو میں نائب مترجم مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ سید احمد دہلوی صاحب نے لاہور، دہلی اور شملہ کے سکولوں میں سرکاری ملازمت کی اور پٹیشن پائی۔ حکومت نے خان صاحب کا خطاب دیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور ممتحن بھی رہے۔ ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اس کی جلد اول ہی چھپی تھی، باقی تین جلدیں ان کے انتقال کے بعد چھپیں۔ ”رسوم دہلی“ میں ان کی ۳۶ تصانیف کی فہرست دی گئی ہے مگر ان کی شہرت اسی مایہ ناز لغت ”فرہنگ آصفیہ“ ہی کی رہیں منت ہے جس پر انھوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال صرف کیے۔

فرہنگ آصفیہ؛ جائزہ

فرہنگ آصفیہ صرف لغت ہی نہیں ہے بلکہ سید احمد دہلوی نے بعض اندراجات کے تحت بے حد تفصیل سے انسائیکلو پیڈیا کے انداز میں معلومات فراہم کی ہیں۔ مثال کے طور پر اولیائے ہند کے تحت ۴۳ مختلف صوفیاء کے تفصیلی حالات زندگی درج ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لغت انیسویں صدی کی گنگا جمنی تہذیب کا مرقع ہے جس میں اُس دور کے رسم و رواج، ملبوسات، شعری، ادبی و علمی اصطلاحات، زیورات، خوراک و مشروبات، نشست و برخاست وغیرہ سے متعلق الفاظ کا ایسا ذخیرہ ملتا ہے جو کہیں اور دستیاب نہیں۔

اس عظیم الشان لغت کی پہلی دو جلدیں ۱۸۸۸ء میں، تیسری جلد ۱۸۹۸ء میں، جب کہ چوتھی اور آخری جلد ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد بھارت اور پاکستان میں اس لغت کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے لیکن حیرت انگیز طور پر انھیں ہو، ہو چھاپ دیا گیا اور اصل لغت کے آخر میں جو اغلاط نامہ دیا گیا تھا، وہ بھی ہر بار جوں کا توں شائع کیا جاتا رہا۔

ہر چند ”فرہنگ آصفیہ“ سے قبل بھی اردو کی فرہنگیں تو ضرور چھپیں لیکن اتنی ضخیم فرہنگ، جس میں کم و بیش پچپن ہزار الفاظ و تراکیب و محاورات اور ضرب الامثال کا ذخیرہ تشریح و تحقیق اور سند و حوالہ کے ساتھ موجود ہو، اس سے قبل ناپید تھی۔ ”فرہنگ آصفیہ“ کو قبل ازیں تالیف کردہ فرہنگوں پر اس لیے بھی سبقت حاصل ہے کہ ان کتابوں میں مؤلفین نے الفاظ و محاورات کے اپنے فہم کے مطابق جو معانی بھی لکھ دیے، سو لکھ دیے، کسی کی سند نہ تھی اور سوائے معدودے چند کے کسی کے حوالے بھی درج نہ تھے۔ ”فرہنگ آصفیہ“ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں وہ سب لوازمہ موجود تھا جو ایک اچھی اور مستند لغت کا خاصہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد جو لغات بھی زیور طبع سے آراستہ ہوئیں انھوں نے ”فرہنگ آصفیہ“

کی خوشہ چینی ضرور کی۔ بعد کی چھپنے والی لغات میں ”نور اللغات“، ”فیروز اللغات“، ”لغات کشوری“، ”نسیم اللغات“، ”فرہنگ عامرہ“ اور ”علمی اردو لغت“ شامل ہیں۔

اس لغت میں مختلف زبانوں مثلاً عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی وغیرہ کے ساٹھ ہزار ایسے الفاظ جمع کیے گئے ہیں جو اردو تحریر اور روزمرہ بول چال کا حصہ ہیں۔ ہر لفظ کے مادے اور اشتقاق کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کے ساتھ معروف شعرا کے شعری نمونوں اور نثر نگاروں کے نثری ٹکڑوں کو سند کے طور پر درج کیا گیا ہے تاکہ تذکیر و تانیث کے فرق کو سمجھا جاسکے اور فصیح اور غیر فصیح کے درمیان امتیاز بھی ملحوظ خاطر رہے۔ اس کے علاوہ اس لغت میں محاورات، ضرب الامثال، تلمیحات، علمی و فنی اصطلاحات اور رسم و رواج کے مظاہر کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قلعہ معلیٰ کی بیگماتی زبان وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود اس میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ مثلاً الفاظ کی تحقیق میں غلطیاں ہیں اور بہت سے الفاظ اور بعض محاورے بھی شامل اشاعت نہ ہیں۔ اس کے علاوہ نقش محاوروں اور الفاظ کو بھی خاص طور پر شامل کیا گیا ہے۔ ان تمام خوبیوں اور خامیوں کے باوجود ایک تنہا شخص کا یہ تحقیقی کام اردو زبان کی لغت نویسی میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

امیر اللغات

امیر اللغات، مشہور شاعر، ادیب اور ماہر لسانیات امیر مینائی کی تالیف ہے۔ اس کی صرف ایک ہی جلد شائع ہو سکی جس میں صرف پہلا حرف ہی شامل ہو سکا۔ یہ لغت ۱۸۹۱ء میں مطبع مفید عام آگرہ کے تحت شائع ہوئی۔

امیر مینائی؛ سوانح و آثار

شاعر، ادیب، امیر احمد ۱۲ فروری ۱۸۲۹ء کو مولوی کرم محمد کے گھر لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور آپ کا تعلق مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھا۔ اس لیے مینائی تخلص اختیار کیا۔ ابتدائی درسی کتب مفتی سعد اللہ اور ان کے ہم عصر علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ خاندان کی صابریہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ سے بیعت تھی۔ شاعری میں اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۵۲ء میں نواب واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی اور حسب الحکم دو کتابیں ”شاد سلطان“ اور ”ہدایت السلطان“ تصنیف کیں۔ ۱۸۵۷ء میں نواب یوسف علی خاں کی دعوت پر رام پور گئے۔ ان کے فرزند نواب کلب علی خاں نے اُن کو اپنا استاد بنایا۔ اپنے عارضی قیام لکھنؤ کے دوران امیر مینائی نے ایک جریدہ ”دامن گلچیں“ کے نام سے نکالا۔ ابتدائی پرچوں میں ہندوستان کے بہترین شعرا طبع آزمائی کرتے تھے۔ امیر، داغ، جلال، ریاض اور شوق وغیرہ نے بھی اس میں اپنا کلام چھپوایا جب ۱۸۵۷ء میں فرنگی سازشوں اور سامراجی مظالم کے خلاف بغاوت کے شعلے لکھنؤ میں بھڑک اٹھے تو حضرت

امیر مینائی شہر سے آٹھ میل دور مغرب میں اودھ کے مردم خیز قصبے کا کوری میں پناہ گیر ہوئے اور وہاں اپنے ہم عصر اور اس زمانے کے بلند پایا وکیل و مصنف محسن کا کوری کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ اپنے دوست کے اخلاص و مروت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محسن کا کوری بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے اپنے نو مولود نو اسے کا نام بھی امیر احمد رکھا۔ محسن کا کوری نے جب اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ ”سمت کاشی سے چلا جانب متھر ابادل“ لکھا تو امیر مینائی کو خواب میں زیارت رسول نصیب ہوئی انہوں نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصیدے پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ جب محسن کا کوری کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی کہ اب صرف مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں ساری صلاحیتیں صرف کریں گے۔ انھوں نے عام گفتگو بھی کم کر دی بس ہر وقت درود پڑھا کرتے اگر فکر شعر کرتے تو صرف نعت لکھتے۔ اسی سے متاثر ہو کر حضرت امیر مینائی نے پورا ایک دیوان ہی مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتب کر ڈالا۔ ان سے پہلے نعتیہ دیوان کی روایت اردو میں نظر نہیں آتی ہے حالانکہ عربی و فارسی میں متعدد نعتیہ دوادین موجود ہیں۔ محسن کا کوری کے بیٹے نور الحسن نیر کا کوری تھے جو ان دنوں ایسی فرہنگ مرتب کرنے میں مصروف تھے جس میں لکھنؤ اور اس کے اطراف و اکناف میں بولی جانے والی اور ہمہ وقت تغیر پذیر اردو زبان کے الفاظ و اصطلاحات جمع کی جاسکیں۔ اسی کوشش میں انھوں نے اپنی نادر روزگار لغت ”نور اللغات“ مرتب فرمائی اور اپنے گھر کو نور اللغات آفس کا نام دیا۔ ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد گئے وہاں کچھ دن قیام کیا تھا کہ بیمار ہو گئے اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں وہیں انتقال کیا۔

متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک دیوان ”غیرت بہارستان“، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوا۔ موجودہ تصانیف میں دو عاشقانہ دیوان ”مراۃ الغیب“ اور ”صنم خانہ عشق“ اور ایک نعتیہ دیوان ”محمد خاتم النبیین“ ہے۔ دو مثنویاں ”نور تجلی“ اور ”ابر کرم“ ہیں۔ ”ذکر شاہ انبیاء“ بصورت مسدس مولود شریف ہے۔ ”صبح ازل“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور ”شام ابد“ وفات کے بیان میں ہے۔ چھ واسوختوں کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ نثری تصانیف میں ”انتخاب یادگار شعرائے رام پور“ کا تذکرہ ہے، جو نواب کلب علی خان کے ایما پر ۱۸۹۰ء میں لکھا۔ لغات کی تین کتابیں ہیں۔ ”سرمہ بصیرت“ ان کی فارسی و عربی الفاظ کی فرہنگ ہے جو اردو میں غلط مستعمل ہیں۔ ”بہار ہند“ ایک مختصر لغت ہے۔ سب سے بڑا کارنامہ ”امیر اللغات“ ہے اس کی دو جلدیں الف ممدودہ و الف مقصورہ تک تیار ہو کر طبع ہوئی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

امیر اللغات: جائزہ

امیر مینائی ایک نہایت ہی بلند پایہ شاعر اور صاحب علم انسان تھے۔ انھوں نے اپنی لغت ”امیر اللغات“ پر کام شروع کیا مگر صرف پہلا حرف ہی شائع کر سکے اور ان کی زندگی نے وفانہ کی۔ ”امیر اللغات“ میں امیر مینائی نے حتی الامکان بڑی محنت اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ ہر لفظ پر اعراب کا اہتمام کیا ہے۔ رسم الخط کی بھی پابندی کی گئی ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ تذکیر و تانیث اور جس زبان کا لفظ ہے؛ اس کی علامت بھی لکھ دی ہے۔ خال خال کسی لفظ کی اصل بتائی ہے۔ ایک محاورے یا لفظ کے

لیے کئی اشعار بلا ضرورت نقل کیے گئے ہیں۔ بعض الفاظ کی صفات، تشبیہات اور استعارے کی تفصیل میں کئی صفحے وقف کر دیے گئے ہیں۔

نور اللغات

نور اللغات نور الحسن نیر کا کوری کی تالیف کردہ ہے جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ لغت کی تالیف کا کام ۱۹۱۴ء میں شروع ہو گیا تھا مگر اس کی پہلی جلد نیر پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ بعد میں دوسری جلد ۱۹۲۷ء میں، تیسری جلد ۱۹۲۹ء اور چوتھی اور آخری جلد ۱۹۳۱ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

نور الحسن نیر کا کوری

نور الحسن نیر کا کوری ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مشہور شاعر محسن کا کوری تھے جو اپنے عہد کے ممتاز نعت گو شاعر تھے۔ ان کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک جا پہنچتا ہے۔ قرآن شریف اور ابتدائی رسالے اپنے جد امجد مولوی حسن بخش علوی سے صرف و نحو شروع کی۔ دس سال کی عمر میں آپ کے والد نے علامہ فضل الحق خیر آبادی کے ایک شاگرد مولوی ہدایت علی بریلوی کو ان کی تعلیمی ضروریات کے لیے ان کا اتالیق مقرر کیا۔ مشرقی علوم کے حصول کے بعد وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ جولائی ۱۸۸۲ء میں سرکاری مڈل سکول کے درجہ دوم میں داخل کر دیے گئے۔ اپریل ۱۸۸۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے بارہ بنکی چلے گئے۔ جہاں صحت نے اجازت نہ دی تو اٹاواہ چلے گئے۔ یہاں بھی صحت کے مسائل نے آن گھیرا اور واپس آ گئے۔ اس کے بعد لکھنؤ آ گئے اور جولائی ۱۸۸۷ء میں کیننگ کالج کی انٹرنس کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ۱۸۹۱ء میں اسی کالج کی بی اے کی کلاس میں داخل ہوئے۔ دسمبر ۱۸۹۷ء میں ایل۔ ایل۔ بی۔ کی ڈگری مکمل کی۔ ۱۸۹۸ء میں آپ نے وکالت شروع کی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو جج کے لیے روانہ ہوئے۔

شاعری میں نور الحسن نیر نے پہلے اپنے والد اور پھر امیر مینائی کا تلمذ اختیار کیا۔ مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ اس کے علاوہ محافل میلاد کا بھی انعقاد کرتے تھے اور بھر پور سماجی اور مذہبی زندگی گزاری۔ یکم ستمبر ۱۹۳۶ء کو وفات پائی اور آپ کی آخری آرام گاہ چھنچھری روضہ کا کوری، بھارت میں ہے۔

آپ کی تالیف کردہ کتب میں: ڈائجسٹ آف اودھ کیس لا، فارسی جدید، کلیات نعت مولوی محسن کا کوری، خورشید، تعلیمات منطوم اور نور اللغات شامل ہیں۔

نور اللغات

”نور اللغات“ اپنی صحت اور وسعت کے لحاظ سے اہم ہے لیکن اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ نیر کا کوروی کا فلسفہ لغت نویسی امیر مینائی، مولوی سید احمد دہلوی اور جعفر علی خاں آثر تینوں کے فلسفوں سے مختلف ہے۔ مثلاً نیر کا کوروی نے ”امیر اللغات“ میں شامل غیر لغاتی اجزا کو اپنے لغت سے باہر رکھا، یعنی انھوں نے کسی اندراج کے معنی کی وضاحت اور تشبیہات کو اپنی لغت میں شامل نہیں کیا ہے۔ آثر لکھنوی نے ایک طرف تو ”نور اللغات“ میں درج بہت سے متروکات کو متروک ماننے سے انکار کر دیا تو دوسری طرف ”نور اللغات“ کے بہت سے اندراجات کو ”گنوارہ“، ”غیر فصیح“، ”تکسال باہر“، لکھنؤ میں غیر مروج قرار دیا۔ سید احمد دہلوی کی ”فرہنگ آصفیہ“ کے خلاف ”نور اللغات“ میں عاری محاورے الفاظ کم ملتے ہیں۔ سند کا التزام ”نور اللغات“ میں بہت رکھا گیا ہے لیکن زیادہ تر اسناد لکھنؤ کے شعرا سے اخذ کی گئی ہیں۔ ”فرہنگ آصفیہ“ کے بعد ”نور اللغات“ کو اردو کی دوسری سب سے بڑی اور جامع لغت کہا جا سکتا ہے۔ ”فرہنگ آصفیہ“ کی طرح ”نور اللغات“ میں بھی اندراجات کے لیے بجائی ترتیب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے مگر اس میں فرق کے ساتھ کہ اس میں مفردات کو اصل اندراج کی حیثیت دے کر تمام مرکبات اور محاورات کو ذیلی اندراج کے طور پر لکھ دیا ہے۔ تلفظ کی نشان دہی کے لیے ایک سے زائد طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔

”نور اللغات“ میں محض مفردات ہی اصل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں اصل زبان میں اندراج کی نوعیت اور مادہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ اس لغت کی اہمیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل کی نشان دہی اور ان کے لغوی معنی کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر ”نور اللغات“ کا طرز اور طریق کار Prescriptive ہے، Descriptive نہیں۔ یعنی وہ استعمال عام سے زیادہ کتابی اور علمی اسناد ہر اعتماد کرتے ہیں۔ لہذا عربی، فارسی کے بہت سے الفاظ جو اردو میں بدلے ہوئے تلفظ سے رائج ہیں، ”نور اللغات“ میں ان کا اصل عربی، فارسی میں درج کیا گیا ہے اور بعض اوقات اردو تلفظ یا اردو میں مروج معنی درج بھی کیے گئے ہیں تو اس صراحت کے ساتھ کہ یہ فارسی یا عربی میں نہیں ہے۔ بحیثیت مجموعی ”نور اللغات“ میں احتیاط اور صحت التزام اس زمانے کی دوسری بڑی اردو لغت یعنی ”فرہنگ آصفیہ“ سے بہتر ہے۔

جامع اللغات

جامع اللغات غلام سرور لاہوری کی مرتب کردہ اردو زبان کی لغت ہے۔ یہ لغت دو جلدوں میں ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۰ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۸ء میں مطبع نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوا۔ حروف تہجی کے اعتبار سے اس کے ۳۳

باب ہیں اور ہر باب میں ۶ فصلیں ہیں۔ لغت کی ترتیب الف بائی ہے لیکن فصول کی ترتیب آخری حرف کے اعتبار سے ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور لاہوری ۱۲۴۴ھ بہ مطابق ۱۸۳۷ء میں اپنے آبائی محلے کوٹلی مفتیاں، لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی غلام محمد سے حاصل کی۔ طب بھی اپنے والد سے پڑھی۔ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت ہوئے بعد ازاں مولانا غلام اللہ لاہوری کے حلقہٴ درس سے وابستہ ہو گئے اور ان سے علوم تفسیر و حدیث، فقہ، عربی، ادب، صرف و نحو، معانی و منطق اور تاریخ پڑھی۔ اپنے زمانے میں مفتی صاحب بے مثل عالم، ادیب، شاعر، بے نثر تاریخ گو، مؤرخ اور شہرہ آفاق تذکرہ نویس کہلائے۔ صرف و نحو، معانی و منطق اور تاریخ پڑھی۔ اپنے زمانے میں مفتی صاحب بے مثل عالم، ادیب، شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مؤرخ اور شہرہ آفاق تذکرہ نویس کہلائے۔

زندگی کا ابتدائی حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ اولاً سردار بھگوان سنگھ، رئیس لاہور اور جاگیر دار فتح گڑھ، چونیاں کی جائیداد کے مہتمم بھی رہے۔ پھر رائے بہادر کنہیا لال ہندی (ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن) نے آپ کو اپنے محلے میں ایک معقول مشاہرے پر ملازمت دلا دی تھی۔ کنہیا لال ہندی مفتی صاحب کے تلامذہ میں سے تھا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مفتی صاحب نے یہ ملازمت ترک کر دی۔ آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے کہ جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لیے موزوں تھی۔ طبع عالی میں حد درجہ استغنا تھا۔ حکام وقت سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پنڈت بیچ ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائٹ (رجسٹرار جامعہ پنجاب) نے بارہا کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے سے گریز نہ کریں کہ آپ جیسے فاضل مصنف کی حکومت ہند کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتب مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے لیکن مفتی صاحب نے کہا: نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹ کے اصرار کے باوجود آپ نے جامعہ پنجاب کا اعزازی فیلو بننا بھی منظور نہ کیا اور تادمِ زیست اپنے اسی مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

سر سید احمد خان ۱۸۸۴ء میں جب علی گڑھ کالج کے لیے چندے کے سلسلے میں لاہور آئے تو خان بہادر برکت علی کے پاس لاہور کے اکابرین کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ خاں بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمائندہ اجلاس اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دواڑہ، لاہور میں بلوایا۔ جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خاں بہادر نے آپ کا تعارف سر سید احمد خان سے کروایا۔ سر سید احمد خان آپ کی ذات سے بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: نام تو سنا تھا، آج مل بھی لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام ان کے سپرد کرنا چاہا۔

مفتی صاحب نے کہا: سید صاحب! میں اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوں، میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے، وہ اس مقصد کے لیے بہت مفید ہے اور پھر جماعتی اتحاد کے لیے عقائد کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں میں یہاں نہیں دیکھتا۔ سر سید احمد خان آپ کا یہ جواب سن کر خاموش رہے۔

ماہ جون ۱۸۹۰ء میں مفتی صاحب اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سید محمد کی معیت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ کو مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی اور پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمعرات ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو بدر کے مقامی علاقے منزل بڑ بالا حسانی میں انتقال کر گئے اور بڑ بالا حسانی منزل (مضافات جنگ بدر) میں دفن ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے جو رفیق سفر تھے، نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مفتی صاحب کثیر التصانیف تھے۔ اُن کی مشہور تصانیف میں: تاریخ مخزن پنجاب، حدیقتہ الاولیا، گلہ سستہ کرامت، خزینۃ الاصفیا، گنجینہ سروری، اخلاق سروری، گلشن سروری، مخزن کرامت، دیوان سروری، نعت سروری، بہارستان شاہی، زبدۃ اللغات، دیوان حمد ایزدی، مدینۃ الاولیا، تختہ لاہار، اقوال الاخرت، مخزن حکمت، تحفہ سروری انشائے یادگار اصغری اور جامع اللغات شامل ہیں۔

جامع اللغات کا جائزہ

”جامع اللغات“ ۱۸۹۰ء کی تالیف ہے اور ۱۸۹۲ء میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی۔ یہ عربی، فارسی اور اردو الفاظ، محاورات پر مشتمل سہ لسانی لغت ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ مؤلف نے ان تینوں زبانوں سے متعلق الگ الگ فصلیں قائم کیے ہیں اور ساتھ ہی اردو الفاظ و محاورات بھی الگ ہی جمع کیے ہیں۔

پوری لغت حروفِ تہجی کے اعتبار سے ۱۳۲ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ ہر باب کو پانچ سڈلوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ پہلی فصل لغاتِ عربی و فارسی، دوسری فصل اردو لغات (ہندی و سنسکرت)، تیسری فصل فارسی محاورات و اصطلاحات، چوتھی فصل اصلاحات و محاورات اردو اور پانچویں فصل متفرقات مثلاً ادویات و لغات متعلق علم طب پر مشتمل ہے۔ اس لغت کے صرف اردو مضمولات یعنی فصل دوم، لغاتِ اردو اور فصل چہارم اصطلاحات و محاورات اردو کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مؤلف کو ایک فارسی لغت ”زبدۃ اللغات“ یعنی لغاتِ سروری کی تدوین کا تجربہ حاصل ہونے کے باوجود اس لغت میں کافی خامیاں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ہر باب کی فصل اول، لغاتِ عربی و فارسی کے اکثر اندراجات مثلاً آب، آبرو، آسمان، آشنا وغیرہ، دوسری فصل لغاتِ اردو میں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح تیسری فصل فارسی محاورات

واصطلاحات، کی تشریح اردو میں کی گئی ہے۔ اور مثال اور اسناد فارسی ادب سے پیش کی گئیں ہیں۔ اسی طرح ترتیب اندراج کے سلسلے میں کسی خاص التزام کا احساس نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ ترتیب صرف ابتدائی حرف تک محدود رہ گئی ہے۔ چنانچہ ”آب“ کے بعد ”آپس“ پھر ”آبرو“ کا اندراج ہے یا پہلے ”آز“ کا اندراج ملتا ہے۔ اس کے بعد ”آز“ پھر ”آزا“ اور اس کے بعد ”آرہ و آزمائش“ کا۔ اس لغت کی صرف پہلی جلد ہی شائع ہو سکی۔

فرہنگ عامرہ

فرہنگ عامرہ اردو کا ایک مشہور اور معتبر لغت ہے جس میں عربی، فارسی اور ترکی زبان کے چالیس ہزار الفاظ کا ذخیرہ ہے جو اردو زبان میں مستعمل ہیں۔ ہر لفظ کے معانی تحقیقی انداز میں مرتب کیے گئے ہیں۔ اعراب کا بھی خصوصی اہتمام موجود ہے جس سے تلفظ کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ جدید انداز میں مرتب کی گئی ہے۔

محمد عبداللہ خاں خوشیگی

محمد عبداللہ خاں خوشیگی، پٹھانوں کے ایک قبیلے خوشیگی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا آبائی علاقہ خوجہ (اتر پردیش) تھا۔ جہاں بقول منیر احمد سلج آپ ۱۰ اگست ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ وصی اللہ کھوکھر جنھوں نے فرہنگ عامرہ کی تدوین نو اور تخریج کی ہے انھوں نے فرہنگ عامرہ کے فلیپ پر لکھا ہے کہ خود محمد عبداللہ خوشیگی نے اپنی تاریخ پیدائش کا سال ۱۹۰۰ء بتائی ہے۔ منیر احمد سلج کے مطابق ان کی وفات ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو کراچی میں ہوئی۔ وصی اللہ کھوکھر نے محمد احسن خان کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے ۱۹۷۰ء میں کراچی میں محمد عبداللہ خاں خوشیگی سے ملاقات کی ہے۔ اس اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ ابھی تک ان کے سوانحی خاکے سے خالی ہے۔ ابھی تک ان کی مکمل سوانحی زندگی کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ فرہنگ عامرہ کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں مگر مؤلف کے سوانحی خاکے سے خالی ہیں۔

ان کی تالیف کردہ کتب میں فرہنگ عامرہ، مقالات سرسید، مرقع رباعیات اور بوستانِ قلم شامل ہیں۔ فرہنگ عامرہ لغت کی کتاب ہے۔ مقالات سرسید، سرسید احمد خان کے مضامین کا انتخاب ہے۔ ”مرقع رباعیات“ چالیس مقتدر شعرائے اردو کی رباعیات کا خوب صورت انتخاب ہے۔ جب کہ ”بوستانِ قلم“ محمد عبداللہ خاں خوشیگی کے نام مختلف مشاہیر کے خطوط ہیں جو انھوں نے خود مرتب کیے ہیں۔

فرہنگ عامرہ کا تجزیہ

فرہنگ عامرہ کی خصوصیات کو جدید انداز میں مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مؤلف نے اس فرہنگ کو مرتب

- کرتے ہوئے مغربی اصول و ضوابط کو مد نظر رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے دیباچے میں خود اس لغت کی انفرادیت اور خصوصیات کو بیان کیا ہے جس کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:
- ۱۔ اس لغت میں حروف تہجی کی ترتیب جدید انداز میں پوری صحت کے ساتھ قائم رکھی گئی ہے۔ جس سے الفاظ تک رسائی میں آسانی ہوتی ہے۔
 - ۲۔ اعراب اور علامت ترکیبی سے تلفظ کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔
 - ۳۔ صیغہ جمع کا مفرد لفظ بھی درج کیا گیا ہے تاکہ اس لے معانی سمجھنے میں آسانی ہو۔
 - ۴۔ اس لغت میں اردو میں مستعمل فارسی مصادر کے مضارعات اور ان کے سماعی اور قیاسی مشتقات کا بھی خاص انتظام ملتا ہے۔
 - ۵۔ فارسی کے وہ الفاظ جو ایک ہی لغت میں دو مختلف صورتوں میں موجود ہیں؛ اس تشکیک کو دور کر کے اس الفاظ کی پوری تصریح اس لغت میں کر دی گئی ہے۔
 - ۶۔ اس لغت کی تدوین کے زمانے کے جدید الفاظ، زندہ مراتب اور مدرسات بھی درج کر دیے گئے ہیں۔
 - ۷۔ مخرب الاخلاق استعارات، محرک جذبات، شوش تزییہات سے اجتناب کیا گیا ہے۔
 - ۸۔ اشیا کی ماہیت اور معانی میں جو جدید تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں؛ اور غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ ان کی جگہ نئی تحقیقات کو داخ لغت کیا گیا ہے۔
 - ۹۔ اس لغت میں اسما الرجال کی ترتیب اور تہویب سے تاریخی حقائق کو پوری صحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
 - ۱۰۔ لغات کے معانی میں مجلسی رواداری کا احترام حتی الامکان ملحوظ، خاطر رکھا گیا ہے۔

خود آزمائی

معروضی سوالات

- سوال نمبر ۱: سید احمد دہلوی کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟
- سوال نمبر ۲: ”جامع اللغات“ کے مؤلف کون ہیں؟
- سوال نمبر ۳: ”نور اللغات“ کے مؤلف کون ہیں؟
- سوال نمبر ۴: ”فرہنگ آصفیہ“ کتنی جلدوں پر مشتمل ہے؟
- سوال نمبر ۵: ”فرہنگ عامرہ“ کے مؤلف کا نام بتائیں؟
- سوال نمبر ۶: ”امیر اللغات“ کس کی تالیف ہے؟
- سوال نمبر ۷: مفتی غلام سرور لاہوری نے کون سی لغت مرتب کی؟
- سوال نمبر ۸: نور الحسن نیر کا کوروی نے کون سی لغت مرتب کی؟
- سوال نمبر ۹: ”فرہنگ آصفیہ“ کی پہلی جلد کب شائع ہوئی؟
- سوال نمبر ۱۰: امیر بینائی نے جو لغت مرتب کی اس کا نام بتائیں؟

انشائیہ سوالات

- سوال نمبر ۱: فرہنگِ عامرہ کی امتیازی خصوصیات بیان کریں۔
- سوال نمبر ۲: نور اللغات کی افادیت پر جامع نوٹ لکھیں۔
- سوال نمبر ۳: جامع اللغات کس کی تالیف ہے نیز اس کے خصائص بیان کریں
- سوال نمبر ۴: فرہنگِ آصفیہ اردو کی ایک اہم لغت ہے؛ اظہارِ خیال کریں۔
- سوال نمبر ۵: امیر اللغات کس کی تالیف ہے؟ اس کی اہمیت اور اس کی خوبیوں پر تفصیل سے اظہارِ خیال کریں۔

کتابیات

- آثر لکھنؤی، فرہنگِ اثر، لکھنؤ؛ سرفراز قومی پریس، ۱۹۶۱ء
- ارشاد مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، مبادیاتِ لغت، نئی دہلی؛ لبرٹی آرٹ، ۲۰۰۴ء۔
- رؤف پارکیر، ڈاکٹر، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، اسلام آباد؛ ادارہ فروغ قومی زبان، طبع اول ۲۰۱۸ء۔
- رؤف پارکیر، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث، اسلام آباد؛ مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۲۰۱۰ء۔
- رؤف پارکیر، لغات: تحقیق و تنقید، کراچی؛ رنگ ادب پہلی کیشنز، ۲۰۲۰ء۔
- صفدر رشید، مغرب کے اردو لغت نگار، لاہور؛ مجلس ترقی ادب، جون ۲۰۱۵ء۔
- غلام سرور لاہوری، مفتی، جامع اللغات، لکھنؤ؛ نول کشور، ۱۸۹۲ء۔
- گوپی چند نارنگ، لغت نویسی کے مسائل، نئی دہلی؛ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، طبع اول ستمبر ۱۹۸۵ء۔

۱۹۴۷ء کے بعد اُردو لغت نویسی

مہذب اللغات، اردو لغت (تاریخی اصول پر)، فرہنگ تلفظ

تحریر: ڈاکٹر بی بی امینہ
نظر ثانی: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

147	یونٹ کا تعارف
147	یونٹ کے مقاصد
148	لغت نویسی: ایک تعارف
148	مہذب اللغات
150	اردو لغت (تاریخی اصول پر)
161	فرہنگ تلفظ
164	خود آزمائی
165	حواشی اور حوالہ جات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ! دنیا کی ہر زبان اپنی بقا کے لیے لغات کو تیار کرتی۔ تفہیم کے لیے اردو لغت نویسی کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں آخری دو اردو سے اردو لغات سے متعلق ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بہت سے اردو لغات منظر عام پر آئے، جن میں مہذب اللغات، اردو لغت (تاریخی اصول پر) اور فرہنگ تلفظ کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ زیر نظر یونٹ میں ان لغات کا تعارف اور جائزہ پیش کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ اردو لغت نویسی کا بنیادی تعارف حاصل کر سکیں۔
- ۲۔ یونٹ میں شامل لغات کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔
- ۳۔ جدید دور کی اہم لغات، ان کی خصوصیات اور ان کے مؤلفین کے بارے میں آگہی حاصل کر سکیں۔

لغت نویسی: ایک تعارف

جیسا کہ پچھلے ابواب میں بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اردو لغت نویسی کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے، جن میں آخری دور اردو بہ اردو لغات سے متعلق ہے۔ یہ دور برصغیر کے نوآبادیاتی عہد میں شائع ہونے والی اردو لغات سے آغاز ہوتا ہے، جس میں فرہنگ آصفیہ از مولوی سید احمد دہلوی، نور اللغات از مولوی نور الحسن نیر کا کوردی اور جامع اللغات از خواجہ عبدالحمید جیسی معروف اور معتبر لغات تاریخ کا حصہ بنتی ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بعد بھی آج تک جاری ہے۔ تاہم اس باب میں ۱۹۴۷ء کے بعد مرتب ہونے والی دیگر اردو لغات سے قطع نظر صرف تین لغات کا تعارف مقصود ہے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ مہذب اللغات

۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)

۳۔ فرہنگ تلفظ

۱۔ مہذب اللغات (۱۹۵۸ء-۱۹۸۹ء) از سید محمد میرزا مہذب لکھنوی:

اگر اردو زبان کی نمایاں اور ضخیم لغات کی فہرست مرتب کی جائے تو ان میں بغیر کسی توقف کے مہذب اللغات از سید محمد میرزا مہذب لکھنوی کا نام شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ کسی جماعت یا بورڈ کے بجائے فرد واحد کی سعی کا نتیجہ ہے اور لکھنؤ کے الفاظ و محاورات اور تصرفات کی ایک جامع لغت ہے، جو ۱۴ جلدوں میں منقسم ہے۔ اسے اردو لغت بورڈ، کراچی کی لغت کے بعد اردو کی دوسری ضخیم لغت کہا جاسکتا ہے، جس کی پہلی جلد ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی جب کہ چودھویں اور آخری جلد ۱۹۸۹ء میں طبع ہوئی۔

مقصد تالیف پر بات کی جائے تو جس طرح سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ کے ذریعے دہلی کے الفاظ و محاورات کو محفوظ کرنا چاہتے تھے اسی طرح زمانے کے روز افزوں انقلابات کو دیکھ کر مہذب لکھنوی کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حالات کی یہی روش رہی تو لکھنؤ کی اردو زبان محفوظ نہیں رہ سکے گی اس لیے اردو کی ایک ایسی لغت مرتب کی جائے، جس میں یہ زبان محفوظ کی جاسکے؛ دہلی اور لکھنؤ کی زبانوں کے تصرفات واضح ہوں اور فصیح اور غیر فصیح، مذکر اور مؤنث اور عوام و خواص کی زبان میں امتیاز روا رکھا جاسکے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ اس میں لکھنؤ کی زبان کو سند تسلیم کیا گیا ہے، جس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر رؤف پارکھی اسے اردو زبان کے ساتھ زیادتی اور اسے محدود کرنے کی کوشش قرار دیتے ہیں اور اس کا سبب یوں بیان کرتے ہیں کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جو وسیع و عریض اور مختلف لسانی پس منظر کے حامل علاقوں میں بولی جاتی ہے اور کئی

علاقائی روپ کی حامل ہے۔ ۲

مہذب لکھنوی نے ۱۹۳۸ء یا اس سے کچھ قبل ہی لغت کی تدوین کے کام کا آغاز کر دیا تھا، جس میں راجہ محمد امیر احمد خان المعروف راجہ صاحب آف محمود آباد (اودھ) نے ان کی اعانت فرمائی۔ ۳ شروع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ لغت کو قسط وار شائع کیا جائے گا اور پھر اس کی جلدیں مرتب کی جائیں گی۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں ۸۲ صفحات پر مشتمل لغت کی پہلی قسط شائع ہوئی اور بعد ازاں ہزار صفحات کے بجائے پانچ سو صفحات باقساط شائع کرنے کے بعد ان کی ایک جلد ترتیب دی گئی اور اس کے بعد کی دوسری جلدیں قسط وار شائع ہونے کی بجائے مکمل جلد کی صورت میں طبع ہوئیں۔

اس لغت کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ لغت میں اردو کے الفاظ، محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال، شخصیات، مقامات اور مشہور واقعات سے متعلق لغات کا اندراج کیا گیا ہے، لیکن ترتیب اندراجات میں یہ اصول اپنایا گیا ہے کہ کسی بھی اندراج کے ذیلی اندراجات، اصل اندراج کے بعد درج نہیں کیے گئے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے، جو نہ صرف لغت نویسی کے معروف اور مروجہ اصولوں کے منافی ہے بلکہ صارف لغت کے لیے بھی مشکل کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ فصیح اور غیر فصیح زبان کے امتیازات واضح کرنے کے لیے خصوصی کاوش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ لکھنؤ کی لغت ہے اس لیے فصاحت کا معیار لکھنوی زبان ہے۔ جب کہ غیر فصیح زبان سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے استعمال سے فصحا احتیاط برتتے ہیں یا پھر وہ دیگر زبانوں کے الفاظ ہیں اور اردو بولنے والے خاص گروہ مثلاً اعلیٰ عربی دان طبقے میں مستعمل ہیں لیکن اردو کی عام فہم زبان کے لیے ان کی ثقالت قابل قبول نہیں۔

۳۔ زیادہ تر معنی کی وضاحت مترادفات کے ذریعے کی گئی ہے لیکن کہیں کہیں لغت کو کامل بنانے کے لیے الفاظ کی تشریح میں کسی حد تک طوالت سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم جن لغات کے لیے بیک وقت مترادفات اور وضاحت دونوں دیے گئے ہیں وہاں پہلے مترادفات اور پھر لفظ کی وضاحت ملتی ہے۔

۴۔ اس لغت کی سب سے نمایاں خاصیت ”قول فیصل“ ہے۔ اس کے مطابق لغت میں کسی بھی لفظ کے معنی بیان کرنے یا اس کی تشریح اور سند کے اندراج کے بعد ”قول فیصل“ کی سرخی دی گئی ہے اور اس کے ذیل میں کسی لفظ کے فصیح یا غیر فصیح، متروک یا رائج ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس طرح مرتب لغت نے کسی بھی لسانی مسئلے کا حتمی حل صرف اپنی یعنی فرد و واحد رائے کی بنا پر پیش کر دیا ہے۔ اس امر کو کسی بھی زبان کی بابت درست نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔ غالباً اسی لیے اس کے متعلق ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے یہ رائے دی ہے کہ اس وصف کی بنا پر یہ لغت تدوین

کے دائرے سے نکل کر تنقید کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے۔ ۴

۵۔ مؤلف نے لغت میں فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات کے اندراجات درج کر کے ان کے مروج ہونے سے متعلق اپنی ذاتی رائے دی ہے جس کی بنا پر اسے مذکورہ لغات کا محاکمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۵

۶۔ لغت میں ہر لفظ کی تذکیر و تانیث کی وضاحت موجود ہے۔

۷۔ تلفظ کی وضاحت کے لیے اعراب کے ساتھ ساتھ ہم وزن یا مساوی الحركات الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ نہ صرف مختلف المعنی اور جداگانہ تلفظ رکھنے والے الفاظ کا الگ الگ اندراج کیا گیا ہے بلکہ قواعدی حیثیت کے اختلاف کے اعتبار سے بھی ایک لغت کو ایک سے زائد مرتبہ درج کیا گیا ہے۔

ان تمام خصائص کی بنا پر اسے ایک اہم لغت قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ یہ ہندوستان سے شائع ہوئی ہے اس لیے پاکستان میں باآسانی دست یاب نہیں ہے۔ یہاں ایک اور امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ اسی عنوان کے تحت مکرم لکھنوی کی ایک مختصر لغت بھی طبع ہوئی ہے، جو ۱۹۸۱ء میں کراچی سے منظر عام پر آئی ہے۔ یہ مہذب لکھنوی کی لغت سے یکسر مختلف ہے ان معنوں میں کہ اس لغت میں اردو الفاظ و تراکیب کے نئے اور مختلف استعمال کی اسناد بالخصوص اخبارات اور ڈائجسٹ وغیرہ سے دی گئی ہیں۔ ۶

۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) (۲۰۱۰ء-۱۹۵۸ء) از اردو لغت بورڈ، کراچی:

اردو لغت (تاریخی اصول پر) ایک سو پندرہویں صدی میں مکمل مرتب ہونے والی اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور اردو زبان و ادب کی ضخیم ترین لغت ہے، جو اردو لغت بورڈ، کراچی کے زیر اہتمام ۵۲ سال کے طویل عرصے میں مدون ہوئی۔ یہ ۲۲ جلدوں پر مشتمل ہے اور آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی طرح تاریخی اصول پر مرتب ہونے والی اردو کی پہلی لغت ہے، جس کے پس منظر میں ایک پوری تاریخ کا فرما ہے۔

دراصل برصغیر پاک و ہند میں زبان اردو کی علاحدہ حیثیت متعین ہونے کے بعد اردو سے وابستہ تقریباً تمام اہل علم و ادب کی یہ خواہش رہی کہ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں اپنا حصہ ڈالا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں مختلف النوع کاوشیں سامنے آئیں وہیں کچھ منصوبے بھی ترتیب دیے گئے، جن میں دو اہم منصوبے سرسید احمد خاں کے بھی تھے:

اول: ہر لفظ کی صرفی اور نحوی حیثیت، اس کے معنی، تفصیل اور تشریح اور اساتذہ کے کلام سے اسناد پر مشتمل ایک جامع لغت ترتیب دی جائے۔

دوم: عہد سرسید تک کی تمام اردو کتب کے اجمالی تعارف پر مشتمل ایک قاموس کی اشاعت کو ممکن بنایا جائے۔
 مؤخر الذکر منصوبے کا تو آغاز ہی نہ ہو سکا تاہم لغت کی تالیف کی طرف، جس کا نام مشہور مستشرق گارسیس دتاسی کی تجویز پر لغت زبان اردو رکھا گیا، سرسید احمد خاں نے سنجیدگی سے توجہ دی اور اس کے ابتدائی حصے کے چند صفحات ۱۸۶۹ء میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں بھی شائع ہوئے، لیکن سرسید کی دیگر مصروفیات اور بعد ازاں ان کی وفات کے سبب یہ منصوبہ بھی ادھورا رہ گیا۔

چوں کہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق سرسید کے اس منصوبے کی اہمیت اور افادیت سے باخبر تھے لہذا انھوں نے اس کام کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا، جس کے لیے سازگار ماحول جامعہ عثمانیہ نے فراہم کیا۔ وہ سرسید کی لغت مذکورہ کی سب سے بڑی خامی یعنی لفظ کے اشتقاق اور اصل کی عدم موجودگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اس وقت کی موجودہ لغات (فرہنگ آصفیہ، نور اللغات اور مستشرقین کی مرتب کردہ لغات) کی کمیوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے رد و زبان کی ایک جامع، کلاں ترا اور مکمل لغت کی تالیف کی طرف متوجہ ہوئے، جس کے لیے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، پنڈت کیفی، پنڈت ونشی دھر، ہاشمی فرید آبادی اور مولوی احتشام الدین حقی دہلوی (شان الحق حقی کے والد) ان کے معاونین مقرر ہوئے۔ تقریباً دس بارہ برس میں ہی انھوں نے لغت کی ترتیب و تدوین کے لیے اس قدر علمی سرمایہ اکٹھا کر لیا کہ اس کی تکمیل یقینی نظر آنے لگی، لیکن تقسیم برصغیر کے اثرات کے زیر اثر جہاں دوسرے واقعات منظر عام پر آئے وہیں لغت کا دفتر بھی، جو حیدرآباد میں تھا، نذر آتش کیا گیا اور لغت کے مسودات اور دفتر کا بیش تر سرمایہ ضائع ہو گیا۔ تاہم ۱۹۳۹ء میں مولوی صاحب کچھ چیزیں انجمن ترقی اردو، کراچی تک بچالانے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے ادھورے منصوبے پر از سر نو غور کرتے ہوئے ایک بار پھر اسے مکمل کرنے کی ٹھانی۔

اب انجمن کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں تھا کہ مولوی صاحب کے ساتھ معاونین رکھے جاسکتے۔ لہذا انجمن کے کاموں سے فرصت پانے کے بعد جتنا بھی وقت میسر ہوتا مولوی صاحب لغت کی تالیف میں صرف کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلسل محنت کے بعد لغت کے دو ہزار صفحات میں تین حروف 'الف'، 'ب' اور 'بھ' ہی مکمل کیے جاسکے (۸) جو بعد میں لغت کبیر کے نام سے شائع ہوئے۔

اسی دور میں جب لغت کبیر کا کام انجمن ترقی اردو پاکستان کے زیر اثر جاری و ساری تھا، ترقی اردو بورڈ، کراچی کا، جسے اردو لغت بورڈ یا اردو ڈکشنری بورڈ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، (۹) قیام ۱۴، جون ۱۹۵۸ء کو وفاقی وزارت تعلیمات کی ایک قرارداد نمبر ایف ۱۱-۳/۵۷-ای IV کے تحت عمل میں آیا۔ (۱۰)

بورڈ کا پہلا اجلاس ۳۰ جولائی ۱۹۵۸ء کو منعقد ہوا جس میں مقصد اولیں یعنی لغت کی تدوین کے لیے ترتیب دیے

جانے والے منصوبے کی تفصیلات پر غور کرنے کے لیے باقاعدہ طور پر ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ کئی دن کی عرق ریزی اور جگر کاوی کے بعد جب کمیٹی نے اپنی سفارشات پیش کیں تو ان کو فروری ۱۹۵۹ء میں منظور کر لیا گیا اور مارچ ۱۹۵۹ء میں اس کام کے لیے ایک مختصر عملے کا تقرر بھی کر لیا گیا، جس کے مطابق بورڈ کے مدیر اعلیٰ نام و محقق ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور مشیر ادبی مشہور شاعر جوش ملیح آبادی تھے۔ تاہم اس ادارے کے قیام (۱۹۵۸ء) کے آغاز میں، جب تک بورڈ کے عملے، مدیران، نائب مدیران اور دیگر معاونین کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا، جناب عبدالحفیظ کاردار، جو سماجی حلقوں میں کرکٹ کے ایک مشہور کھلاڑی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں اور ۱۹۵۸ء میں نائب مشیر تعلیم، وزارت تعلیمات پاکستان کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے، اس ادارے کے اعزازی معتمد اور رکن مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں ان کے مستعفی ہونے کے بعد جناب شان الحق حقی نے ۱۹۷۶ء تک یعنی کم و بیش اٹھارہ سال تک اس عہدے کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ چونکہ انھیں لغت اور لغت نویسی کا فہم وراثت میں ملا تھا اس لیے وہ اس عہدے کے لیے نہایت موزوں شخص تھے۔ انھوں نے اپنے دور میں بورڈ کے ارکان کی تساہل پسندی کا نوٹس لیتے ہوئے انھیں کام پر آمادہ کیا؛ کارڈ نویسی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں؛ دوسروں کے لکھے کارڈوں پر نظر ثانی کی اور خود لاکھوں کارڈ اپنے ہاتھ سے لکھے جن کے معیار و استناد کی گواہی بورڈ کے مدیر اول جناب نسیم امر و ہوی نے کئی بار دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کارڈ کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے الماریاں بنوائیں، طبلق کی تیاری کا طریقہ بتایا اور وقت بچانے کی خاطر تقریباً پانچ سو سے زائد اہل علم و فضل سے اسناد کے لیے مطالعہ کتب کے کام میں مدد بھی لی۔ ان کے عہد (۱۹۵۹ء-۱۹۷۶ء) کے دوران مختصر عرصے کے لیے سید حسام الدین راشدی بھی بورڈ کے معتمد رہے۔

۱۹۷۶ء میں حقی صاحب مستعفی ہو گئے۔ ان کی سبکدوشی کے بعد جامعہ کراچی کے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر ابولیش صدیقی مذکورہ عہدے پر متمکن ہوئے۔ چونکہ وہ لغت کی اشاعت کے سلسلے میں ہونے والی تاخیر اور اس کے رد عمل سے بہ خوبی آگاہ تھے اس لیے فوری طور پر دفتر میں پڑے مختلف جلدوں کے مسودات کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی حقیقت پسندی اور احتیاط پسندی رنگ لائی اور ۱۹۷۷ء میں ۴۲ سال کی محنت شاقہ کے بعد اس لغت کی پہلی جلد اردو لغت (تاریخی اصول پر) [الف مقصورہ (الف) تا ایہاں اوہاں] کے نام سے منظر عام پر آئی۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اولاً لغت کے لیے جو نام تجویز کیے گئے تھے وہ اردو کلاں لغت اور محیط اردو لغت تھے، لیکن بعد ازاں اسے تبدیل کر دیا گیا اور یوں حتمی طور پر اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے نام پر اتفاق کیا گیا۔

لغت کی پہلی جلد کی طباعت کے وقت تک ترقی اردو بورڈ میں مجلس اعلیٰ، مجلس انتظامی، عملہ ادارت، معتمدین، مدیر اول، مدیران، معاون مدیران، نائب معاون، افسر انتظامی اور لائبریری کے ارکان شامل ہو چکے تھے۔ مذکورہ بالا تمام شعبوں

میں ملک کے نام ورا کا برین اور ماہرین علم و ادب منتخب کیے گئے۔

چوں کہ اوسفر ڈانگلش ڈکشنری کی طرز پر ایک جامع اور تاریخی اصول پر مبنی لغت کی اشاعت مقصود تھی اس لیے اس لغت کی تدوین کے لیے اوسفر ڈانگلش ڈکشنری کے نمونے اور طریقہ کار کو سامنے رکھا گیا۔ طے یہ پایا کہ ہر مسودے کی تیاری کے بعد مختلف ماہرین سے رائے لی جائے گی جو اصلاحی اور تنقیدی نقطہ نظر سے ان مسودات کی جانچ پڑتال کریں گے۔ ان آرا کی روشنی میں حتمی شکل اختیار کرنے کے بعد لغت کے مسودات ایک بار پھر زبان و ادب کے ماہرین کے پاس نظر ثانی کے لیے بھیجے جائیں گے اور مزید اصلاح کے بعد ان کی اشاعت کی منظوری دی جائے گی۔

ان انتظامات کے بعد ۱۹۷۷ء میں پہلی جلد سامنے آئی۔ پہلی جلد کے آنے کی دیر تھی کہ لغت کا کام تیز رفتاری سے ہونے لگا اور ڈاکٹر ابو الیث صدیقی کے دور (۱۹۷۶ء-۱۹۸۵ء) ہی میں اس کی دوسری [الف ممدودہ (آ) تا بی بہار]، تیسری [بھتا پر یہوا]، چوتھی [پڑتا تحریر]، پانچویں [تحریری تا تھینئر] اور چھٹی جلد [ٹ تا جہاں گرد] شائع ہوئی۔ ۱۹۸۵ء میں بورڈ کے مدیر اعلیٰ کا قلم فال ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نام نکلا، جنہوں نے ابو الیث صدیقی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۸۶ء میں ساتویں [جہاں گردی تا چھبہ]، ۱۹۸۷ء میں آٹھویں [ح تا دانان]، ۱۹۸۸ء میں نویں [داناؤں کی دور بلا تا دھنک]، ۱۹۸۹ء میں دسویں [دھنک نکالنا تا ریبو]، ۱۹۹۰ء میں گیارہویں [رھتا سن]، ۱۹۹۱ء میں بارہویں [سُن تا صیہونیت] اور تیرہویں [ض تا فکر ہر کس بقدر ہمت اوست]، ۱۹۹۲ء میں چودھویں [فکر تا کشمیرن/کشمیرنی]، ۱۹۹۳ء میں پندرہویں [کشمیری تا گرگرا نا] اور ۱۹۹۴ء میں سولہویں جلد [گرگر بدیا سرسر عقل/گیان تا لوگڑا] طبع کروائی۔ یوں محض دس سال کے مختصر عرصے میں اس کی اگلی دس جلدیں شائع ہوئیں، جس کی بنا پر ان کے دور (۱۹۹۵ء-۱۹۸۵ء) کو اردو لغت (تاریخی اصول پر) کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد لغت کا کام ایک بار پھر تعطل کا شکار ہو گیا اور مزید چھ سالوں تک یعنی ڈاکٹر حنیف فوق (۱۹۹۵ء-۱۹۹۸ء)، پروفیسر سحر انصاری (۱۹۹۸ء-۲۰۰۰ء) کے ادوار میں لغت کی کوئی جلد نہ آسکی۔ ۲۰۰۰ء میں قائم مقام مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے سمرز نسیم بیگ (۲۰۰۰ء-۲۰۰۱ء) کی زیر سرپرستی سترہویں [لوگن تا مستزادہ] اور ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر یونس حسنی (۲۰۰۱ء-۲۰۰۳ء) نے اٹھارویں جلد [مستعادتا منھ ہے کہ بلا] شائع کروائی۔ اسی سال ڈاکٹر رؤف پارکھی (۲۰۰۳ء-۲۰۰۷ء) مدیر اعلیٰ بنے اور انھوں نے ۲۰۰۳ء، ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۷ء میں بالترتیب انیسویں [منہا تا نشا پور]، بیسویں [نشات تا نھ] اور اکیسویں جلد [وتا ہزار ہا] مدون کی۔ جب کہ آخری یعنی بائیسویں جلد [ہزاری تا تہی] کی تدوین کا اعزاز ۲۰۱۰ء میں بہ طور قائم مقام مدیرہ عالیہ محترمہ فرحت فاطمہ رضوی (۲۰۰۷ء-۲۰۰۹ء) کے حصے میں آیا۔ انھی کے دور میں اردو لغت بورڈ میں

ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی کہ ۲۴، نومبر ۲۰۰۲ء کو بورڈ ایک خود مختار ادارے کے بجائے وفاقی حکومت کا ماتحت ادارہ بن گیا جس کے نتیجے میں بورڈ کی سربراہ کے لیے معروف شاعرہ فہمیدہ ریاض کی تقرری عمل میں آئی۔ انھوں نے آتے ہی لغت کی تکمیل کی طرف توجہ دی، لیکن اس سلسلے کے تمام اختیارات محترمہ فرحت فاطمہ رضوی کے پاس ہی رہنے دیے۔ چونکہ آپ پہلے سے ہی اس کام پر مامور تھیں اور مسودات کی طباعت کا آغاز بھی کر چکی تھیں اس لیے اس کام میں مزید تاخیر نہ ہوئی اور بالآخر ۴، اپریل ۲۰۱۰ء کو اردو زبان و ادب کی ایک ضخیم لغت کی تدوین مکمل ہوئی۔

اس لغت کے امتیازات سے بحث کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بائیس (۲۲) جلدوں پر مشتمل یہ لغت اپنی نوعیت کی ایک ایسی منفرد لغت ہے جس کی بنیاد تاریخی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ ضخیم لغت اردو لغت بورڈ کے مرتبین و معاونین کی ۵۲ سالہ جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔ اس میں دو لاکھ چونسٹھ ہزار (۲۶۴۰۰۰) الفاظ، مرکبات، محاورات اور ضرب الامثال کو جگہ دی گئی ہے۔ اتنے اندراجات اردو زبان کی کسی اور لغت میں نہیں ملتے۔ اس لحاظ سے اسے الفاظ کا ایک مخزن قرار دیا جاسکتا ہے، جو قدیم کلاسیکی عہد سے لے کر عہد موجود تک کے اندراجات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کلاسیکی ادبی متون سے اخذ کردہ ایسے الفاظ و محاورات بھی ہیں، جو اردو کی کسی اور لغت میں نہیں ملتے۔ اس قدر الفاظ کے لیے بہت سی کتب کا بھی مطالعہ کیا گیا، جن میں اردو زبان کے نادر مخطوطات بھی شامل تھے۔ نہ صرف پہلی بار اتنے ماخذ کسی کام کے لیے استعمال کیے گئے ہیں بلکہ بہت سی کم یاب اور نایاب کتب ایسی ہیں، جن کے نام بھی اردو لغت کے توسط سے معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا یہ طور مخزن لغات و کتب بھی اس لغت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اس لغت کی اہمیت اس بنا پر بھی ہے کہ اسے فن لغت نویسی کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تصور کیا جاتا ہے۔ اردو لغت بورڈ نے اپنی لغت کی ترتیب و تدوین کے لیے جن اصولوں کو راہ نما قرار دیا ہے ان میں واضح طور پر جدت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ بورڈ کے اپنے بیان کے مطابق انھوں نے اس کے لیے اوسفر ڈگلس ڈکشنری (OED) کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے بیان کردہ اصول لغت نویسی کی پیروی کی ہے، لیکن جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت کی ترتیب کے لیے جو اصول اپنائے گئے ہیں ان میں کسی لفظ کی تفصیل بیان کرنے کے لیے بین الاقوامی ماہرین لغت کے اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بالفاظ دیگر اردو لغت بورڈ نے اپنے اصولوں کے لیے جن دو ماخذات سے استفادہ کیا ہے، چونکہ انھوں نے بھی عالمی معیارات کو مدنظر رکھا تھا، اس لیے ان کے تتبع میں یہ معیارات اردو لغت میں بھی در آئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک فکر انگیز نکتہ یہ بھی ہے کہ چونکہ انگریزی سمیت دیگر زبانوں کے لسانی تقاضے اردو زبان سے مختلف ہیں، اس لیے بعض عالمی اصول و ضوابط میں جہاں بورڈ کے مرتبین کو کوئی کمی یا خلل نظر آیا وہاں اپنے ماہرین کی مشاورت سے

ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جن میں سب سے نمایاں کردار جناب شان الحق حقی کا رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی راہ نما اصول وضع کرنے کے لیے ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسے اکابرین و ماہرین کی طرف سے بعض تجاویز اور سفارشات پیش کی جاتی رہیں۔ نتیجتاً حتمی طور پر جن اصولوں پر اتفاق کیا گیا، ان کی بدولت یہ لغت نہ صرف سائنسی بنیادوں پر استوار ہوئی بلکہ بعض ایسے اقدامات بھی دیکھنے کو ملے، جو اس سے پہلے کی لغات (مولوی عبدالحق کی لغت کبیر سے استثناء کے ساتھ) میں نہیں ملتے، مثلاً:

- الف۔ حروف تہجی کی تعداد کا تعین کرنا اور ہر حرف کا تشریحی حاشیہ شامل کرنا۔
- ب۔ الف ممدودہ کے بجائے الف مقصورہ کے اندراجات سے لغت کا آغاز کرنا۔
- ج۔ ہائے اصوات کو الگ حروف کی حیثیت دے کر ان کی الگ تفریح قائم کرنا اور 'لھ'، 'مھ'، 'نھ' جیسے حروف کو بہ طور مرکب حروف تہجی تسلیم کرنا۔
- د۔ املا کے ضمن میں ہمزہ (ء)، ہائے مخلوط (ھ) اور امالہ جیسے مسائل کو حل کرنے کے لیے مدلل اصول وضع کرنا۔
- ہ۔ لفظ کی قواعدی حیثیت کے تعین کے لیے انگریزی زبان سے اخذ کردہ بنیادی آٹھ زمروں کے علاوہ ان کی ذیلی قواعدی حیثیت بیان کرتے ہوئے ان کا محل استعمال واضح کرنا۔
- و۔ مروجہ علامات کے علاوہ نئے رموز اوقاف اور اختصارات کا استعمال کرنا۔
- ز۔ معنوی وضاحت کے لیے تشریحی طریقہ کار کو فروغ دینا اور معنی میں تبدیلی کا ریکارڈ رکھنا۔
- ح۔ اسناد کی فراہمی میں متعین کردہ ادوار کو پیش نظر رکھنا اور ایسے اندراجات کو شامل کرنا جن کے استعمال کی امثال کم از کم دواردو مصنفین کے ہاں مل سکیں۔
- ط۔ لسانی ماخذ اور اشتقاق کے حوالے سے تمام الفاظ کو اردو کی بجائے ان کی اصل سے منسوب کرنا اور ان میں تبدیلی کا تجزیہ کرنا۔

اگرچہ ان میں سے بعض مقامات پر روایتی اصول بھی دکھائی دیتے ہیں، مثلاً اندراجات کے ضمن میں بورڈ نے ایسے فقرات کو بھی اپنی لغت میں جگہ دی ہے، جو اپنے مکمل معنوں کی ترسیل کے لیے سیاق و سباق کے محتاج ہیں، جب کہ ایسے اندراجات کو شامل لغت نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں لغت کے اصولوں میں تلفظ کی ادائیگی کے لیے جس طریقے پر اتفاق کیا گیا ہے، ان میں سے ایک ملفوظی طریقہ بھی ہے، جو نہ صرف یہ کہ جدید طریقوں سے میل نہیں کھاتا بلکہ صارفین لغت کی تفہیم کے لحاظ سے بھی قدرے پیچیدہ ہے، لیکن پھر بھی ان میں سے بیش تر اصول و ضوابط کی تنظیم اور کاملیت سے انکار ممکن نہیں

ہے، جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جون ۱۹۸۸ء میں اصول ترتیب و تسوید اردو لغت مع توضیحات کے عنوان سے بورڈ کے مرتب کردہ اصولوں کا کتابچہ شائع ہونے اور ان کی حتمی شکل سامنے آنے کے بعد سے لے کر لغت کی تکمیل (۲۰۱۰ء) تک انھی کا اتباع کیا گیا۔ بعد کے ادوار میں لغت کی تالیف کا کام سرانجام دینے والے ادارتی عملے نے ان میں تصرف یا اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ ہر دور میں اسی طرح مستعمل رہے۔ چنانچہ ایسے اصولوں کو بنیاد بنا کر جو لغت ترتیب دی گئی ہے وہ نہ صرف اپنے اصولوں کی بنا پر بھی اردو لغت نویسی کی دنیا میں تاریخی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ عالمی معیارات لغت نویسی کی حامل ایک سائنسی لغت بھی قرار دی جاسکتی ہے۔

اردو لغت نے اپنے اندراجات کے ذریعے نہ صرف اردو زبان و ادب اور سابقہ اردو لغات کے تمام تر سرمائے کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی بلکہ اندراجات، ترتیب اندراجات اور رموز اوقاف کے ضمن میں ایسے قابل تقلید اقدامات کو بھی رواج دیا، جن سے صرف نظر کر کے پچھلی لغات نے بہت سے مسائل کو جنم دیا تھا۔ اس لغت نے املا، تلفظ اور قواعدی حیثیت کے تعین اور تذکیر و تانیث کے مختلف قسم کے اختلافات سے بھی اپنے انداز میں نمٹنے کی سعی کی ہے اور اس ضمن میں حاصل شدہ تمام تر معلومات اپنے صارفین تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ معنی کے تعین میں لغات کی تدوین کے تاریخی اصولوں کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے اردو لغت نویسی کے جدید اور سائنسی طریقہ کار کو فروغ دیا ہے۔ اس طریقہ کار کے مطابق تین تاریخی ادوار متعین کیے گئے ہیں اور تقریباً ہر دور سے لفظ کے استعمال کی سند مہیا کرنے کی سعی کی گئی ہے، جس سے لفظ کی تاریخ مرتب ہوگئی ہے۔

لفظ کی وضاحت میں تعریف و تشریح کے علاوہ مترادفات اور پھر ان کی توثیق کے لیے ان کے استعمال کی اسناد و امثلہ کی تلاش میں بھی کڑی محنت کا ثبوت دیا گیا ہے اور تقریباً ہر لفظ کی اصل و اشتقاق تک پہنچنے کے لیے کاوش کی ہے، لیکن چونکہ کوئی بھی نیا اور بڑا کام تسامحات یا اغلاط سے مبرا نہیں ہو سکتا اس لیے مذکورہ تمام مشمولات سے متعلق کئی قسم کی خامیاں لغت میں درآئی ہیں۔ اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیش تر اغلاط اور تسامحات مرتبین کے اپنے ہی وضع کردہ اصولوں سے روگردانی کی صورت میں وارد ہوئے ہیں نیز جن اصولوں کو آغاز کے مرتبین نے نظر انداز کیا یا ان پر عمل کرنے میں نرمی کا ثبوت دیا، بعد کے مرتبین نے بھی ان کی پروا نہیں کی۔ اس کے ثبوت کے طور پر لغت کے سینکڑوں اندراجات کے تحت دو اردو مصنفین کی اسناد کی عدم موجودگی کی مثال ہی کافی ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا اصول تھا، جس پر اردو نامہ کے مختلف شماروں میں بھی بار بار زور دیا گیا اور اس کی وجہ سے کئی اندراجات لغت کی اشاعت سے پہلے ہی حذف کر دیے گئے۔ یوں کئی اردو الفاظ شامل ہونے سے رہ گئے۔

اس کے علاوہ بھی دیگر اصولوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے لغت کی تمام جلدوں میں کئی مسائل ملتے ہیں، مثلاً ایک سے زیادہ قواعدی حیثیت یا معنی کے اندراج کے لیے علاحدہ شقوں کے قیام اور رموز و علائم کی پابندی کے حوالے سے آغاز کی جلدوں میں زیادہ اہتمام ملتا ہے۔ حتیٰ کہ ”صحت نامہ“ بھی صرف پہلی ہی جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ اشتقاق کی فراہمی اور املا سے متعلق مسائل بعد کی جلدوں میں کم نظر آتے ہیں۔ جب کہ اندراجات، تلفظ، تذکیر و تانیث، اسناد اور معنوی وضاحت کے سلسلے میں بیان کردہ تسامحات زمانی فرق کے باوجود تقریباً ہر دور میں ملتے ہیں۔ البتہ اندراجات کی ترتیب لغت کا ایک ایسا وصف ہے، جس کی بابت بہت کم کوتاہیاں دکھائی دیتی ہیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی تمام لغت کی تمام جلدوں کے معیار اور یکسانیت کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مسائل کا تناسب بعد کی جلدوں کی نسبت آغاز کی جلدوں میں زیادہ ہے، لیکن اس کی یہ توجیہ پیش کی جاسکتی ہے کہ ہر نئے اور طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کچھ دشواریوں کا شکار ہوتا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ جیسے جیسے سہولیات کا حصول ممکن ہوتا چلا جاتا ہے اور کام سے واقفیت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس میں بہتری آتی چلی جاتی ہے اور پھر اردو لغت (تاریخی اصول پر) کی تدوین نصف صدی کی محنت ہے، اس لیے بھی اس میں نقائص کا درآنا فطری عمل ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارے کو مختلف ادوار میں کرائے کی عمارت، ادارتی عملے کے اراکین اور ماہرین کی کمی، بنیادی اور ضروری سہولیات سے محرومی اور تنخواہوں کی عدم ادائیگی جیسے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر زمانی افتراق کے باوجود اردو لغت کی تمام جلدوں میں مختلف النوع تسامحات موجود ہیں اور ان سے معیار اور عدم یکسانیت جیسے مسائل پیدا ہوئے ہیں تو ان کے لیے صرف ابتدائی عملے یا صدور کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اس کے لیے ہر دور کے مرتبین قصور وار ہیں۔ مزید یہ کہ اگر اپنے ہی اصولوں کی پابندی کی جائے تو لغت میں معیار اور عدم یکسانیت کے مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

اردو لغت (تاریخی اصول پر) کو ایک مسئلہ یہ بھی درپیش رہا کہ اتنی اہم اور اپنی نوعیت کی پہلی اردو لغت ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ بعض اشخاص نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا اور اسے غیر معیاری سمجھا بلکہ اردو نامہ میں اس کی اقساط اور بعد ازاں پہلا نمونہ نمونہ لغات اردو (۱۹۶۱ء) کے عنوان سے شائع ہوتے ہی اس پر تنقید و تعریض کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو اس کے خام مسودوں اور مختلف جلدوں کے منظر عام پر آنے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور اس کی تکمیل (۲۰۱۰ء) کے بعد بھی آج تک جاری و ساری ہے۔ ان ناقدین اور معترضین میں وارث سرہندی، محمد احسن خاں، شریف الحسن، ماہر القادری، عبد الماجد دریابادی، ممتاز احمد عباسی، سید قدرت نقوی، صفدر آہ، میکش اکبر آبادی، محمد سلیم الرحمن، سید انوار الحق جیلانی، سید شبیر علی کاظمی، رشید حسن خاں، شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر مسعود ہاشمی اور ڈاکٹر عبدالرشید جیسے اکابرین و ماہرین لسان شامل ہیں۔ چنانچہ

ان کی طرف سے اس لغت کے جن پہلوؤں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، وہ نکات کی صورت میں حسب ذیل ہیں:

- ۱- لغت میں غیر لغاتی اور نامانوس اندراجات شامل کیے گئے ہیں۔
- ۲- کلاسیکی متون میں شامل بعض اندراجات کو غلط تحریر کیا گیا ہے اور بعض کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔
- ۳- کئی اندراجات ایسے ہیں جن کے لیے صرف ایک ہی ماخذ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔
- ۴- لغت میں قائم کردہ حروف تہجی کی تعین اور ترتیب درست نہیں۔
- ۵- املا کے ضمن میں اپنے اصولوں میں بے اصولی سے کام لیا گیا ہے چنانچہ ہمزہ، فصل و وصل اور امالہ کے سلسلے میں مسائل کی بھرمار ہے۔
- ۶- لغت میں ایک ہی لفظ کی کئی املا ملتی ہیں، جو کشمکش کا باعث بنتی ہیں کیوں کہ ان میں درست کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔
- ۷- تلفظ کی ادائیگی کا طریقہ کار قدیم ہے اور بعض الفاظ کا غلط تلفظ بھی درج کیا گیا ہے۔
- ۸- قواعدی حیثیت میں بے احتیاطی ملتی ہے، چنانچہ بعض فقرات کو اسم کا درجہ دے دیا گیا ہے۔
- ۹- ایسے الفاظ جو مذکر اور مؤنث دونوں حیثیتوں کے حامل ہیں ان کی صرف ایک حیثیت پر توجہ دی گئی ہے اور ان کی جنس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ موجود نہیں۔
- ۱۰- الفاظ کے غلط معانی کا اندراج کیا گیا ہے۔
- ۱۱- بعض مقامات پر مرتبہ نے خود سے معنی گھڑ لیے ہیں۔
- ۱۲- دوسری لغات سے درج کردہ معنی میں الفاظ کا ہیر پھیر کیا گیا ہے، جس سے معنی میں تصرف ہو گیا ہے۔
- ۱۳- معنی میں تعریف نامکمل یا ناکافی ہے یا صرف مترادفات مندرج ہیں۔
- ۱۴- ایسی جگہوں پر جہاں ایک ہی معنی کافی تھے، اضافی معنی تحریر کیے گئے ہیں۔
- ۱۵- اسناد کی فراہمی میں دو اردو مصنفین کے ہاں استعمال کی شرط کو نظر انداز کیا گیا ہے۔
- ۱۶- اسناد کی عبارات میں الفاظ کا رد و بدل ہے اور خود ساختہ تصحیح کی گئی ہے۔
- ۱۷- اسناد کے لیے غیر معتبر ماخذات سے بھی رجوع کیا گیا ہے۔
- ۱۸- بعض اندراجات کے معنی ان کی اسناد سے واضح نہیں ہوتے۔
- ۱۹- بنیادی ماخذات کے بجائے ثانوی ماخذات سے اسناد نقل کی گئی ہیں۔

۲۰۔ لسانی ماخذ اور اشتقاق میں سنسکرت الفاظ کا حصہ کمزور ہے۔

۲۱۔ بعض اندراجات کا اشتقاق موجود نہیں ہے۔

۲۲۔ اشتقاقی حصے میں غلط معلومات درج کی گئی ہیں۔

ان میں سے اسناد اور اشتقاقیات کی عدم فراہمی، غلط معنوی وضاحت، نامکمل معنی، امالہ، ہمزہ اور فصل و وصل کے سلسلے میں بے قاعدگی سے متعلق ان کے اعتراضات ضرور وزن رکھتے ہیں اور بورڈ کو ان کے حل کے لئے مناسب اقدامات کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم اندراجات کی ترتیب، حروف تہجی کی تعداد اور ان کی الگ تفریق قائم کرنے، ایک ہی لفظ کے کئی املا درج کرنے اور لغت میں موجود تفصیلات کے متعلق فیصلہ کن بیان تحریر نہ کرنے کے حوالے سے مذکورہ بالا اکابرین کی تنقیدوں میں جو بحث ملتی ہے اس سے اتفاق کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ایسے اعتراضات کی توجیہ موجود ہے اور ان میں سے اکثر اعتراضات اصول و مسائل سے ناواقفیت یا عدم توجہی کی بنا پر کیے گئے ہیں، جن پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس قسم کی فروگذاشتوں یا اعتراضات سے اردو لغت (تاریخی اصول پر) کی اہمیت اور افادیت میں اس قدر کمی واقع نہیں ہو سکتی کہ اسے بالکل ہی نظر انداز کرتے ہوئے اغلاط کا پلندہ قرار دیا جائے یا پھر اس کے مرتبین کی کاوشوں کو بیک جنبش قلم فراموش کر دیا جائے کیوں کہ ان کی تعداد بورڈ کی مجموعی مساعی کے مقابل بہت تھوڑی ہے۔ مزید برآں چون کہ کوئی بھی شخص بشریت کی بھول سے مبرا نہیں اس لیے تنقید میں تعمیری پہلوؤں کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تاکہ لغت کی خامیوں اور تسامحات میں کسی حد تک کمی واقع ہو سکے نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر) کو بہتر بنیادوں پر استوار کر کے اردو زبان و ادب کی خدمت میں اپنا حصہ ڈالا جاسکے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو لغت کے ناقدین میں سے یہ رویہ اردو نامہ میں شائع ہونے والے اعتراضات کے معترضین و مشفق خواجہ اور ڈاکٹر عبدالرشید کی تنقید میں دکھائی دیتا ہے۔

درج بالا بحث میں پیش کی گئی تمام تر تفصیلات کی روشنی میں اگر اردو لغت نویسی کی روایت میں اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مقام اور مرتبے کا تعین کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں بورڈ کی اردو لغت سے پہلے بھی کئی اردو لغات آئیں، جنہیں نصاب ناموں، منظوم لغات، اردو بہ فارسی لغات، اردو بہ انگریزی لغات اور اردو بہ اردو لغات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر لغت نے اپنے دور کے مطابق لغت نویسی کے نئے نئے تجربات کو اپنا کر رواج دیا نیز اپنی لغت کو ایک مکمل، معیاری اور مفید عام لغت بنانے کی طرف بھرپور توجہ دی، جس کی بنا پر اردو لغت کی مختلف صورتیں جامع لغات، محاوراتی لغات، اصطلاحات اور تلفظ کی فرہنگوں وغیرہ کی شکل میں منظر عام پر آتی رہیں، لیکن اتنی اقسام کی لغات کی موجودگی

کے باوجود اردو لغت نویسی کے جملہ مسائل اپنی جگہ برقرار رہے کیوں کہ ان سب کو ایک ہی لغت میں سمونے کی خاطر ان میں سے کسی نے پیش رفت ہی نہیں کی۔ ہندوستان میں بھی ۱۹۶۹ء میں ترقی اردو بورڈ (ہند) کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے ایسی ہی ایک لغت بنانے کے منصوبے کا آغاز کیا گیا تھا، لیکن زمانی اعتبار سے اردو لغت بورڈ، کراچی کو اولیت حاصل ہے۔ یعنی ایک جامع لغت کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے اردو لغت بورڈ، کراچی نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور مسلسل جستجو اور محنت سے بالآخر اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر اردو لغت نویسی کی روایت میں ایک بالکل نئے باب کا اضافہ کیا، جو لائق تحسین ہے۔ تاہم یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کوئی بھی لغت، لغت نویسی کے عالمی معیاروں کے مطابق پوری طرح خود کو نہیں ڈھال سکتی۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی خلا رہ جاتا ہے، لیکن پھر بھی اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے ذریعے جدید اور سائنسی طریقہ کار کو فروغ دیتے اور روایت سے انحراف کرتے ہوئے اردو لغت نویسی کی تاریخ میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔

پھر کسی بھی زبان کے تحفظ، فروغ، ارتقا اور معیار بندی کے لیے لغت کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اردو لغت اس حوالے سے اردو زبان و ادب کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ اس لغت کا افتخار یہ بھی ہے کہ اس کی اشاعت نے اردو زبان کو جرمنی اور انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے کیوں کہ اس سے پہلے تاریخی اصولوں پر مرتب کی جانے والی لغات انگریزی اور جرمنی زبان میں ہی ملتی ہیں۔ ان میں سے بھی اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری (OED) کی اشاعت اول میں چار لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو پچیس اور دوسری اشاعت میں چھ لاکھ پندرہ ہزار اندراجات ملتے ہیں۔ جب کہ جرمن لغت ((DWB/ Deutsches Wörterbuch اور اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے اندراجات کی تعداد بالترتیب تین لاکھ تیس ہزار اور دو لاکھ چونسٹھ ہزار ہے۔ اس اعتبار سے اردو لغت تیسرے نمبر پر لیکن اردو زبان و ادب کی لغات میں سب سے ضخیم لغت ہے، جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

گو کہ اردو زبان و ادب کی ایک کلاں لغت کا کام بہ ظاہر اپنی تکمیل کو پہنچ چکا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لغت کی تالیف و تدوین کا کام تسلسل کا متقاضی ہوتا ہے اور اس کی تکمیل کبھی عمل میں نہیں آتی کیوں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے بول چال کے الفاظ میں اضافہ یقینی ہے۔ پھر یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی قدیم ادبی فن پارے یا دستاویز کی بازیابی کی صورت میں مزید الفاظ ہاتھ آجائیں یا پھر تسامحات کا بھی اندیشہ ہے۔ ایسی صورت میں تکمیل کے بعد بھی لغت کا کام جاری رہتا ہے اور اس میں ترمیم و اضافے کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ یہ معاملہ دیگر لغات کے ساتھ ساتھ اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے ساتھ بھی درپیش ہے۔ اس ضمن میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بورڈ نے تیسویں جلد کی اشاعت کا بھی فیصلہ کیا تھا

اور طے کیا گیا تھا کہ یہ آخری جلد اشاریے، فہرست اسناد اور دیگر ضروری معلومات پر مشتمل ہوگی، لیکن ابھی تک بائیسویں جلد کے بعد کوئی بھی جلد منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔ تاہم اس قسم کی ایک کوشش ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے دور میں ستمبر ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آئی، جب بورڈ کی طرف سے ۱۰۵ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ نما کتاب شائع کی گئی۔ اس میں ان مصنفین اور کتب کا حوالہ دیا گیا ہے، جس سے اس وقت تک کی مدون شدہ لغات کے لیے امثال اور اسناد میں مدد ملی گئی ہے۔

جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر بورڈ نے کچھ نئے اقدامات بھی کیے گئے ہیں، مثلاً ۲۴، جنوری ۲۰۱۸ء کو صدر پاکستان جناب ممنون حسین نے، ایوان صدر میں ہونے والی ایک تقریب میں اس کلاں لغت کے آن لائن ایڈیشن کا افتتاح بھی کر دیا ہے، جو کمپیوٹرائزیشن آف اردو ڈکشنری، سافٹ ویئر ڈویلپمنٹ برائے موبائل فون، ویب ہوسٹنگ اینڈ اسٹیبلشمنٹ آف سرور روم کے منصوبے کی عملی تشکیل ہے۔ اس کی بدولت یہ لغت دنیا بھر میں لغت کے صارفین کے لیے دستیاب ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک موبائل ایپ بھی متعارف کروائی گئی ہے، جس کے استعمال میں فی الحال کچھ رکاوٹیں درپیش ہیں، لیکن انھیں حل کرنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ایک مکمل فہرست اسناد، اردو لغت کا مختصر ایڈیشن (جو دو جلدوں پر مشتمل ہے) بھی شائع ہو چکا ہے۔ جب کہ بورڈ کے زیر اہتمام ایک صوتی (سمعی) لغت پر کام کرنے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے، جس کے تحت لغت کی ریکارڈنگ اور انٹرنیٹ پر اس صوتی لغت کی دستیابی کے لیے بھرپور کوششیں جاری ہیں۔ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد لغت میں درج دو لاکھ چونسٹھ ہزار الفاظ کا تلفظ انٹرنیٹ اور موبائل ایپ کے ذریعے صرف ایک کلک میں سنا جاسکے گا۔ ۱۱

۳۔ فرہنگ تلفظ (۱۹۹۵ء) از شان الحق حقی:

فرہنگ تلفظ پہلی بار مقتدرہ قومی زبان (موجودہ ادارہ فروغ قومی زبان) کی وساطت سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آئی، جسے معروف ماہر لسانیات اور ماہر لغت شان الحق حقی نے ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کی فرمائش پر مرتب کیا۔ اس کے علاوہ اردو لغت بورڈ کے سابق مدیر اعلیٰ مرزا نسیم بیگ نے بھی ان کی معاونت کی۔ ۱۳ مرتب کے مطابق یہ ۱۹۸۸ء میں ہی مکمل ہو گئی تھی، لیکن اس کی طباعت ۱۹۹۵ء میں عمل میں آئی۔ ۱۴ مرتب نے اس لغت کی تدوین میں دو مقاصد پیش نظر رکھے ہیں:

اول: خالص علمی پہلو

دوم: عملی ضرورت کا تقاضا ۱۵

تاہم دیکھا جائے تو دونوں مقاصد کا تعلق اصلاح تلفظ سے ہی ہے جو مرتب کا اصل مقصد تالیف ہے۔

تادم تحریر اس فرہنگ کی پانچ اشاعتیں سامنے آچکی ہیں۔ طبع اول (۱۹۹۵ء) کا پیش لفظ افتخار عارف صاحب کا تحریر کردہ ہے، جس میں انھوں نے فرہنگ کی نوعیت اور دائرہ کار کی وضاحت کی ہے۔ اس فرہنگ کی دوسری اشاعت ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آئی، جس پر طبع اول درج ہے، یہ یقیناً طباعت کی غلطی ہے۔ اس کا پیش لفظ اس وقت کے صدر نشین جناب فتح محمد ملک نے تحریر کیا ہے۔ اس میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ لغت نہ صرف الفاظ کے بنیادی اردو تلفظ بلکہ اختلافی تلفظ کی وضاحت بھی کرتی ہے۔ مزید برآں اس میں بنیادی توجہ اہم الفاظ کے اندراج پر دی گئی ہے۔ عمومی الفاظ، روزمرہ اور محاورے کے اندراج سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی ضخامت میں اضافے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

فرہنگ کی تیسری اشاعت ۲۰۰۸ء میں آئی، اس وقت بھی ادارے کے سربراہ فتح محمد ملک ہی تھے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے چوتھی اشاعت ۲۰۱۲ء میں طبع ہوئی، جو نسخہ میں اس فرہنگ کی آخری اشاعت ہے۔ اس کا پیش لفظ ڈاکٹر انوار احمد نے لکھا ہے، جس میں انھوں نے فرہنگ تلفظ کی شمولیت حوالہ جاتی کتب میں کرتے ہوئے، بشیر حسین ناظم کا شکریہ ادا کیا ہے، جنھوں نے فرہنگ میں شامل اغلاط کی تصحیح میں اپنا کردار ادا کیا۔ ۱۶

۲۰۱۷ء کی اشاعت اس فرہنگ کی اب تک کی آخری اشاعت ہے، جسے فرہنگ تلفظ (نسنتعلیق ایڈیشن) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ خط نسنتعلیق میں اس فرہنگ کی پہلی اشاعت ہے۔ اس کا ”پیش گفتار“ افتخار عارف نے لکھا ہے۔ اس اشاعت میں ”اعراب ملفوظی و مکتوبی کا ضابطہ“ میں درج علامات کو اٹھائیس سے بڑھا کر انتیس کیا گیا ہے۔ ان میں فتح مجہول، کسرہ مجہول، ضمہ مجہول، فتح معنہ، کسرہ معنہ اور ضمہ معنہ کے لیے مختص علامات کا اندراج نہیں کیا گیا۔ ترتیب تہجی میں باون حروف تہجی درج ہیں، جن میں ”ز“ کو درج نہیں کیا گیا۔ یہ طباعت کی غلطی ہو سکتی ہے کیوں کہ ”ز“ ایک مستقل حرف تہجی ہے۔ فرہنگ کی پہلی اشاعت میں پینتیس (۳۵) طبع دوم میں انچاس (۴۹) اور طبع پنجم میں باون (۵۲) مخففات درج ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد بڑھ گئی ہے لیکن فرہنگ میں ایک بھی نیا مخفف درج نہیں۔ واو مجہول، واو معدولہ اور ہمزہ مع کسرہ اضافت مجہول کے مخففات کو دومرتبہ درج کیا گیا ہے یوں ان مخففات کی تعداد انچاس (۴۹) ہی ہے۔ ان مخففات میں درج واو معروف کی علامت (مع/واو مع) میں سے ایک خارج کر دی جائے تو ان کی تعداد اڑتالیس رہ جائے گی۔

ڈاکٹر رضوان علی ندوی نے اس پر ایک تنقیدی مضمون ”فرہنگ تلفظ: ایک تنقیدی جائزہ“ کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ ۱۷۔ یہ اپنی نوعیت کا واحد مضمون ہے جس میں اس فرہنگ کے اندراجات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ فرہنگ تلفظ پر کیے گئے ان اعتراضات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن کے تحت سید رضوان علی ندوی نے فرہنگ تلفظ میں شامل چونسٹھ (۶۴) لغویوں پر اعتراض اٹھایا ہے۔ ان اعتراضات میں عربی لغویوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں اس بات کو قسطی طور

پرفراموش کیا گیا ہے کہ یہ فرہنگ اردو زبان کے حوالے سے مرتب کی گئی ہے۔ اگرچہ سید رضوان علی ندوی کے کچھ اعتراضات کی روشنی میں فرہنگ میں تبدیلیاں کی گئی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ غالباً ندوی صاحب کا شمار ان ماہرین میں ہوتا ہے جو مستعار لغویوں کے اصل تلفظ کو فوقیت دیتے ہیں۔ تاہم اردو زبان معنی اور تلفظ کے حوالے سے مقید نہیں اور اصل زبان سے اختلاف کرتے ہوئے بالکل متضاد معنی اور تلفظ بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اس لحاظ سے سید رضوان علی ندوی کا یہ موقف کہ فرہنگ میں شامل لغویوں کے معنی اور تلفظ کو عربی کے مطابق لکھا جائے قابل قبول نہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو اردو کی الگ فرہنگیں اور لغات مرتب نہ کی جاتیں۔

حقی صاحب نے بھی نہ صرف ان کے اعتراضات کا خیر مقدم کرتے ہوئے، بہ ذریعہ مراسلہ اور بغیر کسی رد و کد کے، جواب دیا اور اپنی فرہنگ کا دفاع کیا ۱۸ء کہ بعد میں بھی اس فرہنگ کی جو اشاعتیں سامنے آئیں ان میں ضروری اصلاحات اور ترمیمات کر کے معترضین کے اعتراضات کو کسی حد تک کم کرنے کی سعی کی۔ تاہم چون کہ یہ تلفظ کی بنیاد پر تالیف کی جانے والی اب تک کی واحد فرہنگ ہے، لہذا اس کی انفرادیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس فرہنگ کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس فرہنگ میں کل بتیس ہزار دو سو پینسٹھ (۳۲۲۶۵) لغویے مع تلفظ درج ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں مرتب تلفظ کے حوالے سے اہم گردانتے ہیں۔
- ۲۔ فرہنگ میں تلفظ کی وضاحت کو مد نظر رکھتے ہوئے مفرد الفاظ زیادہ اور مرکبات اور محاورات کم درج کیے گئے ہیں۔
- ۳۔ اس میں عوامی اور دیہی کہاوتیں شامل نہیں کی گئیں۔
- ۴۔ اگر کسی لغویے کے دو تلفظ ہیں تو اس کے اختلافی تلفظ کو بھی درج کیا گیا ہے۔
- ۵۔ اس میں لفظ کی جنس اور قواعدی حیثیت کی وضاحت کا التزام موجود ہے۔
- ۶۔ ایک جلدی فرہنگ کی وجہ سے اس میں روزمرہ کی شمولیت سے بھی گریز کیا گیا ہے۔
- ۷۔ ایسی اردو اصطلاحات، جو انگریزی سے ترجمہ شدہ ہیں، بہتر تفہیم کے لیے ان کے انگریزی مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔
- ۸۔ تلفظ کی وضاحت کے لیے نئی علامات بھی متعارف کروائی گئی ہیں جو قاری کی رہنمائی کرتی ہیں مثلاً یائے معروف اور یائے مجہول کی وضاحت کے لیے اور 'ی' مع 'کے' اشارات وضع کیے گئے ہیں۔

ان خصوصیات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ فرہنگ تلفظ کی اہمیت اور ضرورت مسلم ہے لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ اس فرہنگ کو جدید تقاضوں اور بدلتے رجحانات کے مطابق مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی طباعت میں اعرابی اور پروف کی اغلاط کی تصحیح کی بھی ضرورت ہے۔

خود آزمائی

- ۱۔ مہذب اللغات کی نمایاں خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔
- ۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) کو اردو لغت نویسی میں نمایاں مقام حاصل ہونے کی وجوہات تحریر کریں۔
- ۳۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں چند مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مختصراً بیان کریں۔
- ۳۔ فرہنگ تلفظ کی انفرادیت پر سیر حاصل بات کریں۔

حواشی اور حوالہ جات

- ۱- سید محمد میرزا مہذب لکھنوی، ”مقدمہ“، مشمولہ مہذب اللغات، جلد اول (لکھنؤ، نامی پریس، ۱۹۷۸ء)، ص ۱-ج۔
- ۲- رؤف پارکھ، اردو میں لسانی تحقیق و تدوین (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۲۔
- ۳- ایضاً، ص ۱-ج۔
- ۴- مسعود ہاشمی، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۶۵۔
- ۵- ایضاً، ص ۱۶۱۔
- ۶- رؤف پارکھ، اردو میں لسانی تحقیق و تدوین، ص ۴۷۔
- ۷- ابوالحسنات، ”خواب سرسید“، مشمولہ اردو لغت (یادگاری مضامین)، مرتبہ ابوالحسنات (کراچی: خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، جولائی ۲۰۱۰ء)، ص ۹۔
- ۸- شہاب الدین ثاقب، بابا یار دو مولوی عبدالحق: حیات و خدمات (کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)، ۱۹۸۵ء)، ص ۱-۷۔
- ۹- وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان کی ایک قرارداد مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۸۲ء کے مطابق ترقی اردو بورڈ (اردو ڈویلپمنٹ بورڈ) کا نام تبدیل کر کے اردو لغت بورڈ (اردو ڈکشنری بورڈ) رکھ دیا گیا تھا اور ابھی تک اس ادارے کا یہی نام رائج ہے۔ اس کی پہلی دو جلدوں پر ترقی اردو بورڈ، جب کہ باقی جلدوں پر اردو لغت بورڈ، تحریر کیا گیا ہے۔ مذکورہ قرارداد میں مزید کہا گیا تھا کہ اردو لغت بورڈ کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:
 - (الف) اوکسفر ڈنگلش ڈکشنری (کلاں) کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے لسانیاتی اصولوں کے مطابق ایک جامع لغت اردو سے اردو کی تدوین۔ موجودہ کام انہی خطوط پر جاری رہے گا جو اس مقصد کے لیے متعین کیے گئے تھے۔
 - (ب) بورڈ عظیم تر اردو لغت کے ایک مختصر مدونہ ایڈیشن کی تیاری و اشاعت کے علاوہ دوسری ایسی علمی لغتیں تیار اور شائع کرے گا جو اس کے اصلی فرائض سے متعلق ہوں گی۔
 - (ج) بورڈ دوسرے ایسے فرائض انجام دے گا جو وقتاً فوقتاً اس کے سپرد کیے جائیں گے۔
 مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

- مرزا نسیم بیگ، ”اردو ڈکشنری بورڈ: ایک اہم علمی ادارے کا تعارف“، مشمولہ اخبار اردو اسلام آباد (مارچ ۲۰۰۱ء) ص ۱۰-۱۳۔
- ۱۰۔ عرفان شاہ، ”شان الحق حقی اور ترقی اردو بورڈ کی لغت“، مشمولہ معیار اسلام آباد، شمارہ ۴۱ (جولائی-دسمبر ۲۰۰۲ء)، ص ۹-۶۳۔
- ۱۱۔ عقیل عباس جعفری،
تاریخ: <http://www.bbc.com/urdu/entertainment-38831484>،
ملاحظہ: ۲۵ مئی ۲۰۱۷ء۔
- ۱۲۔ شان الحق حقی، ”فرہنگ تلفظ کی بابت چند معروضات و تصریحات“، مشمولہ اخبار اردو (اسلام آباد)، جولائی ۲۰۰۲ء، ص ۵۶۔
- ۱۳۔ شان الحق حقی، ”عرض مرتب“، مشمولہ ”فرہنگ تلفظ“ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء)، ص ط۔
- ۱۴۔ شان الحق حقی، ”فرہنگ تلفظ کی بابت چند معروضات و تصریحات“، ص ۵۶۔
- ۱۵۔ شان الحق حقی، ”عرض مرتب“، مشمولہ فرہنگ تلفظ، ص ز۔
- ۱۶۔ ڈاکٹر رؤف پارکھ نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”اس میں کوئی تصحیح نہیں کی گئی اور اسے پچھلی طباعت کا عکس ہی سمجھنا چاہیے۔ حوالے کے لیے دیکھیے:
- رؤف پارکھ، لغات اور فرہنگیں (کراچی: سٹی بک پوائنٹ ۲۰۱۲ء)، ص ۱۲۲۔
- ۱۷۔ رضوان علی ندوی، ”فرہنگ تلفظ: ایک تنقیدی جائزہ“ مشمولہ اردو لغت نویسی، تاریخ مسائل و مباحث مرتبہ رؤف پارکھ (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۶۷۳۔
- ۱۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:
- شان الحق حقی، ”فرہنگ تلفظ“، مشمولہ ”اردو لغت نویسی: تاریخ مسائل اور مباحث“ (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۶۷۹-۶۸۲۔

کثیر لسانی لغات، تھیسارس، لغات مترادفات و محاورات

تحریر: حافظ صفوان محمد چوہان
نظر ثانی: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

169	یونٹ کا تعارف
169	یونٹ کے مقاصد
170	کثیر لسانی لغات: تعریف و اقسام
172	دوزبانی پنجابی-اردو ڈکشنری از سردار محمد خاں کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر
172	دوزبانی لغت English Dictionary-Mujtahedi's Urdu کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر
174	سہ زبانی ترکی-اردو لغت از اصغر حمید کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر
175	تھیسارس: تعریف و اقسام
176	تھیسارس اور لیکسکن میں فرق
176	تھیسارس میں الفاظ کے اندراج کا طریقہ کار
177	راجٹ تھیسارس کا تعارف
178	اردو تھیسارس: ایک سادہ تعارف
180	لغات مترادفات و محاورات
180	لغات مترادفات: تعریف و اقسام
180	لغات مترادفات اور عام لغات میں تکنیکی و استعمالی فرق
181	قاموس مترادفات "پرائیک نظر"
182	لغات محاورات پر ایک نظر
182	اردو میں لغات محاورات
183	خود آزمائی
184	مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ میں لغت نویسی کے اہم موضوعات کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔ کثیر لسانی لغت کسے کہتے ہیں؟ تھیسارس کی علم لغت میں کیا اہمیت ہے؟ اور محاورات اور مترادفات کی لغات کی افادیت کیا ہے؟ ان تینوں لغات کے ارتقا اور طریقہ کار پر بحث شامل کی گئی ہے۔

طلبہ کو چاہیے کہ کثیر لغت نویسی اور تھیسارس کے علاوہ مترادفات و محاورات کی لغت کو بھی توجہ سے پڑھیں۔ کیوں کہ لغات کی اقسام جانے بغیر لغت نویسی کے لسانی و تکنیکی ارتقا کو نہیں جانا جاسکتا۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ کثیر لسانی لغت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔
- ۲۔ یہ جاننا کہ تھیسارس کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی اقسام ہیں۔
- ۳۔ یہ جاننا کہ مترادفات اور محاورات کی لغات کس طرح مختلف ہوتی ہیں۔

کثیرلسانی لغات: تعریف و اقسام

سادہ الفاظ میں کثیرلسانی لغت اُس لغت کو کہتے ہیں جس میں سرفلفظ کا معنی و مفہوم کسی دوسری زبان میں لکھا گیا ہو۔ تکنیکی زبان میں کثیرلسانی لغت اُس لغت کو کہتے ہیں جس میں ماخذ زبان (L1) کے سرفلفظ سے متعلق لغوی تفصیلات کو ہدنی زبان (L2) میں منتقل کر کے لغت کے اندراج میں لکھا گیا ہو۔

کثیرزبانی لغت کی سادہ ترین صورت دو زبانی (Bilingual) لغت ہے جس میں سرفلفظ کا معنی و مفہوم کسی دوسری زبان میں ہوتا ہے۔ عام طور سے لغات کی یہی قسم یعنی دو زبانی لغت سامنے رہتی ہے جیسے اردو-انگریزی لغت، انگریزی-اردو لغت، اردو-فارسی لغت، اردو-پنجابی لغت، اردو-ہندی لغت، عربی-اردو لغت، چینی-اردو لغت، جاپانی-اردو لغت، وغیرہ۔ دو زبانی لغات عام طور پر دو طرفہ ہوتے ہیں یعنی L1 سے L2 اور L2 سے L1 یکجا۔ یہ لغات ایک ہی جلد میں بھی ملتے ہیں اور ضخامت بڑھ جانے کی صورت میں الگ الگ جلدوں میں بھی۔ مثال کے طور پر ڈکشن فوربس کا اردو-انگریزی اور انگریزی-اردو لغت الگ الگ جلدوں میں ہے جب کہ کتابستان کا انگریزی-اردو اور اردو-انگریزی لغت ایک جلد میں۔

لیکن اردو کے عام روزمرہ میں کثیرزبانی لغت سے مراد دو زبانی لغت نہیں لیا جاتا بلکہ کم سے کم سہ زبانی (Trilingual) لغت کو کثیرلسانی لغت کہا جاتا ہے۔ ان لغات میں سرفلفظ کا معنی و مفہوم دو زبانوں میں دیا گیا ہوتا ہے۔ جان ٹی پلیٹس کا انگریزی-کلاسیکل ہندی-اردو لغت کثیرلسانی / سہ زبانی لغت کی ایک مثال ہے۔

کثیرلسانی لغات کی دو بڑی اقسام ہیں: توضیحی اور گلاسری۔ کثیرلسانی توضیحی لغات، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، وہ ہوتے ہیں جن میں سرفلفظ کے تحت دو (یا زائد) زبانوں میں سرفلفظ سے متعلق معلومات اور مفاہیم درج کیے گئے ہوں۔ پلیٹس کی متذکرہ بالا لغت میں اردو کے سرفلفظوں کے مطالب و مفاہیم کو کلاسیکل ہندی میں بیان کرنے کے بعد اُن کے انگریزی مترادفات دیے گئے ہیں۔

کثیرلسانی گلاسری وہ لغات کہلاتے ہیں جن میں لفظ کے سامنے کسی دوسری زبان / زبانوں میں اُس کا ایک (یا زائد) مترادف یا معنی لکھا گیا ہو۔ لفظوں کی ایسی فہرستوں کو تقابلی فہرستیں (Concordance Lists) کہتے ہیں جو جدول یا کالموں کی صورت میں ہوتی ہیں۔ ان فہرستوں کے ذریعے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کی سادہ ترین صورت یعنی ایک لفظ کی جگہ پر دوسری زبان کا لفظ لانے (Substitution) میں مدد لی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر بیرونی زبانوں کے اردو

لغات اپنی اصل میں گلاسریاں ہی ہیں جیسے ترکی-اردو لغت، چینی-اردو لغت وغیرہ۔ اردو کی ایک مشہور گلاسری فرہنگِ اطلاعات ہے جس میں مائیکروسافٹ لوکلائزیشن پراجیکٹ 2003ء کے وقت بنائی گئی انگریزی-اردو اصطلاحات درج ہیں جنہیں مائیکروسافٹ فیملی کے پروگراموں کی سکرین زبان کی اردو میں ڈھلائی میں استعمال کیا گیا۔ اسی طرح مختلف فنون اور علوم کی اردو-انگریزی متبادل اصطلاحات والی تمام فرہنگیں بھی دراصل گلاسریز ہی ہیں، جن کے لیے عموماً کشف کا لفظ مستعمل ہے۔ کشف کا لفظ عربی میں کثیر لسانی لغات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ولیم لین کے عربی-انگریزی لیکسکن (Lexicon) کے لیے۔

واضح رہے کہ گلاسری میں سرلفظ نہیں بلکہ لفظوں کی فہرست ہوتی ہے۔ اردو کتب میں لفظ گلاسری کا ترجمہ پہلے پہل فرہنگ کیا جاتا رہا ہے، لیکن چونکہ فارسی میں فرہنگ کا لفظ ڈکشنری کے معنی میں لیا جاتا ہے اس لیے رفتہ رفتہ اردو میں گلاسری کا لفظ فرہنگ کے بھاری اور چلن دار لفظ کے تلے دب گیا۔ آج عام طور سے اردو میں لغت، فرہنگ اور ڈکشنری کو متبادل الفاظ سمجھا جاتا ہے اور گلاسری کا لفظ صرف لغت کے اندر ہی ملتا ہے۔

1.1 کثیر لسانی لغات کے لغوی اندراجات کی نوعیت اور اُن کا طریق کار

کثیر لسانی لغات کے لغوی اندراجات کی نوعیت بھی ضرورت کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ یہاں مثال کے طور پر دو دوزبانی اور ایک سہ زبانی لغت کے اندراجات کا مختصر اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا دوزبانی دو جلدی لغت "پنجابی-اردو ڈکشنری" از سردار محمد خاں ہے جس کا دوسرا ایڈیشن پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے 2019ء میں شائع ہوا۔

دوسرا دوزبانی سہ جلدی لغت "Mujtahedi's Urdu English Dictionary" از یعقوب میاں مجتہدی ہے جس کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ستمبر 2010ء میں چودھری غلام رسول اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلشرز لاہور سے شائع ہوا، اور تیسرا لغت "ترکی اور اردو زبان کے مشترک الفاظ" از اصغر حمید ہے جو 2006ء میں نیا سفر پبلیکیشنز نئی دہلی سے شائع ہوا۔

پہلے لغت کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لغوی اندراجات کے اندر پنجابی زبان کے مختلف علاقائی لہجوں کی ثقافت کو سمجھانے کی کوشش بھی کی گئی ہے، نیز یہ عام دستیاب ہے۔ دوسری لغت کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دفتری اور تعلیمی ضرورت کی بہت سی لفظیات کا اردو سے انگریزی میں ترجمہ اور استعمالی نظائر موجود ہیں۔ یہ لغت اصل میں حیدرآباد دکن میں شائع ہوا اور اس کا صرف ایک ایڈیشن پاکستان میں چھپا چنانچہ یہ عام طور پر دستیاب نہیں ہے۔ تیسری لغت منتخب کرنے کی

وجہ یہ ہے کہ اس میں پانچ کالمی فہرستوں کے ذریعے ایک لفظ کا مطلب دو زبانوں میں دیا گیا ہے جو اس قسم کے لغات (گلاسریز) میں کم ملتا ہے۔ یہ لغت پاکستان کی کئی اہم لائبریریوں میں موجود ہے اگرچہ دکانوں پر برائے فروخت نہیں ہے۔ اس طرح اردو کے ایک کمیاب سہ زبانی لغت کا تعارف ہو جائے گا جس میں اردو کے الفاظ کے مقابل ایک ایسی یورپین زبان کے الفاظ ہیں جو اپنا رسم خط بدل کر آج دنیا کی بڑی زبانوں میں شامل ہو چکی ہے۔

1.1.1 دو زبانی پنجابی-اردو ڈکشنری از سردار محمد خاں کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر

اس ڈکشنری کے اندراجات کی تفصیل یوں ہے کہ ہر سرفلفظ کو Bullet List کی طرح ایک چھوٹے دائرے O سے شروع کیا گیا ہے جب کہ ہر تختی اندراج ایک لمبے خط سے شروع ہوتا ہے۔ سرفلفظ نیز تختی اندراج کے بعد ہلا لین (O) کے اندر کئی چیزوں کا اندراج ہے، مثلاً کہیں پر الفاظ کی قواعدی حیثیت یعنی اسم، صفت، ضمیر، فعل، متعلق فعل، فعل ناقص، حرف/علم، واحد/جمع، مذکر/مونث، زمانہ (ماضی، حال، مستقبل)، لازم، متعدی، متعدی المسعدی، محاورہ، مصدر، حاصل مصدر، وغیرہ، کا اندراج ہے تو کہیں لفظ کا تلفظ وغیرہ۔ انہی ہلا لین میں کہیں کہیں پر ان زبانوں اور بولیوں کے مخففات درج ہیں جن کی فہرست ڈکشنری کے صفحہ 11 اور 12 پر موجود ہے۔ مفرد الفاظ میں واقع ہونے والے املائی، حرئی اور صوتی تغیرات کی وضاحت نیز تصریفی صورتوں کی وضاحت اکثر قلابین میں کی گئی ہے تاہم اس کے لیے کہیں کہیں ہلا لین بھی استعمال کیے گئے ہیں، نیز مفرد الفاظ کا لسانی شجرہ بھی لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اندراج کہیں ہے اور کہیں نہیں۔ بسا اوقات مترادف الفاظ کو بھی قلابین میں رکھا گیا ہے اور ان میں معانی کا خفیف فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ترکیب دادہ الفاظ/ اندراجات یعنی مرکبات کی وضاحت بھی بعض جگہ پر کی گئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

1.1.2 دو زبانی لغت English Dictionary - Mujtahedi's Urdu از یعقوب میراں

مجتہدی کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر

یہ دو زبانی لغت بطور خاص تعلیمی و دفتری ضرورتوں کے پیش نظر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے لغوی اندراجات کی تفصیل یوں ہے کہ اس میں اردو کے سرفلفظ کو اردو کے ہند فارسی رسم خط میں لکھنے کے بعد ہلا لین (O) میں رومن حروف میں اُس کا تلفظ لکھا گیا ہے۔ تلفظ لکھنے کے لیے استعمال کیے گئے رومن حروف میں حروف صوت aeiou کے اوپر ڈیش لگا کر حروف علت کی اور d، g، t وغیرہ کے نیچے ڈیش لگا کر ہندی مصمتی آوازوں کی نیز انگریزی کی t اور d کی مخصوص آوازوں کی صوتی شخصیتوں کی نمائندگی کی گئی ہے، اور اسی طرح dh، gh، وغیرہ کے نیچے اکٹھی ڈیش لگا کر اور بعض کے ڈیش کے نیچے ہندی

لگا کر ہائے الفاظ کی صوتی شخصیات متعین کی ہیں؛ یہ تمام علامتیں لغت کے آغاز میں بالتفصیل ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد سرفظ کی قواعدی حیثیت یعنی اسم، صفت، ضمیر، وغیرہ، کی نشان دہی ہے۔ اس کے بعد سرفظ کے مختلف مفہم کو نمبر وار لکھا گیا ہے۔ یہ مفہم مترادفات کی صورت میں بھی ہیں اور کہیں مختصر توضیح کی صورت میں۔ ہر مفہم کے نمبر کے بعد ہلائین میں شعبہ علم، لسانی نوعیت اور لیبل وغیرہ لکھنے کا التزام ہے؛ ان تمام چیزوں کے مخففات کو لغت کے شروع میں Abbreviations کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

لغوی اندراجات ایٹم ترتیب میں ہیں لیکن ایک سرفظ کے بعد نیچے الگ الگ سرفظوں کی صورت میں اُس سے متعلق مرکبات، محاورات، متعلق افعال، کہاوتیں، وغیرہ جمع کیے گئے ہیں خواہ ان کی ترتیب ایٹم پورے لغت کے اعتبار سے کہیں بھی ہو۔ موضوع کے اعتبار سے لفظوں کو اکٹھا کرنے کی یہ صورت لیکسکن میں ہوتی ہے۔ مثال لیجیے کہ صفحہ 955 پر دوسرے کالم میں سرفظ "چاٹ" ہے۔ اس میں 1 تا 5 نمبر وار مفہم دیے گئے ہیں جن میں پہلے کے اندر تین مترادفات ہیں جب کہ 2 تا 5 میں مترادفات اور توضیحات دونوں ہیں۔ اس کے بعد اگلا سرفظ "چاٹ پڑنا/ چاٹ لگنا" (محاورہ) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹ جانا/ چاٹ کر صاف کرنا/ چاٹ لینا" (محاورہ) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹ دینا" (محاورہ) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹ گھر" (اسم مرکب) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹ لگانا (محاورہ) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹنا" (فعل) ہے جس کے چار مفہم نمبر وار درج ہیں جن میں سے چوتھے کے اندر "اخبار چاٹنا" اور "کتا پیں چاٹنا" (متعلق افعال) کی صراحت بطور مثالی نظائر کے دی گئی ہے؛ اگلا سرفظ "زبان چاٹنا" (محاورہ) ہے؛ اگلا سرفظ "چاٹی" (اسم) ہے؛ اگلا سرفظ "چاچا" (اسم مذکر) ہے؛ اگلا سرفظ "چاچی" (اسم مؤنث) ہے۔

اس فہرست کو سرسری دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سرفظ "زبان چاٹنا" صرف اس لیے یہاں درج کیا گیا کہ یہ اس فہرست کے پہلے سرفظ "چاٹ" کے فعل "چاٹنا" کا ایک محاوراتی استعمال ہے ورنہ یہ لغوی اندراج حرف تہجی زکی پٹی میں آتا۔ صفحہ 1395 دیکھیے جہاں سرفظ "زبان" کے تحت اندراجات کی طویل فہرست ہے؛ یہاں "زبان چاٹنا" والا محاورہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ مولف لغت جناب یعقوب میراں مجتہدی نے بہت ہمت صرف کر کے اس لغت میں نری الفبائی ترتیب کے بجائے اردو زبان کے محاورے و روزمرے کے مطابق لغوی اندراجات اکٹھے کیے ہیں اور لغات سماعیہ (Collocation) کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ لغت نویس ہی جانتے ہیں کہ یہ کام کس قدر آنکھوں کا تیل نکالتا ہے۔ اندراجات کی یہ ترتیب اردو زبان کے مزاج اور اس کی استعمالی ضرورتوں کے عین مطابق ہے جس کے لیے مولف کی جتنی تحسین کی جائے کم ہے۔

مندرجہ بالا فہرست کو پھر سے دیکھیے۔ اس میں لغوی اندراجات "چاچا" اور اس کا مونث "چاچی" الگ الگ ہیں۔ چنانچہ اس نتیجے پر پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ اس قسم کے اندراجات نے لغت کا سائز ذرا سا بڑھا دیا ہے۔

اسی طرح اسی صفحے پر ایک سرلفظ "چاپ اسٹک" ہے۔ اردو کے متون میں اس دخیل لفظ کا اردو املا "چوپ اسٹک" بھی ملتا ہے اور "چاپ اسٹک" بھی۔ جناب مولف کے اختیار کردہ املا میں "اسٹک" سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ سکون اول والے الفاظ کے شروع میں الف لانے کے قائل ہیں لیکن اس کی کوئی صراحت اُن کے ابتدائیے میں نہیں ملتی کہ اُنھوں نے دخیل الفاظ کی جو املا اپنے لغت میں درج کی ہے اُس کے لیے اُنھوں نے معیار کس چیز کو بنایا ہے جس کی بنیاد پر وہ "چاپ" اور "چوپ" کے مروج املاؤں میں سے اول الذکر کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ معیار طے کرنے کے لیے چلن دار املا کی کسی طرح سے فریکوئنسی نکالنے، یا کسی قانون کے تحت الف یا واو میں سے کوئی حرف علت اختیار کرنے سے طے ہو سکتا ہے۔ راقم نے جناب مولف سے یہ استفسار ٹیلی فون پر کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ اُنھوں نے اس قسم کے الفاظ میں املا کا تعین اپنی ذاتی پسند ناپسند سے کیا ہے۔

1.1.3 سہ زبانی ترکی۔ اردو لغت از اصغر حمید کے لغوی اندراجات کی نوعیت پر ایک نظر

یہ سہ زبانی لغت کالمز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے پچھلے اندراجات کی ترتیب اس طرح ہے:

پہلا کالم: ترکی زبان میں لفظ

دوسرا کالم: اردو زبان میں لفظ

تیسرا کالم: ماخذ

چوتھا کالم: ترکی زبان میں معنی

پانچواں کالم: اردو زبان میں معنی

سرلفظوں کے ماخذ (Reference/Root/Etymology) والے کالم پر نگاہ ڈالیں تو اس میں عربی، فارسی، اطالوی، فرانسیسی، انگریزی، ترکی، اردو، ہندی، سنسکرت، ہسپانوی، اور یونانی وغیرہ کے اندراجات ملتے ہیں۔ بعض الفاظ جن کا ماخذ مولف کو معلوم نہ ہو سکا اُن کے سامنے "نامعلوم" لکھ دیا گیا ہے اور قیاسی ماخذ لکھنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔ البتہ جن الفاظ کا ماخذ کسی لغت میں مثلاً انگریزی درج ہے اور کسی اور لغت میں مثلاً فرانسیسی، تو ایسے الفاظ کے سامنے Slash یا Backslash (/) لگا کر دونوں ماخذ زبانوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ مولف نے اردو میں مستعمل ترکی الفاظ کے معنی و مفہوم، تلفظ اور لہجے میں جہاں جہاں فرق دیکھا اُس کی نشان دہی بھی کی ہے۔ تلفظ کی صحت پر خاص دھیان دیا گیا ہے اور تمام ضروری

جگہوں پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ نیز معانی اور مفاہیم (اردو اور ترکی دونوں زبانوں میں) کے اندراجات میں بول چال کی زبان لکھی گئی ہے اور کسی ادبی خصوصاً شعری ماخذ سے سند نہیں لی گئی۔

1.2 عربی، فارسی اور اردو کے معروف اور مستعمل لغت نیز اردو خواں طبقے کے لیے اُن کی اہمیت

عربی-اردو کے لیے "المعجم"، "مصباح اللغات" اور "القاموس الوحید"، فارسی-اردو کے لیے "لغت جامع جی سی یو (فارسی-اردو)" سمیت کئی اور لغات معروف ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر علمی و تعلیمی نیز ادبی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ ان سمیت تقریباً سبھی لغات اب پی ڈی ایف کی صورت میں آن لائن بھی مل جاتے ہیں۔ المعجم کے بارے میں یہ بات عام مشہور ہے کہ یہ عربی کے پاکستانی قاری کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سب سے بہتر ہے۔ فارسی کے ایک سے زائد لغات کے بارے میں یہ بات مشہور ہے۔

تھیسارس: تعریف و اقسام

تھیسارس یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ذخیرہ یا خزانہ ہے۔ بعد میں یہ لفظ بطور اصطلاح انگریزی میں خزانہ الفاظ کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور آج اس سے مراد ایسی ڈکشنری ہے جس میں الفاظ ایسے گروہوں میں تقسیم کیے گئے ہوں جن میں موضوعاتی یا تصوراتی اشتراک ہو۔ چنانچہ تھیسارس میں موضوع یا تصور سے متعلق بیشتر الفاظ فہرستوں کی صورت میں یکجا مل جاتے ہیں اور یہ فہرستیں لفظوں کے مفاہیم کے اعتبار سے الگ الگ کی گئی ہوتی ہیں۔

لفظ سے معنی کے بجائے معنی سے لفظ کی طرف سفر والے لغات کو ٹیکنیکی طور پر Reverse Dictionary (لغت معکوس) کہتے ہیں۔ انگریزی میں ریڈرز ڈائجسٹ اور لانگ مین سمیت کئی لغات معکوس موجود ہیں البتہ اردو میں اب تک صرف ایک ہی ایسا لغت موجود ہے۔ یہاں یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ تھیسارس کی تعریف بیان کرتے ہوئے بسا اوقات اس کا مفہوم لغت معکوس کے ساتھ خلط کر دیا جاتا ہے۔

چونکہ تھیسارس بنیادی طور پر صرف الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جس میں الفاظ کی توضیح نہیں ہوتی اس لیے یہ الفاظ باہم مترادف بھی ہو سکتے ہیں اور متضاد بھی۔ مترادف الفاظ کے لغات اس طرح ترتیب دیے جاتے ہیں کہ مختلف موضوعات و تصورات کے الفاظ یکجا ہوتے چلے جائیں۔ اس کی ایک بہت اچھی مثال Longman Synonym Dictionary ہے۔

وقت اور جگہ بچانے کے لیے ہی نہیں بلکہ استعمال میں سہولت کے لیے بھی متضاد الفاظ کے لغات الگ سے شائع نہیں ہوتے بلکہ مترادف الفاظ کے لغات کے اندر ہی متضاد الفاظ کو شامل کر دیا جاتا ہے۔ اوکسفرڈ سے لے کر لانگ میں تک ہر

ادارے کے لغات مترادفات و متضادات ایک جلد میں موجود ہیں۔

اچھے لغات میں لغوی اندراج کے آخر میں بعض سرلفظوں کے مترادفات و متضادات بھی مناسب تعداد میں دے دیے جاتے ہیں تاکہ قاری کو لفظ سے متعلق تمام سہولتیں ایک ہی جگہ دستیاب ہو جائیں۔ اوکسفرڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری اور کولن کو بلڈ ڈکشنری وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

الختصر، تھیسارس اپنی بخت کے اعتبار سے مترادف الفاظ اور متضاد الفاظ کی ایسی فہرست ہوتا ہے جو الفاظ کے مفاہم کے اعتبار سے الگ الگ کی گئی ہوں۔ مزید وضاحت سے لکھا جائے تو تھیسارس دراصل دو الگ الگ لغات کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ایک لغت مترادفات اور دوسری لغت متضادات ہوتا ہے۔

تھیسارس اور لیکسکن میں فرق

تھیسارس اور لیکسکن میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہوتا اور لیکسکن بھی تھیسارس کی طرح ایسے الفاظ کا یکجا کیا ہوا مجموعہ ہوتا ہے جو مختلف موضوعات یا اشیا سے متعلق ہوں۔ مثال کے لیے Longman Lexicon of Contemporary English (1981) ملاحظہ کیجیے اور اس میں اندراجات کا تقابل راجٹ تھیسارس کے کسی نئے ایڈیشن سے کر لیجیے۔

تھیسارس میں الفاظ کے اندراج کا طریق کار

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، تھیسارس میں عام لغت کی طرح ایٹم ترتیب میں لفظوں کا اندراج اور ان کے مطالب و مفاہم بیان کرنے کے بجائے مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرستیں ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ تھیسارس میں عام ڈکشنری والا ہر سرلفظ بطور مستقل لغوی اندراج دیا جانا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً اگر ہمیں راستہ بمعنی سڑک کے بارے میں کچھ دیکھنا ہے تو ہمیں پہلی چیز یہ تلاش کرنا ہوگی کہ آیا راستہ بطور مستقل لغوی اندراج موجود بھی ہے یا نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ راستہ کے بجائے راہ/ رہ بطور مستقل لغوی اندراج دیا گیا ہو جب کہ راستہ/ رستہ اُس اندراج کے اندر لکھا ہو۔ اب فرض کر لیجیے کہ راستہ کا لفظ ہی بطور مستقل لغوی اندراج موجود ہے تو تھیسارس اس طرح کے الفاظ پیش کرے گا: ڈنڈی، پگڈنڈی، راہ، شاہراہ، خیابان، ہائی وے، روڈ، ذیلی سڑک، سٹریٹ، کوچہ، گلی، وغیرہ۔ اسی طرح اگر راستہ بمعنی تدبیر یا طریقہ کے بارے میں کچھ دیکھنا ہے تو اس قسم کے الفاظ سامنے ہوں گے: ترتیب، سفارش، سہولت، جگاڑ، وغیرہ۔ راستہ کے کئی اور مفاہم کی الگ الگ فہرستیں بھی اسی طرح ملیں گی۔

راجٹ تھیسارس کا تعارف

لفظوں کو مختلف مفاہیم کے تحت یکجا کرنے اور انھیں مفہوم نمبر کے تحت لغوی اندراج میں داخل کرنے کا کام انگریزی لغات میں آغاز ہی سے نظر آتا ہے لیکن باقاعدہ سائنسی انداز میں لفظوں کی گروہ بندی کو ایک فن کا درجہ دینے کا کام پیٹر مارک راجٹ نے کیا۔ اُس نے 1852 میں انگریزی لفظوں کی ایسی فہرست پیش کی جو مختلف موضوعات و تصورات کے تحت یکجا کیے گئے تھے۔ اس فہرست کا نام راجٹ تھیسارس ہے اور یہ آج تک دنیا بھر میں مقبول ہے۔ اگرچہ اس فہرست میں اب بہت زیادہ سائنسی تنوع اور استعمالی آسانیاں پیدا کر کے نئی نئی سہولیات فراہم کی گئی ہیں لیکن اس کا پہلا ایڈیشن شائقین کے لیے آج بھی مہیا رہتا ہے۔

راجٹ نے اپنے وقت کی پاپولر سائنس کی تمام معلوم موجودات کو منطقی بنیاد پر چھ حصوں میں تقسیم کیا جن کے عنوانات یہ تھے:

Abstract Relations

Space

Matter

Intellect

Volition

Affections

اردو میں یہ فہرست اس طرح ترجمہ کی جاسکتی ہے:

تصوراتی تعلقات

مکان (زمان کے مقابلے میں)

مادہ

شعور

مرضی

احساسات

راجٹ تھیسارس دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مفاہیم کے اعتبار سے الگ الگ کردہ مترادف لفظوں کی

فہرستیں ہیں جب کہ دوسرا حصہ الفبائی ترتیب میں ایک مفصل اشاریہ ہے جو پہلے حصے میں موجود کسی بھی لفظ کے متعلقات تک پہنچاتا ہے۔

تھیسارس سازی: ایک سادہ تعارف

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، تھیسارس سازی کا کام اولاً انگریزی میں شروع ہوا اور 1852 میں راجٹ تھیسارس کے نام سے پہلا تھیسارس شائع ہوا۔ انگریزی کے بعد فرانسیسی اور جرمن زبانوں کے تھیسارس مرتب کیے گئے اور پھر عربی اور روسی زبانوں کے۔ آج دنیا کی بیشتر اہم زبانوں کے تھیسارس موجود ہیں۔

اردو میں تھیسارس سازی کا کام سید عابد علی عابد نے شروع کیا لیکن یہ کام چند کارڈ بنانے تک محدود رہا اور یوں یہ کام برائے نام رہا۔ اُن کے کام کے بارے میں جو اندازہ ہوا ہے وہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ وہ تھیسارس کے بارے میں خود واضح نہ تھے اور اسے لغت ہی سمجھتے تھے، اور لغت سازی کا بھی کوئی تجربہ اُن کے پاس نہ تھا۔ پھر ترقی اردو بورڈ نے تھیسارس تیار کرنے کا اعلان کیا لیکن اس میں کوئی نمایاں پیش رفت نہ ہوئی۔ البتہ یہاں پر لفظوں کی جو ابتدائی فہرستیں تیار ہوئیں وہ "اردو مترادفات" کے نام سے شائع کر دی گئیں جس کا اگلا ایڈیشن "قاموس مترادفات" کے نام سے شائع ہوا۔ کام کا ڈھانچہ کمزور ہونے اور لغت نگاری کا کام کرنے/کرانے میں ناتجربہ کاری کے باعث فوری، اہم، ضروری اور غیر ضروری کی تخصیص نہ کیے جانے کی وجہ سے یہ فہرستیں سائنسی انداز میں مرتب ہونے کے بجائے ذوقی ہونے لگیں اس لیے نامختم طور پر طویل ہوتی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب تھیسارس کے تکنیکی طور پر پہلے حصے یعنی فہرست مترادفات تک ہی محدود رہی اور تھیسارس نہ بن سکی۔ بعض اورداداروں نے بھی اردو تھیسارس تیار کرنے کے اعلانات کیے لیکن کہیں پر کچھ Deliver نہ ہو سکا۔ اردو والے لوگ اور بڑے چھوٹے ادارے اردو تھیسارس بنانے میں ناکام رہے تو راجٹ تھیسارس کا اردو میں ترجمہ کرانے کا فیصلہ ہوا تاکہ کوئی ابتدائی نقش اس سلسلے میں سامنے آسکے۔ یہ مشورہ کس کا تھا اور کہاں پیش ہوا، یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ تاہم 1981 میں رفیق خاور نے راجٹ تھیسارس کے ایڈیشن 1961 کو اردو میں ترجمہ کرنے/ڈھالنے کا کام شروع کیا جو دسمبر 1993 میں مکمل ہوا۔ یہ کام مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد نے 1994 میں شائع کر دیا۔

اردو تھیسارس: ایک سادہ تعارف

اردو تھیسارس میں بھی راجٹ تھیسارس کی طرح لفظوں کے زمرے بنائے گئے ہیں اور ہر زمرے کے آگے ایک نمبر دیا گیا ہے۔ جب متعلقہ نمبر والا لفظ نکالیں تو اُس کے مزید مفہم سامنے آتے ہیں۔ مثلاً راجٹ تھیسارس ایڈیشن 1961 میں impossible کا لفظ تلاش کیا جائے تو اس کے آگے 471 لکھا ہے؛ اس نمبر پر جائیے تو لفظوں کی یہ فہرست ملتی ہے:

Not-possible, absurd, contrary to reason, unlikely, at variance with facts, unreasonable, incredible, inconceivable, etc.

اردو تھیسارس میں 471 نمبر کے اندراج میں دیکھیے تو یہ الفاظ ملتے ہیں:
 محال، ناممکن، بعید از امکان، ناممکن العمل، ناممکن الوقوع، ناقابل عبور، ناقابل رسائی، انہونی، ورائے قیاس،
 ناقابل یقین، ناقابل تصور، بعید از عقل، خارج از بحث، محیر العقول۔

درج بالا فہرست الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اردو تھیسارس بنیادی طور پر راجٹ تھیسارس ایڈیشن 1961 کی اردو
 میں براہ راست ڈھلائی ہے۔ البتہ اس میں کئی جگہ پر اردو شعر و ادب سے مثالیں لائی گئی ہیں اور اردو کے لسانی مزاج کے
 مطابق بنانے کے لیے کئی کوششیں کی گئی ہیں۔ کئی معروف شعری تراکیب اور بعض مصرعے اور اشعار بھی ان فہرست ہائے
 الفاظ میں شامل ہیں۔ واضح رہے کہ راجٹ تھیسارس میں ایسا نہیں ہے اور اس میں سائنسی و عصری علوم سے متعلق الفاظ کثیر
 تعداد میں ہیں۔ اس سرسری تقابلی مطالعے سے اس سادہ نتیجے پہ پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کہ اردو بنیادی طور پر شعر و ادب کی
 زبان ہے اور اس میں سائنسی اور دیگر عصری علوم کے لیے الفاظ کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ تاہم اردو کے لسانی مزاج سے ہم آہنگی کی
 کوشش کی وجہ سے یہ تھیسارس راجٹ تھیسارس 1961 ایڈیشن کے صرف ترجمے تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو کا ہمہ جہتی تھیسارس
 بن گیا ہے۔

لغت کے ہوتے ہوئے تھیسارس کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

قریب المعانی اور قریب المفہوم الفاظ میں سے کسی بھی موقع کے لیے درست ترین لفظ کا انتخاب کرنے کے لیے
 تھیسارس کے علاوہ کوئی کتاب مہیا نہیں ہے۔ درست ترین لفظ کا انتخاب نہ صرف اپنی زبان کے لیے ضروری ہوتا ہے بلکہ کسی
 اور زبان میں / سے ترجمہ کرتے وقت یہ ضرورت اور اس کی نزاکت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ مثال لیجیے کہ دھوکہ اور سراب اس حد
 تک قریب المعنی الفاظ ہیں کہ ہم معنی محسوس ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ جملہ لکھے کہ "اسلم نے مجھے دھوکہ دیا" تو یہ بالکل
 درست ہے، لیکن اگر یہ جملہ لکھا جائے کہ "اسلم نے مجھے سراب دیا" تو یہ بالکل غلط ہے۔ سراب کا لفظ نظر کا دھوکہ کے معنی میں
 استعمال ہوتا ہے۔ مفاہیم کا یہ فرق فہرستوں سے الگ الگ ہونے سے واضح ہوگا۔

تھیسارس میں محض متبادلات یعنی مترادفات ہی درج نہیں ہوتے بلکہ متضاد الفاظ بھی درج کیے جاتے ہیں۔ نیز لفظ
 کو اس کی مختلف قواعدی حالتوں میں پرکھا جاتا ہے یعنی اگر وہ فعل کے علاوہ اسم یا اسم صفت کی صورت میں بھی استعمال ہوتا
 ہے تو ایسی تمام شکلیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ یہ معلومات زبان و بیان کے طلبہ کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ علاوہ
 ازیں مترادف الفاظ کے استعمال پر عبور اور ادبی نیز غیر ادبی مثلاً سرکاری و نجی خط و کتابت اور صحافت وغیرہ میں اس کی اہمیت
 کے پیش نظر تھیسارس کا استعمال بنیادی علمی و تعلیمی ضرورت ہے۔ ایک لکھاری (شاعر یا نثر نگار) کو مترادفات کی ضرورت
 کیوں پڑتی ہے، اس کے لیے کلاسیکی نثر اور اساتذہ کے کلام سے مثالیں بکثرت لی جاسکتی ہیں۔

لغات مترادفات و محاورات

لغات مترادفات: تعریف و اقسام

لغات مترادفات کے بارے میں اس باب کے شروع میں تھیسارس سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے تفصیلی بات ہو چکی ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ تھیسارس میں قریب المفہوم ہم معنی الفاظ کی فہرستیں دراصل لغت مترادفات ہی کی صورت ہوتی ہے۔ ایسی لغات میں الفاظ کے معنی کے بجائے ان کے مترادفات دیے جاتے ہیں جن کے ساتھ کبھی کبھی کلیدی الفاظ سے متعلق تراکیب بھی دی جاتی ہیں۔ اب شائع ہونے والے بیشتر لغات مترادفات میں لغت متضادات بھی ساتھ ہی شامل ہوتا ہے۔

لغات مترادفات اور عام لغات میں تکنیکی و استعمالی فرق

لغات مترادفات چونکہ کسی بھی زبان کی الفبائی ترتیب میں الفاظ کو سرفظ بنا کر ان کی تعریف لکھ دینے والے عمومی ڈھانچے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ ان میں بعض الفاظ کو کلیدی یا رہنما الفاظ تسلیم کر کے ان کے سامنے قریب المفہوم ہم معنی الفاظ درج کیے جاتے ہیں اس لیے ان میں ان لفظوں کا منتخب کرنا بنیادی اہمیت کی چیز ہے جو کلیدی یا رہنما کے درجے پر فائز کیے جائیں۔ یہ الفاظ کئی طرح کے ہو سکتے ہیں: (1) معروف اور روزمرہ استعمال کے لفظ، (2) زیادہ مستعمل لفظ یعنی High Frequency Words (HFW)، (3) اہم لفظ، (4) کسی چیز یا فعل یا مفہوم کے لیے مستعمل تنہا لفظ، وغیرہ۔ انگریزی کے معروف لغات مترادفات میں مثلاً Longman Synonym Dictionary میں اور اس کے بعد شائع ہونے والے مختلف اداروں کی لغات میں بالالتزام زیادہ مستعمل الفاظ کو کلیدی الفاظ کا درجہ دیا گیا ہے۔ اردو کے پہلے دو لغات مترادفات یعنی "اردو مترادفات" اور پھر اس کے اضافہ شدہ دوسرے ایڈیشن یعنی "قاموس مترادفات" کے دیباچوں میں البتہ ایسی کوئی صراحت نہیں ہے کہ ان میں کلیدی الفاظ کے انتخاب کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

عام لغت میں سرفظ کے بعد اس کے معانی و مفاہیم اور بسا اوقات توضیح وغیرہ لکھی گئی ہوتی ہے جب کہ لغت مترادفات میں کلیدی لفظ کے ہم معنی الفاظ کی فہرستیں ہوتی ہیں۔ مثلاً باپ، والد، ابا، ابو، پتا وغیرہ وغیرہ میں سے صرف باپ کا لفظ کلیدی لفظ مان لیا جائے اور باقی الفاظ کو اس کے تحت لکھا جائے۔

لغات مترادفات (ومتضادات) ادیبوں، شاعروں اور مقررین وغیرہ کے لیے بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایسے لغات میں بہت جدتیں لائی گئی ہیں۔

"قاموس مترادفات" پر ایک نظر

اردو سائنس بورڈ کا شائع کردہ "قاموس مترادفات" اپنے موضوع پر اس وقت عام مہیا ہو جانے والا لغت ہے جس کا دوسرا ایڈیشن 2001 میں شائع ہوا۔ جناب وارث سرہندی کے مرتب کردہ اس شاندار لغت میں بہت محنت سے الفاظ کے مترادفات جمع کر کے انھیں قریب المفہوم الفاظ کی فہرستوں میں رکھا گیا ہے۔ یہ کام انگریزی کی بڑی لغات مترادفات کے پائے کا ہے اور وارث سرہندی کا نام ہی اس کی تعریف کے لیے کافی ہے۔ البتہ جناب اشفاق احمد ڈائریکٹر جنرل اردو سائنس بورڈ نے، جیسا کہ اپنے دیباچے میں لکھا ہے، اس کے مسودے پر نظر ثانی کی اور تقاضوں کے مطابق مناسب اضافے کیے اور بورڈ کے دفتر کے اصحاب کے ذریعے تراکیب بہم کر کے انھیں اس میں شامل کیا۔ چنانچہ اس لغت میں محاورات و تراکیب اور مقولے و ضرب الامثال وغیرہ کا اضافہ وہ چیز ہے جو اسے انگریزی کی بڑی لغات مترادفات کے ڈھانچے سے الگ کر کے ایک مختلف لغت بنا دیتا ہے۔ راقم کی رائے میں یہ اضافہ غالباً اشفاق احمد کا اپنا ہے اور وارث سرہندی نے ایسا نہیں کیا ہوگا۔ تکنیکی طور پر لغت مترادفات (ومتضادات) میں محاورات و تراکیب اور مقولے و ضرب الامثال وغیرہ شامل نہیں ہوتے۔

لغات محاورات

محاوراتی زبان (Expression/Idiomatic Language) کیا ہوتی ہے اور کیا نہیں؟ محاورے کی تعریف اور روزمرے سے اس کے تقابل وغیرہ جیسی کتابی بحثوں سے خود کو الگ رکھتے ہوئے اس موقع پر ہم دیکھیں گے کہ محاوراتی زبان کسے کہتے ہیں۔ محاوراتی زبان سے مراد زبان کا ایسا استعمال ہے جو زبان کے جاننے والوں کے نزدیک درست ہو اور بات (کلام/تحریر) کا مفہوم پورے طور سے واضح کرتا ہو، یا ایسی غیر رسمی زبان (Informal Language) جس میں بعض لفظوں کے لغوی معنی وہ نہ ہوں جو پورے جملے یا فقرے سے ظاہر ہوتے ہوں۔ چنانچہ محاوراتی زبان وہ نہیں جس میں محاورے ٹھونسے گئے ہوں بلکہ اس سے مراد وہ سادہ و سلیس اور قواعد کے اعتبار سے درست پیرایہ اظہار ہے جسے زبان کے بولنے برتنے والے لوگ بے تکلف سمجھ لیتے ہوں۔ محاوراتی زبان کی یہ تعریف Oxford Dictionary of Current Idiomatic English (1975) سے اخذ کی گئی ہے۔

اوسفر ڈے سے اخذ کردہ اپنے الفاظ کی لکھی گئی محاوراتی زبان کی اس تعریف کو اردو زبان و قواعد کی لفظیات میں لکھیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ صنائع بدائع کا استعمال یا جناتی زبان، موٹے موٹے الفاظ اور دوراز کار استعارات کو جمع کر دینا محاوراتی زبان نہیں کہلاتا بلکہ لغات سماعیہ (Collocation) سے ہم آہنگ زبان ہی محاوراتی زبان ہوتی ہے۔

در اصل لوگ محاوراتی زبان (Idiomatic Expression) اور محاوراتی جملے (Idiomatic Sentence) کو ایک ہی چیز سمجھ لیتے ہیں اور ان میں فرق نہیں کر پاتے۔ محاوراتی جملے کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ حکمیہ فقرہ "اپنی زبان سنبھالو" میں زبان کو ہاتھ سے سہارا دینے کا یا کہیں محفوظ کر کے رکھنے کا نہیں کہا جا رہا بلکہ زبان کے بول کو تمیز کے دائرے میں رکھنے پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی یہ فقرہ دھمکی بھی ہو سکتا ہے۔ نیز یہاں "تمیز کے دائرے میں رکھنا" استعمال ہوا۔ واضح بات ہے کہ تمیز کوئی مادی جسم نہیں اور نہ اس کا دائرہ پرکار سے کھینچا جاتا ہے تاکہ تمیز کو اس کے اندر رکھا جائے بلکہ لفظوں کا یہ پورا

مجموعہ، اسی ترتیب میں، لغتِ سماعیہ ہے جس سے اردو بولنے برتنے والوں کے کان اور آنکھیں مانوس ہیں۔ ذرا "تمیز کی مثلث میں رکھنا" کہہ کر یا لکھ کر دیکھیے، ہر کوئی اس پر چونکے گا اور اسے غلط کہے گا۔ لغتِ سماعیہ کی ایسی توڑ پھوڑ مزاح پیدا کرنے کی ایک تکنیک ضرور ہے لیکن سنجیدہ یا رسمی زبان میں ایسا نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض یہ روزمرہ ہے جو زبان کو درست بولنے برتنے پر مجبور کرتا ہے۔ زبان کا روزمرے کے مطابق درست ہونا ہی اُسے محاوراتی زبان بناتا ہے۔

لغاتِ محاورات پر ایک نظر

محاورات کی لغت کی سائنسی بنیاد پر تیاری کی تاریخ انگریزی میں خاصی پرانی ہے تاہم اوکسفر ڈ نے Oxford Dictionary of Current Idiomatic English کے نام سے 1975 میں دو جلدوں میں یہ کام پیش کر کے انگریزی میں محاورے، مقولے، ضرب المثل، چلتے جملے (Catch Phrase) اور لغتِ سماعیہ (Collocations) کے درمیان فرق کی بحثوں کا نتارا کر دیا۔ اس لغت کے بعد سے انگریزی لغات میں محاورے اور ان کے استعمالی جملے بہت فراوانی سے مہیا ہونے لگے ہیں اور انگریزی بطور عالمی زبان کے بسہولت استعمال ہونے لگی ہے۔ مثال لیجئے کہ اب مائیکروسافٹ کی سافٹ ویئر مصنوعات کے انگریزی ورژن کے لیے جو انگریزی استعمال ہوتی ہے وہی، برائے گفتگو، معیاری انگریزی زبان شمار ہوتی ہے اور اسی کا محاورہ بطور معیاری انگریزی محاورے کے تسلیم کیا جاتا ہے۔

اردو میں لغاتِ محاورات

منشی چرن جی لال نے 1886 میں امپیریل بک ڈپو پریس دہلی سے "ہندوستانی مخزن المحاورات" مرتب کر کے اردو کے محاورات کو جمع کرنے کا کام جامع انداز میں مکمل کیا۔ اس سے پہلے یہ کام کبھی اس انداز میں جامعیت کے ساتھ نہ ہوا تھا۔ اوکسفر ڈ کے متذکرہ بالا لغت اور چرن جی لال کے اس لغت کے اندراجات کا سرسری تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس میں صرف محاورات نہیں بلکہ تمشلیں، اشعار، کہاوتیں وغیرہ بھی ملتی ہیں۔ اردو کا لسانی مزاج چونکہ ادب سے قریب ہے اس لیے ان سب چیزوں کا اس لغت میں ہونا آج بھی پھبتا ہے تاہم اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ چرن جی لال کا کام تھا ایک آدمی کا کیا ہوا اور اوکسفر ڈ کے متذکرہ بالا لغت سے کوئی ایک صدی پہلے کا ہے تو اس قسم کے تحفظات از خود ہوا ہو جاتے ہیں۔

نیز "ہندوستانی مخزن المحاورات" کا دوسرا ایڈیشن جو 1899 میں منشی امیر چند کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا، اگر اس کا تقابل اس کے پہلے ایڈیشن سے کیا جائے تو اس میں انتخاب محاورات اور دیگر اندراجات کے سلسلے میں کئی جدتیں نظر آتی ہیں۔ تاہم مجھے افسوس ہے کہ اس لغت کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں فرق پر کوئی علمی یا تکنیکی تحریر ابھی تک میری نگاہ سے نہیں گزری۔ اردو میں محاورات کے بہت سی لغت شائع ہوتی رہی ہیں جن کی خوبیوں کی لمبی فہرست ہے نیز محاورات و تلمیحات کے سماجی و ثقافتی پس منظر پر بھی شاندار تحقیقی کام باقاعدہ لغات کی صورت میں پیش کیے جا چکے ہیں جیسے ڈاکٹر عشرت جہاں ہاشمی کی "اردو محاورات کا تہذیبی مطالعہ" وغیرہ، تاہم "ہندوستانی مخزن المحاورات" آج بھی ہر لحاظ سے اپنی باوقار اہمیت قائم رکھے ہوئے ہے۔

خود آزمائی

- ۱۔ کثیر لسانی لغات کی تعریف کریں؟
- ۲۔ کثیر لسانی لغات کی کتنی اقسام ہو سکتی ہیں؟
- ۳۔ سردار محمد خاں کی دوزبانی 'پنجابی اردو لغت' پر نوٹ لکھیں۔
- ۴۔ عربی فارسی اردو کے لغات کے معروف لغات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
- ۵۔ تھیسارس کسے کہتے ہیں؟
- ۶۔ تھیسارس کی اقسام بیان کریں
- ۷۔ تھیساری سازی پر نوٹ لکھیں۔
- ۸۔ لغات مترادف کسے کہتے ہیں؟
- ۹۔ لغات مترادف و محاورات کی اقسام بیان کریں۔
- ۱۰۔ اردو میں لغات محاورات کے ارتقا کے بارے میں بتائیے۔

مجوزہ کتب

- ۱- اردو تھیسارس، رفیق خاور، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء
- ۲- گوپی چند نارنگ، لغت نویسی کے مسائل، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، طبع اول ستمبر ۱۹۸۵ء۔
- ۳- مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۲۰۰۰ء

اصطلاحات کی فرہنگیں، آن لائن لغات، انسائیکلو پیڈیا

تحریر: حافظ صفوان چوہان
نظر ثانی: ڈاکٹر صفدر رشید

فہرست

- 187-----یونٹ کا تعارف
- 187-----یونٹ کے مقاصد
- 188-----اصطلاح کیا ہوتی ہے؟
- 189-----اصطلاحات کی فرہنگ میں توضیح کا معیار
- 190-----ترجمے اور اصطلاح سازی کا باہمی تعلق نیز دوران ترجمہ اصطلاح سازی کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟
- 191-----اردو میں اصطلاحات کی اہم فرہنگیں
- 192-----آن لائن لغات
- 194-----انسائیکلو پیڈیا
- 194-----انسائیکلو پیڈیا: تعارف اور اقسام
- 195-----انسائیکلو پیڈیا اور لغت کے اندراجات میں تکنیکی فرق
- 198-----خود آزمائی
- 199-----مجوزہ کتب

یونٹ کا تعارف

ہر ذی روح کسی نہ کسی طرح اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ انسان کے لیے یہ عمل ایک فطری تقاضا ہی نہیں بلکہ سماجی ضرورت بھی ہے۔ زبان انسان کے احساسات و خیالات کی ترجمانی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اسی طرح زبان کی نشوونما اور لغت سازی محض ایک علمی ضرورت ہی نہیں بلکہ تہذیبی اور سماجی ضرورت بھی ہے۔ ہر بولی بہت سے تخلیقی مراحل سے گزر کر زبان کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ سماجی ضروریات، رسوم و رواج، اختراعات و ایجادات اور نئے انداز فکر کی بدولت ذخیرہ الفاظ اور اسالیب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جب کسی زبان میں ایک معقول نثری اور شعری سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو فرہنگوں اور لغات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح انسائیکلو پیڈیا بھی علمی سرگرمی کے لیے ناگزیر کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں انسائیکلو پیڈیا ایک ایسی تصنیف ہوتی ہے جس میں انسانی علوم کے تمام شعبوں سے متعلق معلومات و حقائق درج ہوتی ہیں۔ آغاز زندگی سے لے کر آج تک انسان نے اپنے بارے میں اور کائنات کے بارے میں جو کچھ جانا ہے اور جو کام سرانجام دیے ہیں، وہ سب انسائیکلو پیڈیا کے اوراق میں جمع ہو جاتا ہے۔

اس یونٹ میں فرہنگوں کی لغات اور انسائیکلو پیڈیا کی مختلف جدید شکلوں کا مطالعہ کیا جائے گا۔ طلبہ کی رہنمائی کے لیے مجوزہ کتب بھی فراہم کر دی گئی ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

- ۱۔ لسانیات کے شعبے میں علم اصطلاحات کی اہمیت جاننا
- ۲۔ اصطلاحات کی فرہنگوں سے آگاہ ہونا
- ۳۔ آن لائن لغات کی جدید شکلوں سے متعارف ہونا
- ۴۔ انسائیکلو پیڈیا اور اس کے اندراجات سے آگاہ ہونا

اصطلاح کیا ہوتی ہے؟

اصطلاح کسی زبان میں پہلے سے موجود کسی لفظ کا وہ خاص مفہوم ہوتا ہے جو کسی خاص فعل یا حالت کے بیان کرنے کے لیے کسی شعبے یا پیشے کے لوگوں میں رفتہ رفتہ مخصوص ہو جائے۔ عام بولی جانے والی زبان میں پہلے سے موجود کسی لفظ کے اندر یہ نیا مفہوم رفتہ رفتہ بھرتا ہے۔ مثال لیجیے کہ قاری سے مراد قرآن کی قرات کرنے والا، اخبار سے مراد کاغذ کا مخصوص نوعیت کا ٹکڑا، زیادتی سے مراد ایک خاص فعل جو قانونی دائرہ کار میں آتا ہے، شعبہ کمپیوٹر و اطلاعیات میں File یا Save یا Mouse، وغیرہ، سب اصطلاحات ہیں۔ یہ الفاظ مختلف زبانوں میں پہلے سے موجود ہیں اور اپنے اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن انہی الفاظ کو چونکہ مختلف شعبوں میں یا مختلف حالات میں خاص معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے یہ عام لفظ سے بلند ہو کر اصطلاح کے درجے پہ فائز ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان الفاظ کی پہلے سے موجود لغوی حیثیت یا عمومی معنی و مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ایسا لفظ جو کسی شعبہ زندگی یا علم و فن میں کسی خاص مفہوم کے بیان کرنے کے لیے گھڑا جائے وہ بھی اصطلاح کہلاتا ہے۔ یہ لفظ اپنے مفہوم کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ مثال لیجیے کہ سوشلسٹان، سماجی فاصلہ کا مخفف، نجکاری (نجی کاری کا مخفف)، Nuke، Forex، Capex، وغیرہ، وہ خاص الفاظ ہیں جو پچھلے چند سال میں گھڑے گئے ہیں اور اپنے اپنے شعبے یا دائرہ عمل میں استعمال ہوتے ہیں۔

اصطلاحات کی فرہنگیں: تعریف و اقسام

اصطلاحات کی فرہنگیں مختلف شعبہ ہائے زندگی اور مختلف علوم و فنون کی لغات ہوتی ہیں جن میں اصطلاحات کو الفبائی ترتیب میں سر لفظ بنا کر ان کی توضیح کی گئی ہوتی ہے۔ تکنیکی طور پر یہ فرہنگیں صرف توضیحی و تشریحی ہو سکتی ہیں لہذا ان کے لغوی اندراجات کو صرف معلومات کی یا اسلوب توضیح کی بنیاد پر جانچا جاسکتا ہے۔

اصطلاحات کی فرہنگیں بنیادی طور پر دو اقسام کی ہوتی ہیں: (1) اصطلاحات کی براہ راست فرہنگ، (2) ترجمہ شدہ یعنی متبادل اصطلاحات کی فرہنگ۔

اصطلاحات کی براہ راست فرہنگ میں اولین مثال فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں کی ہے۔ دوسری قسم کی مثال کے

لیے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی شائع کردہ فرہنگوں کو دیکھ لیا جائے۔

اصطلاحات کی فرہنگ میں توضیح کا معیار

چونکہ اصطلاحات کی فرہنگ میں سرلفظ کی صرف وضاحت اور متعلقہ معلومات دی گئی ہوتی ہیں اس لیے انہی دو پہلوؤں کو درست اور بر محل ہونا چاہیے۔ بالفاظ دیگر اگر دی گئی معلومات میں سقم یا کمی یا فرسودگی ہے تو یہ لغت سرے سے ساقط الاعتبار ہو جائے گا، چنانچہ ایسی لغات میں معلومات کی درستی و تازگی کے ساتھ ساتھ معلومات کا ماخذ بطور خاص دیا جاتا ہے۔ اس پہلو کو ہر ایڈیشن میں بطور خاص دیکھا جاتا ہے۔

دوسری چیز وضاحت/توضیح اور اس کا اسلوب ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ کسی اصطلاح کی تعریف (Definition) کو دائروہ نہیں ہونا چاہیے، یعنی ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے کہ ایک سرلفظ یعنی اصطلاح کی تعریف کسی دوسری اصطلاح کا استعمال کرتے ہوئے کی جائے۔ یہ وضاحت جس قدر سادہ اسلوب اور سامنے کے الفاظ میں ہو اسی قدر اچھی سمجھی جائے گی۔

سادہ اسلوب میں الفاظ کا چناؤ اہم ترین نکتہ ہے۔ لغت میں کسی بھی لغوی اندراج کی توضیح کے لیے کس قدر سادہ الفاظ استعمال کیے گئے، اس پر سبھی بڑے اور اچھے اشاعتی ادارے مستقل کام کرتے رہتے ہیں۔ مثال لیجیے کہ 1982 میں اوکسفرڈ نے فیصلہ کیا کہ وہ تمام علوم کے الفاظ و اصطلاحات کی تعریفیں داخل لغت کرنے کے لیے بائیس سو الفاظ کے ذخیرے (Vocabulary) میں سے لفظ منتخب کرے گا، اور یہ بائیس سو الفاظ وہ افعال و اسماء ہیں جو انگریزی بولنے برتنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ مستعمل (HFW) ہیں۔ اس کے لیے توجیہ یہ پیش کی گئی کہ یہ وہ لفظ (اور ان کے مرکبات و تصریفی صورتیں، وغیرہ) ہیں جن سے ایک عام آدمی زیادہ مانوس ہے۔ بعد ازاں ان لفظوں کی تعداد میں انتہائی توجہ کے ساتھ مزید کمی لائی جاتی رہی۔ 1986 میں یہ تعداد گھٹ کر دو ہزار الفاظ رہ گئی۔ سبھی ادارے سادہ اسلوب کی اس دوڑ میں لگے رہے اور یہ تعداد مزید کم ہوتی گئی۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ آج کسی بھی شعبہ علم کی کسی بھی اصطلاح کو انگریزی میں ایسے ذخیرہ الفاظ کے ساتھ لکھا جانا عام ہو گیا ہے جنہیں سمجھنے کے لیے لغت دیکھنے کی ضرورت کم سے کم پڑتی ہے۔

ترجمے اور اصطلاح سازی کا باہمی تعلق نیز دورانِ ترجمہ اصطلاح سازی کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

ہر شعبہ علم و فن کا اپنا اپنا ذخیرہ الفاظ، سلینگ اور چور بولی (Argot) ہوتی ہے جسے اُس سے متعلق لوگ خوب جانتے ہیں اور اُس حلقے سے باہر کے لوگ کم جانتے یا بالکل نہیں جانتے ہیں۔ مثال لیجیے کہ ٹھگ بولی اس سلسلے کی ایک مشہور بولی ہے جس پر بہت تحقیقی کام ہوا ہے۔ اصطلاحات پیشہ ورانہ، کرخنداروں کی زبان، وغیرہ وغیرہ جیسی ایک لمبی فہرست ہے جو اس مطالعے کا حصہ ہے۔ علوم اور پیشوں کے اس ذخیرہ الفاظ میں اصطلاحات کی شان امتیازی ہوتی ہے۔

اصطلاحات سازی یعنی نئی اصطلاح گھڑنے کی ضرورت نہ صرف گفتگو میں رہتی ہے بلکہ کسی خیال یا مواد کو کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس عمل کی ضرورت کہیں زیادہ پیش آتی ہے۔ نیز چونکہ گفتگو میں لہجے کے اتار چڑھاؤ اور ہاتھوں اور جسم کے دیگر اعضاء کی حرکت سے کام لے کر بہت کم لفظوں (اور بسا اوقات لفظوں کے بغیر ہی محض اشارے یا صرف آنکھ کی معنی خیز حرکت سے) بات سمجھائی جاسکتی ہے جب کہ گفتگو کی نسبت تحریر ایک خاص سنجیدگی اور محدود تر ذرائع کمیونیکیشن کی وجہ سے صرف لکھے ہوئے الفاظ کا تقاضہ کرتی ہے اس لیے کسی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت مخصوص الفاظ یعنی اصطلاحات کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لائق مصنفین خیال کو چابکدستی سے دوسری زبان میں ڈھال دیتے ہیں اور بسا اوقات اس لازمی ضرورت کے بغیر ہی کام نکال لیتے ہیں لیکن بہر حال ایسا نہ تو ہر جگہ ہو سکتا ہے اور نہ ہمیشہ ہو سکتا ہے۔ عام گفتگو کی بات مختلف ہے لیکن اگر کسی شعبہ علم کی کسی خاص تعریف (Definition) کو کسی اور زبان میں ڈھالنا ہو تو اُس خاص تعریف کو خاص لفظ کے ساتھ ہی مربوط کرنا ہوگا۔ مثال لیجیے کہ لفظ Narration کے لیے بیانیہ کا لفظ 1969 میں شائع شدہ ریاضی کی اردو کتاب میں لکھا ملتا ہے لیکن چند سال قبل سے اردو میں یہ لفظ Narrative کے متبادل کے طور پر استعمال کرنے کی روایت جاوید احمد غامدی نے شروع کی ہے چنانچہ قومی بیانیہ، مذہبی بیانیہ، سیاسی بیانیہ، وغیرہ وغیرہ جیسے مرکبات بطور اصطلاح عام نظر آتے ہیں۔ چنانچہ بیانیہ ایک نیا لفظ ہے اور خاص معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح مثلاً Prefix اور Postfix کے لیے سابقہ اور لاحقہ کی اصطلاحات بہت پہلے گھڑی گئیں جب کہ Infix کے لیے داخلہ کی اصطلاح راقم نے گھڑی۔ یا مثلاً اردو کے روایتی رسم خط یعنی Arabic - Perso-Indo کے لیے ہند فارسی رسم خط کی اصطلاح بھی راقم نے بنائی۔ القصہ اصطلاح سازی کی ضرورت سے ترجمہ کاروں کو فرار نہیں ہے۔

اردو میں اصطلاحات کی اہم فرہنگیں

اردو میں اصطلاحات کی فرہنگوں کا باقاعدہ آغاز مولوی وحید الدین سلیم کی "فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں" سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد 1965 میں پروفیسر شیخ منہاج الدین کی "قاموس الاصطلاحات" کا شائع ہونا ایک تاریخ ساز موقع تھا۔ اس قاموس کی اشاعت کے بعد مختلف علوم و فنون کی گلاسریز اور لغات شائع ہونے کا طویل دور شروع ہوا جس نے شعبہ اطلاعات و صحافت سے لے کر انجینئرنگ و آرکیالوجی تک کے الگ الگ لغات سے اردو کو ثروت مند کیا۔

آن لائن لغات

آن لائن اور آف لائن لغت میں فرق

آن لائن لغت وہ لغت ہے جسے انٹرنیٹ کی مدد سے ویب براؤزر یا ایپ کی صورت میں ٹیب یا سمارٹ فون پر دیکھا اور استعمال کیا جاسکے۔ آف لائن لغت وہ ہوتا ہے جو انٹرنیٹ کا کنکشن موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی مہیا ہو۔ یہ لغت کس طرح اور کس صورت میں مہیا ہو سکتی ہے، اس کے لیے وین سائٹ کے کانٹینٹ کی آف لائن فراہمی سے متعلق تکنیکی معلومات آئی ٹی پر مواد والی کسی ویب سائٹ سے دیکھ لیجیے۔

آن لائن لغات کی نوعیت

آن لائن لغات میں وہ سبھی سہولیات اسی انداز اور سطح پر مہیا ہوتی ہیں جو انٹرنیٹ کے ذریعے مہیا کسی بھی مصنوعات کی ویب سائٹ پر ہوتی یا ہو سکتی ہیں۔ یہ سہولیات بلا معاوضہ اور قبیحاً دونوں طرح مہیا ہوتی ہیں۔ جس طرح بعض صورتوں میں ویب سائٹوں پر اضافی یا پیشہ ورانہ مواد کے حصول کے لیے رقم خرچ کرنا پڑتی ہے اسی طرح بعض لغات کی سائٹس پر ہوتا ہے۔ لفظوں کی تلاش اور دیگر لغوی معلومات کے بارے میں مختلف لغات کی سائٹس پر مختلف طرح کی معلومات ملتی ہیں۔ اردو کے بہت سے لغات اب آن لائن مہیا ہیں، اور کاروباری ضرورتوں کے تحت ان کی سائٹس اور ایپس میں بہت تنوع ہے۔ اردو لغت بورڈ کراچی کے 22 جلدی "اردو لغت" (تاریخی اصول پر) سے لے کر جان ٹی پلیٹس کی اردو-کلاسیکل ہندی-انگریزی ڈکشنری تک بہت سے لغت سائٹس پر موجود ہیں۔

اردو کا سب سے بڑا آن لائن لغت: ریختہ

ریختہ کی آن لائن اردو ڈکشنری کا مختصر تکنیکی تعارف یوں ہے کہ یہ اردو کے تینوں رسوم خط یعنی ہند فارسی، رومن اور دیوناگری میں مہیا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ڈکشنری میں موجود سارا متن مشین کے لیے قابل فہم یعنی مشین ریڈ ایبل ہے۔ تیسری اہم بات یہ کہ یہ سارا متن پلیٹ فارم سے نا وابستہ یعنی پلیٹ فارم انڈیپنڈنٹ ہے۔ چوتھی اہم چیز انگریزی الفاظ کے لیے ریورس سرچ کی سہولت کی فراہمی ہے۔ چنانچہ کوئی بھی لفظ سرچ کیجیے تو اُس سے متعلق معلومات آفا فانا اردو کے تینوں رسوم خط میں سامنے آ جاتی ہے۔

ریختہ کی ڈکشنری کو آن لائن مہیا کرنے والے لوگ اس بات سے آگاہ ہیں کہ اردو کے حروف کی بصری صورت کی کیا اہمیت ہے اور اردو کا ہر لفظ بنیادی طور پر املا نہیں بلکہ فلچ (Visual Gestalt) ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سماجی

لسانیات کے اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے اردو کے ہند فارسی رسم خط میں الفاظ کی چلن دار صورتوں کو راکھا گیا ہے۔ ہر زبان کی طرح اردو میں الفاظ کا تلفظ اُس کی املا نہیں بلکہ متن کا ماحول طے کرتا ہے۔ انگریزی سے مثال لیجیے تو minute کا تلفظ کہاں "مائی نیوٹ" کرنا ہے اور کہاں "منٹ"، یہ فیصلہ متن کرے گا۔ اردو میں بھی ایسے بہت سے لفظ موجود ہیں جن کی صورت یکساں لیکن تلفظ متن کی ضرورت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ ریختہ کی ڈکشنری میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ لفظ کی آڈیو فائل سن کر اُس کے درست استعمال کا فیصلہ کر لیا جائے۔ تاہم واضح رہے کہ آڈیو فائلز کی یہ پیشکش ابھی آٹومیٹڈ نہیں ہے بلکہ الگ الگ ریکارڈڈ فائلز کی صورت میں ہے۔ عالمی صوتی ابجد کے مشینی استعمال سے اس نہایت ضروری سیکشن کو اپڈیٹ کیا جانا ضروری ہے تاکہ کسی بھی لفظ کی مشین جزیٹ صوتی شخصیت مہیا ہو سکے۔

کسی بھی زبان کے تمام لفظ اُس کے "اپنے" نہیں ہوتے۔ قدیم مذہبی متون میں بھی رنگ رنگ زبانوں کے لفظ ملتے ہیں۔ ریختہ کی ڈکشنری میں موجود لفظوں کی اشتقاقی معلومات (Etymology) دینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ لفظ کا استعمال بہتر طور پر کیا جائے۔

ریختہ کی ڈکشنری میں الفاظ کی لغوی و قواعدی حیثیت کے ساتھ ساتھ مرکبات، محاورے اور کہاوتیں بھی فراہم کی گئی ہیں۔ معنی نہ صرف توضیحی ہیں بلکہ مترادفات و متضادات نیز بہت سے ہم قافیہ الفاظ بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اس وقت اس ڈکشنری کا حجم تقریباً ساڑھے تین لاکھ الفاظ ہے۔ ریختہ کی یہ ڈکشنری اردو ڈیٹا بینک (UDB) اور اردو کارپس کے اُس خواب کو پورا کرنے کے لیے کام کر رہی ہے جو دی بینک آف اردو کی تجویز پیش کرنے والے حافظ صفوان چوہان نے ڈیڑھ عشرہ قبل دیکھا تھا۔ اس سائٹ پر "لفظ خبروں میں" وہ سب سے ضروری سیکشن ہے جس نے اس ڈکشنری کو بطور کارپس استعمال کرنے کی بنیاد ڈال دی ہے۔ مشین ریڈ ایبل حالت میں مہیا ان لفظوں کی استعمالی صورتوں کی فراہمی کے لیے تمام ممکن مثالی جملوں کی گھڑائی وہ اصل کام ہے جس کے پیچھے یہ منزل چھپی ہے۔ ریختہ کے آئی ٹی اور اردو ماہرین یہ جوئے شیر کھودنے والے فرہاد ہیں جن کی وجہ سے اردو ساہر دنیا کی زبانوں میں سراٹھا کے کھڑی ہے۔

اردو لغت بورڈ کراچی کی 22 جلدوں پر مشتمل ڈکشنری اس لیے مکمل ہو سکی کہ اس میں الفاظ کی اسناد کی فراہمی کے کام کا بڑا حصہ شائقین اردو نے ایک قومی کام کے طور پر اپنے شوق سے پورا کرایا۔ ریختہ کی سائٹ کی کامیابی بھی اردو والوں کے ایسے ہی قومی جوش و جذبے کی منتظر ہے۔

انسائیکلو پیڈیا

انسائیکلو پیڈیا: تعارف اور اقسام

انسائیکلو پیڈیا کا لفظ یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے جس کے معنی کسی علمی یا فنی چیز کا سیکھنا سکھانا ہے۔ چنانچہ یہ ایک نسبتاً بڑے سائز کی کتاب ہوتی ہے جس میں اندراجات کی تفصیل اس طرح ہوتی ہے جو موضوع کے بارے میں کافی معلومات دے سکے۔ پرانے اور روایتی انسائیکلو پیڈیا ز انتہائی توجہ سے لکھوائے گئے طویل تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہیں، اور جو انسائیکلو پیڈیاز یک جلدی یا مختصر ہیں وہ دراصل انہی طویل تحقیقی مقالات کے اختصاریوں کی صورت ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا، انسائیکلو پیڈیا امریکانہ، انسائیکلو پیڈیا ایرینیکا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (انگریزی؛ لائینڈن)، وغیرہ، مقالات پر مشتمل روایتی انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا دنیا کا مشہور ترین انسائیکلو پیڈیا ہے جو پہلی بار 1768 میں ایڈنبرا سے تین جلدوں میں چھپا۔ اس کا سالنامہ بھی چھپتا ہے جو اپنی جگہ ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔

چھوٹے انسائیکلو پیڈیا ز خود کو سائیکلو پیڈیا بھی کہتے ہیں۔ Pear's کا سائیکلو پیڈیا اس کی ایک مثال ہے۔

انسائیکلو پیڈیا ز کی علیست اور علمی ہیبت کی وجہ سے انہیں مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مختلف علوم کے پورے پورے تحقیقی مضامین دوسری زبان میں منتقل کیے جاتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا اردو میں اور ازاں بعد عربی میں ترجمہ اس کی مشہور مثالیں ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا اردو میں ترجمہ "دائرہ معارف اسلامیہ" کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں کیا گیا۔

یک جلدی انسائیکلو پیڈیا ز میں چونکہ لمبے مضامین نہیں ہوتے اس لیے ان میں خاصا تنوع ہوتا ہے۔ طرح طرح کی معلومات مہیا کرنے کے لیے ان میں خوبصورت رنگوں کی تصاویر، گراف اور معلوماتی کھوپچے وغیرہ بھی لگائے جاتے ہیں۔ 2003 میں شائع ہونے والا The Cambridge Encyclopedia of the English Language از David Crystal اس کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ اپنے انتہائی اعلیٰ مواد اور پیشکش کی وجہ سے یہ انسائیکلو پیڈیا کسی بھی زبان کے انسائیکلو پیڈیا کے لیے ایک نمونے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور جرمن اور عربی وغیرہ میں اس جیسے انسائیکلو پیڈیا پیش کیے گئے ہیں۔ اردو زبان میں بھی اس کے نمونے پر انسائیکلو پیڈیا بنانے کی باتیں بعض اداروں میں سنی گئیں لیکن ابھی تک کہیں

پر باقاعدہ کام شروع نہیں ہوا۔

اردو میں انسائیکلو پیڈیا کے لیے عام طور پر "دائرۃ المعارف" اور "قاموس" جیسے الفاظ بطور متبادل اردو اصطلاحات استعمال ہوتے ہیں لیکن اب انسائیکلو پیڈیا ہی اردو کا لفظ بن چکا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا اور ساہجر دنیا

کئی کئی جلدوں میں کاغذ پر چھپنے والے انسائیکلو پیڈیا ساہجر دور آتے آتے تک پہلے تو سی ڈی میں پیش کیے جانے لگے۔ جب سی ڈی بھی پرانی ٹیکنالوجی میں تبدیل ہو گئی اور آن لائن ڈیٹا سروسز کا زمانہ شروع ہوا تو مکمل طور پر ڈیجیٹل انسائیکلو پیڈیا سامنے آنے لگے یعنی ایسے انسائیکلو پیڈیا جو کاغذ پر بالکل شائع نہیں ہوئے۔ مائیکروسافٹ کارپوریشن کا انسائیکلو پیڈیا Encarta اس کی اولین اور بڑی مثال ہے جو 1993 سے لے کر 2009 تک پہلے سی ڈی پر اور پھر آن لائن مہیا رہا۔ اس میں متن کے ساتھ آڈیو، ویڈیو اور تصاویر کی سٹریمنگ مہیا تھی اور یہ واقعی انقلاب تھا۔ اس میں معلومات اپڈیٹ کرنے کی کئی صورتیں اختیار کی گئیں۔

اس وقت دنیا کا جامع ترین اور سب سے زیادہ سہولت سے مہیا آن لائن انسائیکلو پیڈیا ویکیپیڈیا ہے۔ یہ ایک بڑی ویب سائٹ ہے جس میں اس وقت تقریباً 50 کروڑ مضامین موجود ہیں۔ اس انسائیکلو پیڈیا کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کا "مالک" کوئی نہیں ہے اور تمام دنیا کے صارفین باہمی تعاون سے اس پر مضامین لکھتے اور ان میں ترامیم کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ انسائیکلو پیڈیا ہمہ وقت ترمیم و ترمیم کے مرحلے سے گزرتا رہتا ہے اس لیے علمی دنیا میں اس کا حوالہ معتبر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ انسائیکلو پیڈیا اور پکچر بک / تصویری ڈکشنری میں فرق

تصاویر وغیرہ شامل کرنا انسائیکلو پیڈیا کی بنیادی ضرورت ہے لیکن اسے پکچر بک یا تصویری ڈکشنری (Visual Dictionary) نہیں سمجھنا چاہیے۔ تصویری ڈکشنری میں بنیادی طور پر لیکسکن جیسی ترتیب پر الفاظ کے بجائے تصاویر کو منتخب کر کے ان کے اعضا کے نام لکھے گئے ہوتے ہیں۔ ناموں کا یہ لکھنا Labelling کہلاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں Labelling مضامین کے اندراجات سے متعلق لائی جانے والی تصاویر کی ہوتی ہے جب کہ پکچر بک یا تصویری ڈکشنری میں تصاویر ہی اصل لغوی اندراج ہوتی ہیں۔ مثالی تصویری ڈکشنری کے لیے 1986 میں شائع ہونے والی Claude - Jean

Corbeil کی The Facts on File Visual Dictionary دیکھیے جو اپنے بعد آنے والے بڑے بڑے پبلشرز کی تصویری ڈکشنریوں کی بنیاد بنی۔ یہ ڈکشنری پنسل ورک والی تصاویر پر مشتمل ہے۔ ایسی ہی ایک بہت اچھی ڈکشنری 2002 میں شائع ہونے والی ڈاکٹر روجی البعلبکی کی المورد المرئی (The Visual Dictionary) ہے جس میں سہ جہتی رنگین تصویروں کی Labelling چار زبانوں عربی، انگریزی، فرانسیسی اور ہسپانوی میں ہے۔

انسائیکلو پیڈیا اور لغت کے اندراجات میں تکنیکی فرق

اس بنیادی فرق کا سمجھنا بہت ضروری ہے کہ لغت کا اندراج یعنی لغوی اندراج الفاظ کے معنی و مفاہیم، اشتقاقی و قواعدی معلومات اور استعمالی نظائر وغیرہ نیز الفاظ کے بدلتے املا اور اسنادی حیثیت وغیرہ وغیرہ میں سے کچھ (یا تمام) پیش کرتا ہے جب کہ انسائیکلو پیڈیا چھوٹے بڑے معلوماتی مضامین اور توضیحی شذرات پر مشتمل ہوتا ہے جن میں حوالے (Reference) کا التزام ہوتا ہے اور ان معلومات سے متعلق تصاویر، شماریاتی جدولیں اور گراف وغیرہ ہوتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا میں اہم شخصیتوں کے سوانحی خاکے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ سوانحی معلومات زیادہ ہونے لگیں تو ان پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا کو Who's Who کے نام سے الگ شائع کیا جانے لگا۔ اگرچہ کچھ لغات میں بعض چھوٹی بڑی تصاویر بھی ہوتی ہیں اور کچھ لغات کے نام ہی انسائیکلو پیڈک ڈکشنری ہوتی ہیں لیکن پھر بھی لغت اور ڈکشنری کا فرق اندراجات کی تکنیکی صورت سے واضح ہوتا ہے۔

اردو کی پرانے لغات میں لغت کا سائز بڑا کرنے کی کوشش میں اور لفظ سے متعلق اسناد کی جمع آوری کے دوران میں لغوی اندراجات کے اندر ایسی تفصیل شامل کر دی گئیں جو انسائیکلو پیڈک اور توضیحی لغات میں ہوتی ہیں۔ یوں لغت اور انسائیکلو پیڈیا کا فرق نہ رہا اور لغت انسائیکلو پیڈیا کا مترادف ہو گیا۔ حد تو یہ ہے کہ لغت میں سیاسی مضامین و تجزیے، مرثیے، سہرے اور اجناس کی بازاری قیمتیں تک درج کر دی گئیں۔ فرہنگ آصفیہ اس کی ایک مثال ہے۔ ایسی لغات کو بعد میں مختصر کر کے اور صرف لغوی معلومات کے ساتھ شائع کیا گیا۔ نور اللغات اس کی ایک مثال ہے۔

اوپر کے پیرا گراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ لفظوں سے متعلق کتابوں کی دو موٹی موٹی اقسام ہیں: ایک کتب لغت اور دوسری کتب توضیح و تشریح۔ پہلی طرح کی کتابیں عام ڈکشنریاں ہیں جن میں لفظوں کے معنی ہوتے ہیں جب کہ دوسری طرح

خود آزمائی

- ۱- اصطلاح سے کیا مراد ہے؟
- ۲- اصطلاحات کی فرہنگوں کی کتنی اقسام ہیں؟
- ۳- دوران ترجمہ اصطلاح کی کیوں ضرورت پڑتی ہے؟
- ۴- آن لائن لغات کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔
- ۵- انسائیکلو پیڈیا کسے کہتے ہیں؟ اس کا اسما بھر دنیا سے کیا تعلق ہے؟
- ۶- تصویری ڈکشنری کی وضاحت کریں۔
- ۷- انسائیکلو پیڈیا اور لغت کے اندراج میں بنیادی فرق کی وضاحت کریں۔

مجزوہ کتب

- ۱۔ فرہنگ اصطلاحات، لسانیات: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
- ۲۔ اردو انسائیکلو پیڈیا (جلد اول تا ہشتم)، ایڈیٹر: فضل الرحمن، قومی کونسل برائے فروغ اردو نئی دہلی۔ ۱۹۹۶ء
- ۳۔ جامع اردو انسائیکلو پیڈیا: محمد حمید اللہ بھٹ، غالب انسی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
- ۴۔ علم لغت، اصول لغت اور لغات: رؤف پارکھی، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۱۸ء

شعبۂ اُردو
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

